فہرست عنوانات

کتاب الصوم

باب رؤیۃ الہلال

(رمضان کا چاند دیکھنے اور اختلافِ مطالع کا بیان)

باب مایفسد الصوم ومالایفسد

(مفسدات صوم کا بیان)

باب صوم النفل وغیرہ

(نفلی روزوں کا بیان)

باب قضاء الصوم وکفارتہ وفدیتہ

(روزے کی قضاء، اس کے کفارہ اور فدیہ کا بیان)

فصل فی السحر والافطار

(سحری اور افطار کا بیان)

باب المتفرقات

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

کتاب الحج

باب فرضية الحج وشرائطه وأركانه

(حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان کا بیان)

باب اشتراط المحرم للمرأۃ

(عورت کے لئے محرم کا بیان)

بابٌ فی واجبات الحج وسننه

(واجبات وسننِ حج کا بیان)

باب المقامات المتبرکة

(متبرک مقامات کا بیان)

بابٌ فی أحکام الحج

(حج کے احکام کا بیان)

باب المواقیت

(میقات کا بیان)

باب القران والتمتع

(حجِ قران اور تمتع کا بیان)

باب الحج عن الغیر

(حج بدل کا بیان)

باب الجنایات

(دورانِ حج جنایات کا بیان)

باب زيارة المدينة المنورة

(زیارتِ مدینہ کا بیان)

باب المتفرقات

کتاب النکاح

باب النکاح الصحیح

(نکاح صحیح کا بیان)

فصل فی خطبة النکاح

(خطبۂ نکاح کا بیان)

فصل فی مجلس العقد وتسجیله

(نکاح کی تقریب اور رجسٹر میں اندراج کرنے کا بیان)

فصل فی الشہود فی النکاح

(نکاح میں گواہوں کا بیان)

فصل فی النکاح بالکتابة والهاتف

(تحریر اور ٹیلیفون سے نکاح کرنے کا بیان)

فصل فی نکاح الشغار

(نکاح شغار کا بیان)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مطلع میں ۲۴/گھنٹہ کا فرق ہو تو روزہ کا کیا حکم ہے؟

سوال[۴۷۵۴]: ہوائی جہاز سے ہوائی تحصیل ایجاد ہے، وہاں سے کھلاڑی گیند کھیلتے ہیں تو گیند اسی جگہ لڑھک کر جاتا ہے، وہاں کے مطلع میں ۲۴/گھنٹہ کا فرق ہوجاتا ہے۔ اگر ہوائی والے شنبہ کو روزہ رہیں تو کیا قریبی ملک والے کو اسی دن روزہ رکھنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں رویت بطریقِ شرعی ثابت ہو جائے تو دن میں روزہ کا حکم ہوگا ورنہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

مطلع کتنے فاصلہ پر بدلتا ہے؟

سوال[۴۷۵۵]: شرعاً کتنے فاصلے پر واقع بلاد کا مطلع ایک سمجھا جاتا ہے اور کتنے بعد میں مطلع بدل جاتا ہے؟ مسئلہ کی پوری شرح فرمائیں۔ جن دو شہروں یا ملکوں کا مطلع ایک ہو اور رویت کی خبر صحیح ہو تو کس رویت

= دون الأداء؟ كل محتمل، فتأمل.

ولا يمكن الفرق بعدم الوجوب أصلاً كاختياره عند القائل به فيهما؛ لأن علة عدم الوجوب فيها عند القائل به عدم السبب، وفي الصوم قد وجد السبب وهو شهود جزء من الشهر وطلوع فجر كل يوم، هذا ما ظهر لي، والله تعالى أعلم". (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ۱/۳۶۹، سعيد)

(۱) "وفي القدوري: إذا كان بين البلدتين تفاوت لا يختلف المطالع، لزم حكم أهل إحدى البلدتين البلدة الأخرى، فأما إذا كان تفاوت يختلف المطالع، لم يلزم حكم إحدى البلدتين للبلدة الأخرى. وذكر الشيخ الإمام شمس الأئمة الحلواني أن الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل إحدى البلدتين، يلزمهم حكم أهل هذه البلدة". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل السادس فيما يتصل برؤية الهلال: ۲/۳۶۹، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۲/۲۲۴، دار الكتب العلمية بيروت)

کی اطلاع پر دوسرے شہر والے روزہ و عید منا سکتے ہیں یا نہیں؟ یعنی اگر رویت کی کہیں سے غلط خبر مشتہر ہوگئی تو پھر بھی وہاں کے رویت کی خبر قبول نہیں کی جائے گی۔ جنتریوں اور کلنڈروں میں جو غروب آفتاب کے اوقات لکھے ہوتے ہیں اس کے کتنے دیر بعد اذانِ مغرب دی جائے؟ مفصل وضاحت کریں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک ہزار میل کے بعد پر مطلع بدل جاتا ہے(۱)۔ اگر رویت بطریقِ شرعی ثابت ہو جائے تو روزہ اور عید کا حکم ہوگا ورنہ نہیں(۲)۔ جنتریوں اور کلنڈروں میں خود ہی اختلاف رہتا ہے۔ تحقیق کی جائے طلوع غروب استقراء کو مشاہدہ کر کے جنتریوں کو مرتب نہیں کیا جاتا ہے، زیادہ تر نقل ہی پر اکتفا ہوتا ہے، پھر مرتب کرنے والے اپنے مزاج کے اعتبار سے احتیاط کی رعایت رکھتے ہیں، کوئی کم کوئی زیادہ، جنتریوں میں سستی اور تیزی کا

---

(۱) "وقدر البعد الذي تختلف فيه المطالع مسيرة شهر، وقد نبه عليه التاج التبريزي على أن اختلاف المطالع لا يمكن في أقل من أربعة وعشرين فرسخاً، وأفتى به الوالد، والأوجه أنها تحديدية، كما أفتى به أيضاً". (رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب اختلاف المطالع: ۳۹۳/۲، سعيد)

(۲) "ولو صام أهل بلد ثلاثين يوماً، وصام أهل بلد آخر تسعة وعشرين، فإن صام أهل ذلك البلد برؤية الهلال، وثبت ذلك عند قاضيهم أو عدوا شعبان ثلاثين يوماً، ثم صاموا رمضان، فعلى أهل البلد الآخر قضاء يوم؛ لأنهم أفطروا يوماً من رمضان ... هذا إذا كانت المسافة بين البلدين قريبة لا تختلف فيها المطالع". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۵۲۹/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"(وقُبِل بلا دعوى) وبلا لفظ "أشهد" وبلا حكم ومجلس قضاء؛ لأنه خبر لا شهادة (للصوم مع علة كغيم) وغبار (خبرُ عدلٍ) ... (ولو) كان العدل (قنّاً أو أنثى أو محدوداً في قذف تاب) ... (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ "أشهد" وعدم الحد في قذف لتعلق نفع العبد لكن (لا) تشترط (الدعوى) ... (و) بلا علة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد". (الدر المختار، كتاب الصوم: ۳۸۵/۲-۳۸۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال: ۱۹۷/۱، ۱۹۸، رشيدية)

فرق ہوتا رہتا ہے، اس لئے کوئی حتمی تعیین نہیں کی جا سکتی، بس اتنا ہے کہ غروب متیقن ہونے کے بعد اذان کا وقت ہے، نہ یہ کہ ہر جگہ ہر موسم پر گھڑی کا پابند کر دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۰۹/۱۲/۸۸ھ۔

رمضان میں یکسوئی حاصل ہونے کی تدبیر

سوال [۵۵۷۴]: رمضان المبارک کے متعلق کچھ ہدایت فرمائیں، دنیوی تفکرات سے قلب کو یکسوئی حاصل ہونے کا حضرت والا کوئی علاج بتائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اپنا نظام الاوقات بنا کر تمام اوقات کو کام میں مشغول رکھیں، کوئی وقت ضائع نہ ہونے دیں، قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کریں (۲)، فضائلِ رمضان اپنے مکان پر یا مسجد میں سننے سنانے کا اہتمام کریں، اس سے رمضان کی عظمت دل میں پختہ ہو کر اعمالِ صالحہ کی رغبت میں اضافہ ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ یکسوئی میسر ہوگی۔

---

(۱) "وعن عمر رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إذا أقبل الليل من ههنا وأدبر من ههنا، وغربت الشمس، فقد أفطر الصائم". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، الفصل الأول: ۱/۱۷۵، قديمي)

"قلت: ومقتضى قوله (لابأس بالفطر بقول عدل) أنه لا يجوز إذا لم يصدقه، ولا بقول المستور مطلقاً ..... فلا بد حينئذ من التحري، فيجوز؛ لأن ظاهر مذهب أصحابنا جواز الإفطار بالتحري، كما نقله في المعراج عن شمس الأئمة السرخسي؛ لأن التحري يفيد غلبة الظن، وهي كاليقين ...... وفي البحر عن البزازية: ولا يفطر ما لم يغلب على ظنه الغروب وإن أذن المؤذن"

(رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده: ۲/۴۰۳، سعيد)

(۲) "فإن لا يتكلم إلا بخير ...... ويلازم التلاوة والحديث والعلم وتدريسه وسير النبي صلى الله عليه وسلم وأخبار الصالحين وكتابة أمور الدين". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۵۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(ومراقي الفلاح، ص: ۷۰۳، ۷۰۵، باب الاعتكاف، قديمي)

خدا دین و دنیا کی ترقیات سے نوازے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

روزہ میں مسواک سنت ہے

سوال[٤٧٥٦]: ماہ رمضان المبارک میں روزہ کی حالت میں مسواک کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست بلکہ سنت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ٩/٥/١٣٩٠ھ۔

ستائیسویں رات کو شب قدر کی تعیین

سوال[٤٧٥٧]: شب قدر کو رمضان شریف کے اخیر دس دنوں کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم ہے تو پھر ہمیشہ اور ہر سال رمضان شریف کی ستائیسویں شب کو ہی شب قدر منانا اور اسی شب کو قرآن شریف کا ہر سال ختم کرنا بدعت ہوگا یا نہیں؟ صرف اسی رات کو زیادہ عبادتیں کرنا، تلاوت قرآن شریف اور خصوصاً حافظوں کا ختم قرآن کرنا اسلاف اور کسی حدیث سے ثابت ہے کیا؟ اور کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شب قدر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے، مگر بہت سے علماء نے قرائن سے ستائیس کو ترجیح دی ہے کہ ظن غالب یہ ہے کہ ستائیسویں شب ہے، لیکن اس پر یقین نہیں، اس طرح کہ دوسری راتوں کی نفی کردی جائے۔ ظن غالب کی بناء پر ستائیس کو ختم قرآن پاک تراویح میں کیا جائے تو یہ

---

(۱) "عن عبد الملک بن عامر بن ربیعة عن أبیه رضي الله تعالیٰ عنه قال: رأیت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یستاک، وهو صائم". (سنن أبي داود: ۱/۳۲۹، کتاب الصوم، باب السواک للصائم، امدادیه ملتان)

(وصحیح البخاري: ۱/۲۵۹، کتاب الصوم، باب السواک الرطب والیابس للصائم، قدیمي)

(وجامع الترمذي: ۱/۱۵۲، کتاب الصوم، باب ما جاء في السواک للصائم، سعید)

اعتکاف مستحب ہے، کذا فی البحر الرائق (۱)۔

یقینی طور پر اسی رات کو شب قدر کہنا اور دوسری راتوں کی نفی کردینا غلط ہے، ختم کا بھی کسی شب میں التزام نہ کیا جائے، عبادت، تلاوت، نماز وغیرہ کے لئے مسجد میں اس رات یا کسی اور رات میں جمع ہونا یا جماعت سے اہتمام کے ساتھ نوافل پڑھنا بدعت مکروہ ہے، کذا فی مراقی الفلاح (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۵ھ۔

مغرب پڑھ کر سفر کیا جہاں ابھی غروب نہیں ہوا، تیس روزے پورے کر کے سفر کیا ایسی جگہ جہاں انتیسواں روزہ ہے

سوال[۸۹۸۶]: ایک شخص یہاں مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ پہونچ جائے، مکہ میں مغرب کی نماز تو وقت کے حساب سے ابھی ہی ہوتی ہے۔ کیا پھر دوبارہ اس کو مغرب کی نماز ادا کرنا لازم ہے؟ علی ہذا مکہ سے روزہ افطار کر کے یا عید کی نماز ادا کر کے ہندوستان آئے ہے کہ یہاں لوگ روزہ سے ہیں اور نماز عید ادا نہیں کی ہے۔ اب کیا کرے، روزہ رکھے، عید کی نماز دوبارہ ادا کرے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احتراماً للوقت اور موافقۃً للمسلمین وہ نماز بھی پڑھے اور روزہ بھی رکھے، اگرچہ اس کا فریضہ ادا

---

(۱) "والجمهور على أن السنة الختم مرة، فلا يترك لكسل القوم، ويختم في الليلة السابع والعشرين لكثرة الأخبار أنها ليلة القدر" (البحر الرائق: ۲/۱۲۰، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۲/۴۶، باب الوتر والنوافل، مبحث صلوة التراويح، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۱۸، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، رشيديه)

(۲) "ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد وغيرها؛ لأنه لم يفعله النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ولا أصحابه، فأنكر أكثر العلماء من أهل الحجاز وقالوا: ذلك كله بدعة" (مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۴۰۲، فصل في تحية المسجد الخ، قديمي)

محمل ہوچکا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۹ھ۔

مسافر کو فرض روزہ توڑنے کی اجازت

سوال [۴۷۵۹]: زید نے فرض روزے کی نیت کی اور دن کا کچھ حصہ گزرا تھا کہ وہ اتفاقیہ سفر پر روانہ ہوگیا، سفر کوئی طویل ہے، کیا زید اس روزے کو توڑ سکتا ہے؟

حافظ عبدالحی لکھنؤ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مشقت ہے، پورا کرنا دشوار ہے تو اس کو توڑ سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

---

(۱) "هل يكره لها التشبه بالصوم أم لا؟ ... واعترض بأنه يستحب لها الوضوء والقعود في مصلاها وهو تشبه بالصلوة. (قوله: ولو شرعت تطوعاً فيهما): أي في الصلوة والصوم" (رد المحتار: ۱/۲۹۱، سعید)

"(وقال: يتشبه بالمصلي وجوباً، فيركع ويسجد الخ" (الدر المختار). "(قوله: وقالا: يتشبه بالمصلين): أي احتراماً للوقت. (قوله: كالصوم): أي في مثل الحائض إذا طهرت في رمضان، فإنها تمسك تشبهاً بالصائم لحرمة الشهر ... وكذا المسافر إذا أفطر ثم قام". (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۵۲، ۲۵۳، سعید)

(وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۶۹، رشیدیه)

(۲) "الأعذار التي تبيح الإفطار منها السفر الذي يبيح الفطر ... فلو سافر نهاراً لا يباح له الفطر في ذلك اليوم، وإن أفطر لا كفارة عليه". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۶، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، رشیدیه)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۲۳، فصل في العوارض، سعید)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۸۳، الفصل السابع في الأسباب المبيحة للفطر، إدارة القرآن كراچی)

باب رؤیۃ الہلال

(رمضان کا چاند دیکھنے اور اختلافِ مطالع کا بیان)

روزہ کا سبب رؤیتِ ہلال ہے یا شہودِ رمضان؟ (اختلافِ مطالع کی تفصیل)

سوال [۴۷۶۲]: رؤیتِ ہلالِ رمضان میں سب کا اتفاق ہے اس پر کہ اختلافِ مطالع سے حکمِ صوم مختلف ہوجاتا ہے، بعض نے حدیث حضرت کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دلیل بنایا اور بعض دوسری دلیل پیش کرتے ہیں اور بعض اسی کو حق اور مطابق مع قرآنی بتاتے ہیں، کیونکہ قرآن شریف میں ہے: ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾ (۱) أي رمضان الخ"۔ اور اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ "جو شخص ماہِ رمضان پاوے، یا داخل ہو، اس پر روزہ واجب ہے" اور یہی مذہب حق اور ٹھیک ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، اگر مشرق والا ہلالِ رمضان کی خبر دے اہلِ مغرب کو تو اہلِ مغرب پر روزہ واجب ہوگا یا اس کا عکس۔ یہ مذہب کے خلاف حدیث اور نصِ قرآنی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ کبھی یہ صورت واقع ہوگی، ایک ملک میں آج شعبان ہے تو دوسرے ملک میں رمضان جیسے امریکہ میں رات اور یہاں دن، بلکہ لندن اور ہندوستان میں بھی بہت فرق ہے کیونکہ معظم کا عمر انتقال یہاں ہندوستان کو دیا ہے۔ ایک جگہ رات کے دس بجے ایک جگہ دن کے دس بجے۔ اور بلغار کی خبر مشہور ہے اور فقہ کی کتب میں ہے کہ اہلِ بلغار پر صلوٰۃ عشاء واجب نہیں ہے، مغرب کے بعد فجر ہوجاتی ہے۔

الغرض جس پر ماہِ رمضان حاضر ہوئے پھر اس پر روزہ واجب کس طرح ہوتا ہے؟ کیونکہ وجوبِ صوم کا سبب حضر ماہِ رمضان میں ہونا، یا ماہِ رمضان میں پانا ہے اور ہر گاہ مشرق میں رؤیتِ ہلال ہوا ہے، اہلِ مغرب حاضر ماہِ رمضان نہیں ہے پھر وہاں کی خبر سے روزہ کس طرح واجب ہوگا؟ مثلاً اگر ایک ملک میں وقتِ ظہر ہوا ہے اور دوسرے ملک میں وقتِ فجر ہوا ہے، اگر کوئی خبر ظہر کی وہاں سے لاوے تو اس وقت دوسرے ملک کے

---

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۱۸۵)

باشندوں پر ظہر پڑھنا واجب ہوگا یا فجر پڑھنا واجب ہوگا؟ دوسری بات یہ ہے کہ امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسائل کے ماخذ قرآن و حدیث اور قیاس اور اجماع ہے۔ الغرض رویت ہلال کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کیا دلیل ہے کہ رویت ہلال کے مسئلہ کے مطابق شریعت غراء و ملت بیضاء ہے؟ دلائل سے مزین فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چونکہ فقہائے مجتہدین سب کے سب رویت ہلال رمضان شریف کے بارے میں متفق ہیں کہ اختلاف مطالع سے حکم صوم مختلف ہوجاتا ہے یا ان کے مذہب سے واقفیت ہوئی ہے۔ ان کے مذاہب کی تفصیل یہ ہے:

"جیسا کہ حضرات "فقہ حنبلی" میں لکھا ہے:

"یجب صوم رمضان برؤیة هلاله على جميع الناس وحكم من لم يره حكم من رآه ولو اختلفت المطالع"(1)۔ فقہ حنبلی کی دوسری کتاب "الروض المربع" میں اور زیادہ واضح طور پر ہے:
"إذا رآه أهل بلد، أي متى ثبتت رؤيته ببلد لزم الناس كلهم الصوم لقوله عليه السلام: "صوموا لرؤيته" وهو خطاب للأمة كافة، فإن رآه جماعة ببلد ثم سافروا لبلد بعيد فلم ير الهلال به في آخره أفطروا"(2)۔ یہ حنابلہ کا مذہب ہوا۔

---

(1) "قوله: (وإذا رأى الهلال أهل بلد لزم الناس كلهم الصوم).

لا خلاف في لزوم الصوم على من رآه. وأما من لم يره، فإن كانت المطالع متفقة، لزمهم الصوم أيضاً، وإن اختلفت المطالع، فالصحيح من المذهب لزوم الصوم أيضاً.

قدمه في الفروع، والفائق، والرعاية، وهو من المفردات. وقال في الفائق: والرؤية ببلد تلزم المكلفين كافة. وقال في الرعاية الكبرى: يلزم من لم يره حكم من رآه ... قوله: ويقبل في هلال رمضان قول عدل واحد" (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف: ٣/٢٧٣، كتاب الصيام، دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(وكذا في المغني، كتاب الصيام: ٣/١٥، دار الفكر بيروت)

(2) (الروض المربع، كتاب الصوم: ١/١٤٣، دار الكتب العلمية بيروت)

فقہائے مالکیہ کی "شرح کبیر الدردیر" میں ہے: "وعم الصوم سائر البلاد قریبا أو بعیدا، ولا یراعی فی ذلک مسافة قصر، ولا اتفاق المطالع ولا عدمها، فیجب الصوم علی کل منقول إلیه (إن نقل) ثبوته (بهما): أی بالعدلین أو بالمستفیضة (عنهما): أی عن العدلین، اهـ" (۱)۔

یہ مالکیہ کا مسلک ہوا۔ حنفیہ کا قولِ راجح معلوم ہی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ کرنے میں ائمہ ثلاثہ متفق ہیں حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ۔ شافعیہ البتہ اختلافِ مطالع کا اعتبار کرتے ہیں (۲) لیکن ان کے یہاں بھی یہ تفصیل ہے:

"وثبتت الرؤیة فی حق من لم یره: أی ممن مطلعه موافق لمطلع محل الرؤیة بأن یکون غروب الشمس والکواکب وطلوعها فی البلدین فی وقت واحد، فإن غرب شیء من ذلک وطلع فی أحد البلدین قبله فی الآخر أو بعده لم یجب علی من لم یره برؤیة البلد الآخر، حتی لو سافر من أحد البلدین لغیرهم صائمین أو مفطرین لزمه الشهر موافقتهم سواء فی أول الشهر أو آخره. وهذا الأمر یرجع إلی طول البلد وعرضها سواء قربت المسافة أو بعدت، ولا نظر إلی مسافة القصر وعدمها. نعم متی حصلت الرؤیة للبلد الشرقی لزم رؤیته فی البلد الغربی ولا عکس، کما فی مکة المشرفة ومصر المحروسة، فیلزم من رؤیته بمکة لا فی عکسه، اهـ" حاشیة شرح الإقناع (۳)۔

---

(۱) (الشرح الکبیر، باب ذکر فیه حکم الصیام وما یتعلق به: ۱/ ۵۱۰، دار الفکر بیروت)

(۲) "وأما الشافعیة فقالوا: إذا رؤی الهلال ببلد لزم حکمه البلد القریب لا البعید، بحسب اختلاف المطالع فی الأصح، واختلاف المطالع لا یکون فی أقل من أربعة وعشرین فرسخاً" (الفقه الإسلامی وأدلته: ۳/ ۱۶۵۱، المطلب الثالث اختلاف المطالع، رشیدیه)

(۳) "ما وجدنا حاشیة شرح الإقناع، لکن للأستاذ الدکتور وهبة الزحیلی بیّن تفصیل هذه المسألة فی مذهب الشافعیة حیث قال: "وإذا لم نوجب علی البلد الآخر وهو البعید، فسافر إلیه من بلد الرؤیة من صام به، فالأصح أنه یوافقهم وجوباً فی الصوم آخراً، وإن کان قد أتم ثلاثین؛ لأنه بالانتقال إلی بلدهم صار واحداً منهم فیلزمه حکمهم ... الخ" (الفقه الإسلامی وأدلته: ۳/ ۱۶۵۴، کتاب الصیام، المطلب الثالث اختلاف المطالع، رشیدیه)

تو یہ حقیقت ائمہ ثلاثہ ایک طرف ہیں اور شافعیہ ایک طرف۔ شیخ محمد بن عبد الرحمن دمشقی شافعی "رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ" میں لکھتے ہیں:

"واتفقوا على أنه إذا رئي الهلال في بلد رؤية فاشية، فإنه يجب على سائر أهل الدنيا، إلا أن أصحاب الشافعي صححوا أنه يلزم حكمه أهل البلد القريب دون البلد البعيد" اهـ (۱)۔

یہاں تک تو مذہب معلوم ہوئے، رہا دلائل کا قصہ، سو مقلد عامی کو دلائل کی ضرورت نہیں، نہ دلائل اس کی سمجھ میں آئیں گے اور نہ کچھ نفع ہوگا، بلکہ عجب نہیں کہ قصور فہم وعدم علم کی بنا پر کچھ الجھن پیدا ہو، لہٰذا اس کے امام نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر جو مسائل استخراج کئے ہیں ان پر عمل کر لینا کافی ہے، البتہ اہل علم کو اگر تحقیق وازدیاد معلومات کا شوق ہو تو ان کے لئے دلائل کا ذخیرہ کتب میں کافی موجود ہے۔ جن شافعیہ نے اختلاف مطالع کا اعتبار کیا ہے، انہوں نے آیت سے استدلال نہیں کیا، بلکہ حدیث کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استدلال کیا ہے:

میں اولاً آیت کا مطلب لکھتا ہوں، اس کے بعد حدیث کے متعلق عرض کروں گا:

اس میں شبہ نہیں کہ روزہ کی فرضیت موقوف ہے شہود شہر رمضان پر، ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾، مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ رؤیت ہلال پر موقوف ہے۔ "صوموا لرؤيته" الحدیث (۲)۔

---

(۱) (رحمة الأمة في اختلاف الأئمة، كتاب الصيام، ص: ۹۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ذكر رمضان، فضرب بيديه، فقال: "الشهر هكذا وهكذا" ثم عقد إبهامه في الثالثة. "صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن أغمي عليكم فاقدروا له ثلاثين".

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن غمي عليكم فأكملوا" (الصحيح لمسلم: ۱/۳۴۷، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال والفطر لرؤية الهلال الخ، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۱/۲۵۶، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا"، قديمي)

اس لئے جمع کی صورت یہ ہے کہ شہود شہر کو موقوف کیا جائے رؤیت ہلال پر، اب رؤیت ہلال کی دو صورتیں ہیں: یا تو ہر شخص کے حق میں خود اسی کی رؤیت معتبر ہو، کسی دوسرے کی رؤیت کافی نہ ہو، تب تو اندھے ضعیف البصر، مستورات جو کسی بلند مقام سے پہلی شب کو چاند نہ دیکھ سکیں، ابر وغبار دھواں والی جگہ کے رہنے والے یہ سب لوگ صوم سے مستثنیٰ ہو جائیں گے، بعض کچھ وقت کے لئے، بعض مدت العمر کے لئے۔ اس کا بطلان تو بدیہی اور غیر خفیہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بعض کی رؤیت سب کے حق میں معتبر اور کافی ہو جائے (بشرطیکہ شرعی طریق پر قابلِ قبول شہادت حاصل ہو جائے) یہی حق ہے۔ اب جس کو بھی رؤیت کا علم (شرعی شہادت سے) حاصل ہو گیا، دیکھنے والے کی طرح اس کے حق میں بھی شہود شہر ہو گیا۔

یہ کہنا کہ "مشرق کی رؤیت سے (باوجود شرعی شہادت پہنچنے کے) مغرب میں شہود شہر نہیں ہوا" غلط ہے، جس طرح نزدیک کی شہادت پر شرعی احکام نافذ ہوتے ہیں اسی طرح دور کی شہادت پر بھی جاری ہوتے ہیں، دور ونزدیک کی تفریق حدود وقصاص (جن کو ادنیٰ سے شبہ کی بنا پر ساقط کر دینے کا حکم ہے) میں بھی نہیں، بلکہ شریعت میں اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔

پس مذہب حنفیہ نص قطعی، حدیث یا اجماع یا قیاس سے بالکل خلاف نہیں، بلکہ عین موافق ہے۔

تفسیر تیسیر الرحمن میں ہے: "﴿فمن شهد﴾ أي علم ﴿منكم الشهر﴾ باستكمال شعبان أو برؤية عدل الهلال ﴿فليصمه﴾" اهـ(۱)۔ صاوی شرح جلالین میں ہے: "﴿فمن شهد منكم الشهر﴾ إن كان المراد به الأيام، فالمعنى: شهد بعضه، وإن كان المراد به الهلال فالمعنى: علمه، إما بأن يكون رآه أو ثبت عنده" اهـ(۲)۔

اس مسئلہ میں غیر مقلدین کے امام علامہ شوکانی بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں، وہ حدیث کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب دیتے ہیں۔ حدیث کریب جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے یہ ہے:

= (جامع الترمذي، أبواب الصوم، باب ما جاء أن الصوم لرؤية الهلال والإفطار له، سعيد)

(۱) لم أجده

(۲) (حاشية الصاوي على تفسير الجلالين: ۱/۱۱۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"حدثنا موسى بن إسماعيل نا إسماعيل يعني ابن جعفر، أخبرني محمد بن أبي حرملة أخبرني كريب رضي الله تعالى عنه: أن أم الفضل ابنة الحارث بعثته إلى معاوية بالشام، فقال: فقدمت الشام فقضيت حاجتها، فاستهل رمضان وأنا بالشام، فرأينا الهلال ليلة الجمعة، ثم قدمت المدينة في آخر الشهر، فسألني ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، ثم ذكر الهلال، فقال: "متى رأيتم الهلال؟" قلت: رأيته ليلة الجمعة. قال: "أنت رأيته؟" قلت: نعم، ورآه الناس وصاموا وصام معاوية. قال: "لكنا رأيناه ليلة السبت، فلا نزال نصومه حتى نكمل الثلاثين أو نراه". فقلت: "أفلا تكتفي برؤية معاوية وصيامه؟" قال: لا، هكذا أمرنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم"(۱).

علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ: "واعلم أن الحجة إنما هي في المرفوع من رواية ابن عباس رضي الله تعالى عنهما لا في اجتهاده الذي فهم عنه الناس والمشار إليه بقوله: "هكذا أمرنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم" وهو قوله: "فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين" والأمر الكائن من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم هو ما أخرجه الشيخان وغيرهما بلفظ: "لا تصوموا حتى تروا الهلال، ولا تفطروا حتى تروه، فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين" وهذا لا يختص بأهل ناحية على جهة الانفراد بل هو خطاب لكل من يصلح له من المسلمين، فالاستدلال به على لزوم رؤية أهل بلد لغيرهم من أهل البلاد أظهر من الاستدلال به على عدم اللزوم؛ لأنه إذا رآه أهل بلد، فقد رآه المسلمون، فيلزم غيرهم ما لزمهم.

ولو سلم توجه الإشارة في كلام ابن عباس رضي الله تعالى عنهما إلى عدم لزوم رؤية أهل بلد لأهل بلد آخر، لكان عدم اللزوم مقيداً بدليل العقل، وهو أن يكون بين القطرين من البعد ما يجوز معه اختلاف المطالع، وعدم عمل ابن عباس رضي الله تعالى عنهما برؤية أهل الشام مع عدم البعد الذي يمكن معه الاختلاف عمل بالاجتهاد وليس بحجة. ولو سلم عدم لزوم التقييد بالعقل، فلا يشك عالم أن الأدلة قاضية بأن أهل الأقطار يعمل بعضهم بخبر بعض وشهادته في

(۱) سنن أبي داود ١/٣٢٩، باب: إذا رؤي الهلال في بلد قبل الآخرين بليلة، إمدادیہ ملتان)

رؤیتِ ہلال اور کتاب القاضی الی القاضی کی تفصیل

سوال [۴۶۷۳]: ۲۹/رمضان المبارک/ ۹۹ھ، یوم یکشنبہ کو خیرآباد ضلع سیتاپور میں چاند دیکھا تھا، اس کے چند گھنٹے بعد اطراف وجوانب سے شہادت بھی گزری، البتہ لکھنؤ میں ثبوتِ رؤیت ہوجانے کی وجہ سے ۱۲/ بجے شب کو وہاں عید کا اعلان کردیا گیا۔ سیتاپور (جو خیرآباد کا ضلع اور یہاں سے پانچ میل دور ہے) کے ذمہ دار حضرات نے فون سے معلوم کرکے رات ہی کو بذریعہ موٹر دو ثقہ آدمی روانہ کردیئے جو صبح مفتی صاحب فرنگی محلی کی تحریر لے آئے جس کی بنا پر سیتاپور میں عید کا اعلان کردیا گیا۔ خیرآباد میں جہاں کہ نظام سیتاپور سے ملحق ہے، جب صبح ۸/ بجے خبر ہوئی تو مفتی خیرآباد نے دو آدمی فوراً لکھنؤ روانہ کئے جو چار بجے شام کو لکھنؤ سے مفتی صاحب فرنگی محل لکھنؤ کا خط لائے جس کے بعد فوراً روزہ توڑنے کا اعلان کردیا گیا۔ وقت نہ ہونے کی وجہ سے نماز دوسرے روز ادا کی گئی۔

یہاں سے لوگوں کو اس بات پر اصرار تھا کہ سیتاپور کے اعلان پر یہاں بھی اعلان کردیا جائے، لیکن یہاں کے مفتی نے اس وجہ سے کہ لکھنؤ کے مفتی صاحب کا خط خاص سیتاپور کے مفتی صاحب کے نام تھا، تو اس پر عمل کرتے ہوئے عید کا اعلان نہیں کیا، اس لئے کہ کتب فقہ میں تصریح کردی گئی ہے کہ جب خط عام نہ ہو، مکتوب الیہ کے علاوہ دوسرے کے لئے قابلِ عمل نہیں ہوسکتا، اس کے باوجود لوگوں کی بڑی تعداد نے روزہ توڑ دیا اور چند نفوس نے نماز بھی پڑھ لی۔ شرعی ثبوت حاصل ہونے کے بعد اعلان کی تصدیق ہوگئی۔

اس سلسلہ میں حسبِ ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

۱… کتاب القاضی الی القاضی جب کہ کسی خاص قاضی کے نام ہو، دوسرے کے لئے قابلِ عمل اس وقت ہوسکتی ہے جب کہ مکتوب الیہ کے نام کے بعد عموم کردیا گیا ہو، جیسا کہ درمختار میں ہے: "وبموت المکتوب إلیه وخروجه من الأهلیة إلا إذا عمم بعد تعیینه کأن قال: إلی فلان قاضی بلد کذا وإلی کل من یصل إلیه کتابي هذا من قضاة المسلمین وحکامهم" (۱)۔

یہ عموم صرف اسی شہر کے لئے ہے جہاں کے لئے خط لکھا گیا ہے، یا جس جگہ بھی یہ خط پہنچ جائے ان کا حوالہ کے لئے ہوجانا کافی ہے؟ نیز "وحکامہم" سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ذمہ دار حضرات کو بھی اسی وجہ

(۱) (رد المحتار علی الدر المختار: ۵/۴۴۳، کتاب القضاء، باب کتاب القاضی إلی القاضی، سعید)

دلیل ہے؟ تو فتویٰ کو ہے جب محو کر دیا جائے

۲۔ جیتاپور کے مفتی صاحب کے پاس لکھنؤ کے مفتی کی جو تحریر آئی ہے اب اگر جیتاپور کا مفتی کسی دوسرے مقام کے مفتی کے پاس دو گواہوں کے ساتھ یک تحریر اس مضمون کی بھیجے کہ "لکھنؤ کے مفتی کی تحریر میرے پاس بشہادت شاہدین آگئی ہے جس میں یہ درج ہے کہ لکھنؤ میں شہادت رویت ہلال گزر گئی ہے" اب دوسرے مقام کے مفتی کے لئے جیتاپور کے مفتی کی یہ تحریر- جو ثبوت رویت پر نہیں، بلکہ جس مفتی کے پاس ثبوت رویت ہوا ہے اس کی تحریر کی تصدیق ہے قابل عمل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

کیا یہ سلسلہ تیسرے مفتی تک محدود رہے گا، یا تیسرے سے چوتھے الی ہذا القیاس سلسلہ مفتیوں کو تحریر روانہ کرنے کا حق باقی رہے گا اور سب مکتوب الیہ عمل کرنے کے مجاز ہوتے رہیں گے؟ کتب فقہ میں کوئی اس کی نظیر و جزئیہ نظر سے نہیں گزرا، اگر یہ صورت جائز ہے تو کوئی کتاب تحریر فرمائی جائے۔

۳۔ فتاویٰ شامی میں ہے "وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى: يقبل كتابه في مكان لو غدا لأداء الشهادات لا يستطيع أن يبيت في أهله، صحح الإسبيجابي والسكاكي"(۱) اهـ

اب سوال یہ ہے کہ اگر سوال نمبر ۲ کی بنا پر لکھنؤ کی تحریر پر جیتاپور کا مفتی دوسرے مقام کے مفتی کو لکھتا ہے اور وہ اس پر عمل کا مجاز ہے تو خیرآباد یا کوئی دوسرا مقام جو جیتاپور سے اس قدر مسافت سے کم ہے جس کا عبارت مذکورہ بالا میں بیان ہے تحریر بھیجنے کی کیا صورت ہوگی؟ نیز خیرآباد سے جیتاپور میں شہادت علی الرویۃ کر دیا جائے تو خیرآباد کا مفتی وہاں کے مفتی کے بیان پر کس طرح عمل کرے؟ اب کیا تحریر بمسافت مذکورہ کتاب القاضی الی القاضی کے لئے ضروری ہے فتاویٰ میں ہے در المختار "وجوزهما الثاني بل لا يعود في يومه وعليه الفتوى"(۲) یعنی تحریر کرنے کے شہادت علی القضاء کے تو مسافت شرط نہیں ہے؟

۴۔ مفتی خیرآباد نے اعلان عید کے بارے میں لکھنؤ سے آدمیوں کی واپسی تک توقف کیا، یہ فعل شرعاً صحیح تھا یا غلط؟ اور خیرآباد کے شخص جیتاپور کے مفتی کا اعلان علاوہ کر کے اعلان عید کر دیا (جب کہ یہاں کا مفتی [illegible]

(۱) (رد المحتار: ۵/ ۴۳۳، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب في دفتر البياع والصراف والسمسار، سعيد)

(۲) (الدر المختار: ۵/ ۴۳۳، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، سعيد)

جداگانہ ہے) جائز تھا یا نہیں؟

۵۔ خیرآباد کے جن لوگوں نے شرعی ثبوت کا انتظار کئے بغیر روزہ توڑ ڈالا یا نماز عید ادا کی وہ گنہگار ہوئے یا نہیں؟ اور نماز صحیح ہوئی یا اعادہ ضروری ہے؟

۶۔ خیرآباد کے بعض لوگ جو اپنی ملازمت یا دوسری ضرورت سے سیتاپور گئے ہوئے تھے، ان کے اجتماع میں انہوں نے نماز بھی ادا کی اور روزہ بھی توڑا، اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

۷۔ بعض حضرات خیرآباد سے خاص طور سے نماز ادا کرنے کے لئے سیتاپور گئے، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ خیرآباد کی اجتماع ضروری تھی یا سیتاپور جانا صحیح تھا؟

۸۔۔۔ پاکستان اور حیدرآباد میں ۲۹/ کی رویت رمضان کی ہوئی تھی یعنی یہاں سے ایک روز قبل روزہ رکھا تھا، بعض لوگ جو وہاں موجود تھے عید کے لئے یہاں آگئے تو یہاں تیسویں کو ان کا اکتیسواں روزہ ہو رہا تھا، اس لئے انہیں روزہ رکھنا چاہئے تھا یا ترک کرنا چاہئے تھا؟

۹۔ رویت ہلال میں تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی اطلاع معتبر ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان چونکہ مسلم سلطنت ہے اس لئے وہاں کا ریڈیو معتبر ہونا چاہئے؟

۱۰۔۔۔ اگر کسی قاضی کے پاس شہادت گزری ہے، مفتی خود جانے یا اپنا نائب بنا کر بھیج دے، جب بھی شاہدین کی ضرورت ہوئی، قاضی خود آکر مفتی سے زبانی کہہ دے کہ میرے پاس شہادت گزر گئی اور میں نے تسلیم کرلی۔ بلا شہادت یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

۱۱۔۔۔ سیتاپور جہاں کتاب القاضی الی القاضی کے اصول پر عید ہوئی ہے رویت سے نہیں ہوئی ہے، اگر وہاں سے مختلف جماعتیں خیرآباد آکر عید ہونا بیان کردیں یا خیرآباد کی مختلف جماعتیں وہاں جاکر دیکھ آئیں اور مفتی سے آکر عید کا ہونا بیان کریں تو یہ امر خیرآباد میں عید کا حکم دینے کے لئے کافی ہے یا نہیں جب کہ فقہاء نے مجرد شیوع کو بے اصل قرار دیا ہے؟

۱۲۔ عید میں جب شہادت مستور غیر معتبر ہے تو باہر کے آئے ہوئے لوگوں کی گواہی کیسے مانی جائے کیونکہ وہ مستور الحال ہیں؟ حالانکہ شہادت اہل المشرق لاہل المغرب کو رویت میں معتبر مانا گیا ہے، اگر عیدین کا ثبوت باب شہادت سے ہے تو پھر خبر مستفیض جہاں عدالت بھی ضروری نہیں، صرف تعداد کافی ہے کیونکہ معتبر

ہے؟ نیز ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر۔ جب کہ متعدد جگہوں سے ہو یا ریڈیو کا نظام جب کہ مسلمان علماء کی زیرِ نگرانی ہو۔ کیوں غیر معتبر ہے؟

۱۳.. اگر ہلالِ رمضان محض ایک عادل سے ثابت ہوا ہے تو تیس دن پورے کر کے بغیر چاند دیکھے ہوئے عید کرنا جائز ہے یا نہیں، خصوصاً جب کہ مطلع صاف ہو اور تیس کو چاند نظر نہ آئے؟ بینوا توجروا۔

پوری توجہ اور غور وفکر کے بعد جواب تحریر فرمایئے گا، معاملہ بہت اہم اور وقت نازک ہے۔ مورخہ ۲۲/شوال/۹۱ھ۔

رشید احمد کھینڈو ضلع حیدرآباد، سندھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آج کل شرعی قاضی تو یہاں موجود نہیں اور مفتی وقاضی میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، یعنی اول مخبر محض ہے اور ثانی ملزم ہے، جس جگہ حاکم ملزم نہ ہو وہاں مفتی کا فتویٰ ہی عامی کے حق میں بمنزلہ حکمِ حاکم کے ہے، اسی بناء پر مفتی کی تحریر کو کتاب القاضی کا حکم دیا جاتا ہے: "ولا فرق بین المفتي والحاکم إلا أن المفتي مخبر بالحکم والقاضي ملزم به" اھ. شرح عقود رسم المفتي (۱)۔

۱.. اگر قاضی کاتب نے کسی خاص قاضی مکتوب الیہ کے نام خط لکھ کر عموم کر دیا ہو تو تمام قضاۃ و حکام کے لئے وہ قابلِ عمل ہے، اگر ابتداء ہی عموم کر دیا ہو تب بھی قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ قابلِ عمل ہے اور بہت سے مشائخ کے نزدیک بھی وہ قابلِ عمل ہے، یہی اوجہ ہے اسی پر عمل ہے۔ مسائلِ قضاء وشہادت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے:

"إلا إذا عمم بعد تخصیص اسم المکتوب إلیه بخلاف ما لو عمم ابتداءً وجوزه الثاني، وعلیه العمل، خلاصة" اھ. درمختار۔

"(قوله: بخلاف ما لو عمم) بأن قال: إلی کل من یصل إلیه کتابي هذا من قضاة المسلمین وحکامهم. (قوله: وجوزه الثاني) وکذا الشافعي وأحمد، فتح. (قوله: وعلیه العمل) قال في منح: واستحسنه کثیر من المشائخ، وفي الفتح: وهو أوجه؛ لأن إعلام

(۱) شرح عقود رسم المفتي، ص: ۴۷، سعید)

المكتوب وإن كان شرطاً فبالعموم تُعلم كما يعلم بالخصوص، و ليس العموم من قبيل الإجمال والتجهيل، فصار قصديته و تبعيته سواء، نهر، اهـ". شامی(۱)۔

"وفي القنية من باب المفتي: الفتوى على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ فيما يتعلق بالقضاء.... ..... زادفي شرح البيري على الأشباه: إن الفتوى على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أيضاً في الشهادات، اهـ". شرح عقود رسم المفتي(۲)۔

اگر کسی خاص شہر کے قضاۃ کو مکتوب الیہم قرار نہیں دیا، بلکہ عموم رکھا ہے تو کسی خاص شہر کی تعیین نہیں ہوگی اور مفتی کی طرح ہر وہ شخص اس صورت میں مکتوب الیہ سمجھا جائے گا جس کی طرف عوام ایسے مسائل میں رجوع کرتے ہوں اور وہ ذمہ دار ہو، بشرطیکہ شہادت شرعیہ کے ساتھ یہ تحریر اس کے پاس پہونچ جائے۔

۲..... یہ جزئیہ اور اس کی نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں: "و يجوز للقاضي المكتوب إليه أن يكتب كتاباً إلى قاضي آخر إذا تعذر حضوره عنده، و كذا المكتوب إليه ثانياً أن يكتب إلى آخر ما لا يتناهى؛ لأن الشهادة الواقعة عند الأول صارت منقولة إلى المكتوب إليه حكماً، فصاروا كأنهم شهدوا عنده حقيقة، فجاز له أن ينقلها إلى غيره، إذ الحاجة إلى نقلها مراراً ماسةٌ، وهي المجوزة للنقل، اهـ". زيلعي شرح كنز(۳)۔

"[فرع]: لو سمع الخصم بوصول كتاب القاضي إلى قاضي بلدة، فهرب إلى بلدة أخرى، كان للقاضي المكتوب إليه أن يكتب إلى قاضي تلك البلدة مما ثبت عنده من كتاب

(۱) (رد المحتار: ۵/۴۳۷، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب في دفتر البياع والصراف والسمسار، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۱۸۴، باب كتاب القاضي إلى القاضي، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۲۱۷، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، بيروت)

(۲) (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۱۱، مطلب في قواعد الترجيح السبعة، الفتوى على قول أبي يوسف في القضاء و ما يتعلق به، مير محمد كتب خانه)

(۳) (تبيين الحقائق: ۵/۱۰۵، باب كتاب القاضي إلى القاضي، دار الكتب العلمية بيروت)

القاضي، كما جوزت للأول الكتابة تجوز للثاني والثالث وهلم جراً للحاجة، اهـ". فتح القدير (١)۔

۳..... امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ظاہر الروایۃ کے خلاف ہونے کے باوجود ان کے قاضی ہونے کی بنا پر مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرط نہیں لگائی اور بعض فقہاء نے امام محمد رحمہ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا ہے:

"ثم لا بد من مسافة بين القاضيين حتى يجوز كتاب القاضي. واختلفوا في تلك المسافة، منهم من قال: هي معتبرة بالشهادة على الشهادة، وهي مسيرة ثلاثة أيام في ظاهر الرواية. وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه إن كان في مكان لو غدا لأداء الشهادة لا يستطيع أن يبيت في أهله، صح الإشهاد. وعن محمد رحمه الله تعالى أنه تجوز الشهادة على الشهادة، وإن كان الأصل صحيحاً في المصر. وذكر الكرخي رحمه الله تعالى في اختلاف الفقهاء: أن كتاب القاضي إلى القاضي مقبول وإن كان في مصر واحد، فكأنهما اعتبراه بالتوكيل، وفي الظاهر اعتبر بالعجز، اهـ". زيلعي (٢)۔

"في الخصاف: وروي عن محمد أنه قال: في مصر فيه قاضيان في كل جانب قاضي، يكتب أحدهما إلى الآخر كتاباً: يقبل كتابه، ولو أتى أحدهما إلى صاحبه فأخبره بالحادثة بنفسه، لم يقبل قوله؛ لأن في الوجه الأول كان خاطبه في موضع القضاء، وفي الثاني خاطبه في غير موضع القضاء، اهـ". شامي (٣)۔

اس قول کی بنا پر مسافتِ مذکورہ فی الدر المختار سے کم کی صورت میں بھی تحریر قابلِ عمل ہوسکتی ہے۔

---

(١) (فتح القدير: ٧/٢٩٥، كتاب القاضي إلى القاضي، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(٢) (تبيين الحقائق: ٥/١٠٣، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، دار الكتب العلمية بيروت)

(٣) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ٥/١٠٣، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ٥/٤٣٣، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، مطلب في دفتر البياع والصراف والسمسار، سعيد)

۴ ... مفتی فیروز آباد کا عمل صحیح رہا روزہ توڑنا جائز نہیں تھا۔

۵ ... یہ روزہ توڑنا اور عید پڑھنا خلاف شرع ہوا، پھر اگر کسی نے یہ سمجھتے ہوئے نمازِ عید پڑھی ہے کہ عید کا ثبوت نہیں ہوا تو اس کو آئندہ روز جب کہ اور آدمیوں نے ثبوت ہونے پر پڑھی ہے ان کے ساتھ پڑھنا چاہئے، پہلی دفعہ کا پڑھنا کافی نہیں اور اگر یہ سمجھتے ہوئے پہلی دفعہ پڑھی ہے کہ عید کا ثبوت ہو گیا تو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں "صلى الفرض وعنده أن الوقت لم يدخل، فظهر أنه كان قد دخل لا يجزيه؛ لأنه عنده أن صلاته غير جائزة اهـ". کبیری (۱)۔

۶ ... نہیں کوئی حرج نہیں۔

۷ ... ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

۸ ... ایسے لوگوں کو روزہ رکھنا چاہئے جیسے کہ اگر کوئی شخص عید کا چاند دیکھے مگر اس کا قول قبول نہ کیا جائے تو اس کو عید کرنا درست نہیں بلکہ روزہ رکھنا چاہئے، ہاں اگر روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑ دیا تو کفارہ لازم نہیں (۲)۔

۹ ... جن مسائل میں شہادت شرعیہ ضروری ہے ان میں تار، ریڈیو، ٹیلیفون کی اطلاع معتبر نہیں خواہ پاکستان سے یہ اطلاع آئے خواہ عربستان سے، اور جن مسائل میں خبر بھی کافی ہے ان میں اگر متعدد تار، ریڈیو، ٹیلیفون کی اطلاع سے ظن غالب حاصل ہو جائے تو ان مسائل میں معتبر ہے خواہ پاکستان سے اطلاع ملے خواہ کسی اور جگہ سے۔ پاکستان کی اسلامی حکومت کا ہندوستان پر ایسے مسائل میں کوئی اثر نہیں جیسے کہ عرب وغیرہ کی حکومت کا کوئی اثر نہیں۔

۱۰ ... جواب نمبر ۳ کے اخیر میں شلبی کی عبارت منقولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قاضی دوسرا آ کر دوسرے قاضی سے سن کر بیان کرے تو اس کا قول قبول نہیں، والعلة مذكورة ثمة۔

۱۱ ... جب کہ فیروز آباد کا ضلع الگ جداگانہ ہے، سیتاپور کے ماتحت نہیں تو صورت مسئولہ میں عید کا حکم

---

(۱) (الحلبي الكبير، الشرط الرابع، ص: ۲۲۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) (رأى) مكلف (هلال رمضان أو الفطر ورد قوله) بدليل شرعي (صام) مطلقاً وجوباً، وقيل: ندباً"

(الدر المختار، كتاب الصوم: ۲/۳۸۳، سعيد)

صحیح نہیں۔

۱۲... جی ہاں! مستورالحال کی شہادت رؤیت ہلال عید کے متعلق معتبر نہیں، شاہد کا عادل ہونا ضروری ہے خواہ وہ مقامی ہو خواہ بیرون سے آنے والا ہو، جو فائدہ شہادت سے حاصل ہوتا ہے وہ فائدہ خبر مستفیض سے بطریق اتم حاصل ہو جاتا ہے، اس لئے یہاں بھی خبر مستفیض معتبر ہے:

"فیلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، اهـ" درمختار۔ "كما يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه، لأنه حكاية، اهـ". شامی (۱)۔

"وقبل بلا علة جمع عظيم يقع العلم الشرعي، وهو غلبة الظن بخبرهم، اهـ" درمختار۔ "(قوله: وقبل بلا علة): أي إن شرط القبول عند عدم علة في السماء لهلال الصوم أو الفطر أو غيرهما، اهـ. (قوله: وهو غلبة الظن): لأنه العلم الموجب للعمل، اهـ". شامی (۲)۔

ریڈیو اور ٹیلیفون اور تار کی شہادت کا حال تو ظاہر ہے، دو چار خبریں اگر آ بھی جائیں تو وہ حد استفاضہ تک نہیں پہونچتی، ریڈیو کا انتظام مسلمان ملک کے زیر نگرانی ہو جب بھی اس کو شہادت کا درجہ نہیں دیا جاتا (۳) "لأن النغمة تشبه النغمة" ہر مسلمان عادل مقبول الشہادۃ بھی نہیں ہوتا۔

۱۳... ایسی صورت میں عید کرنا جائز نہیں: "وإذا تم العدد أي عدد رمضان ثلاثين بشهادة فرد برؤيته ولم ير هلال الفطر والسماء مصحية، لا يحل الفطر اتفاقاً على ما ذكره شمس الأئمة، ويعزر ذلك الشاهد، كذا في النهر. وفي التجنيس: إذا لم ير هلال شوال لا يفطرون حتى يصوموا يوماً آخر. وقال الزيلعي: والأشبه أن يقال: إن كانت السماء مصحية لا يفطرون

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، قبيل باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

(۲) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۸۷-۳۸۸، كتاب الصوم، مطلب: مقالة السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(۳) (سيأتي تخريجه تحت عنوان "ٹیلیفون کی خبر کا حکم")

لظهور غلطه، وإن كانت متغيمة يفطرون لعدم ظهور الغلط بعد". مراقي الفلاح (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ذی قعدہ/ ۶۹ھ۔

ہلالِ رمضان وعید کے لئے ریڈیو کی خبر

سوال [۴۷۲۳]: اسلامی سلطنت میں خواہ والیٔ ملک کی جانب سے یا مسلمانانِ شہر کی جانب سے ایک محکمہ رؤیتِ ہلال کے متعلق ایسا قائم کیا جائے کہ جب چاند ۲۹/ کا نظر آجاوے تو وہ بڑے بڑے شہروں میں تار یا ریڈیو کے ذریعہ خبر پہنچادیں اور اس تار یا ریڈیو کی خبر معتبر سمجھی جاکر روزہ رکھیں یا روزہ افطار کریں یا عید کریں۔ لہٰذا علمائے کرام سے عرض ہے کہ کیا اس محکمہ کی تار یا ریڈیو کی خبر از روئے شرع معتبر سمجھی جائے گی اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا شرعاً درست ہوگا؟ جو حکم ہو تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: نیاز محمد عبدالغفور عزّانی بیوڑی، ڈونگری والے بیوڑ، ضلع اجمیر شریف۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ محکمہ رؤیتِ ہلال کی شرعی طور پر تحقیق کرکے والیٔ ملک کے امر سے تار یا ریڈیو کے ذریعہ رؤیت کا اعلان کردے تو خاص اس شہر میں نیز ان مقامات میں جو اس شہر کے تابع ہوں جیسے قرب وجوار کے قصبات اس اعلان کو اختیار کرکے عمل کرنا شرعاً درست ہے (۲)، جو شہر یا قصبات اس کے تابع نہیں، وہاں یہ اعلان کافی نہیں، جیسے ایک قاضی کی قضا دوسرے قاضی کے شہر میں نافذ نہیں ہوتی۔ جن مقامات پر اس اعلان کو معتبر مانا جائے گا وہاں بھی بہت سے علماء کے نزدیک شرط یہ ہے کہ اس کی صحت وصدق کا غالب ظن حاصل ہو، حکومت کی طرف سے اس کا انتظام ضروری ہے کہ کوئی اور شخص ایسی جعلی کارروائی نہ کرنے پائے:

---

(۱) (مراقي الفلاح علی نور الإیضاح، ص: ۶۵۵، کتاب الصوم، فصل فیما یثبت به الهلال، قدیمی)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة ۱/۱۹۸، الباب الثاني في رؤیة الهلال، رشیدیه)

(وکذا في فتاوی قاضي خان: ۱/۱۹۸، الفصل الأول في رؤیة الهلال، رشیدیه)

(۲) (سیأتي تخریجه تحت عنوان "ریڈیو کی خبر کب معتبر ہے؟")

یہ حکم محض اعلان کا ہے جیسے بجلی کے ذریعہ حکومت کوئی اعلان کرادیتی ہے نفس ثبوت رؤیت یا شہادت کے حق میں سب طریقے شرعاً معتبر نہیں۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

سوال[۴۷۶۵]: مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ ہندو بیرونِ ہند مسلمانوں کے دینی معاملات میں رہبر اکبر مانے جاتے ہیں اور مسلم قوم کو دینی امور میں آپ پر کامل بھروسہ ہے، اس لئے آپ کو بھی یہ سمجھنا اور دیکھنا ہوگا کہ بوقت موجودہ ایک مسئلہ سامنے آیا ہے آج کے حالات میں اس کو ٹھیک طریقے سے سمجھانے کو کیا راستہ اختیار کیا جائے؟! اگر وقت کو نہیں سمجھایا گیا اور مسائل دینی کو چودہ سو سال پرانے طور پر ہی سلجھانے کی کوشش کی تو اس طرح عوام کا اطمینان حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ساتھ میں یہ کہنا نہیں چاہتا کہ زمانہ کو دیکھ کر آپ نمازوں کے اوقات گھٹا دیں، زکوٰۃ کم کر دیں، ایک آدھ بار شراب کی چھوٹ دیدیں، یا ایک بیوی تک شادی کا مسئلہ طے کر دیں، اس لئے کہ بنیادی چیزوں پر تبدیلی کی توجہ دلانا بھی دینِ محمدی سے انحراف ہے، لیکن جہاں احادیث کے مسائل ہیں وہاں وقت کی ضرورت کو سمجھ کر مسائل حل کرنا ضروری ہے، میرا مقصد رؤیتِ ہلال سے ہے، چاند دیکھ کر روزہ رکھنا اور چاند دیکھ کر عید کرنا مسئلہ ہے، لفظ "دیکھنے" کی بات چیت کی گئی ہے۔

اس وقت انسان کے پاس جو ذرائع تھے وہ صرف دیکھنے کے تھے، اللہ تعالیٰ کی طویل وعریض زمین اور اس پر طلوع وغروب کی حالت ایک ملک سے دوسرے ملک کے جداگانہ ہے اور اس اعتبار سے دیکھ کر عمل کرنا بہترین ضابطہ ہے، لیکن آج وقت نے اس کی تبدیلیاں کھڑی کی ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ لاسلکی پیغامات تک ہم نے جو دلیلیں چاند کے معاملے میں آپ کے سامنے رکھی تھیں وہ لائق قبول نہیں، اس لئے عوام میں تار اور ٹیلیفون ایجاد ہونے تک بھی بحث نہیں چھڑی، لیکن ایک برقی بے تار طاقت نے ایک نیا ماحول سامنے رکھ دیا ہے اور وہ ہے ٹیلی ویژن، ریڈیو۔ ان آلوں نے ملکوں اور قوموں کی موت وبقا تک اعتماد حاصل کر لیا ہے۔

اگر مشرقی بنگال میں کوئی حادثہ ہوا تو اس کی خبر فی الوقت دینے والے بھی آلے اور انہیں جیسی برقی طاقت کے آلے ہیں جن پر بھروسہ کر کے دفاع یا حملہ وغیرہ کا انتظام ہوتا رہتا ہے، کیا ان سے انکار کرنا اللہ تعالیٰ

کے انعامات سے منکر ہونا نہیں ہے؟ اگر مسلمان کسی شئی کو حاصل نہ کر سکا تو کیا اس بنا پر ان انعامات کو چھوڑ دیا اور ان میں جاہلیت پیدا کرنا مناسب ہے؟ ہمارے علماء میں کثرت ان کی ہے جو دین محمدی کو محض ایک گھیرے میں رکھنا کر عوام کو اس سے باہر جانے نہیں دینا چاہتے، لیکن ان علماء کو جھٹلانے سے کثرت والی پارٹی کیا عوام میں مقبول ہوئی جنہوں نے علامہ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ جیسے دقیق مطالعہ نے زمین کے ساتھ آسمانوں تک انسان کی دسترس کو قرآن حکیم سے ثابت کیا ہے، قرآن حکیم کے ان رازوں کی عقدہ کشائی کی ہے جن کو سمجھنے میں علماء کی عقل نے ساتھ نہیں دیا؟

نشر واشاعت پر ہندوستان میں بھی اختیار دے رکھا ہے، جہاں مسلم حکومتیں ہیں وہاں سب آپ ہی ہیں پھر کیا سبب ہے کہ آپ ایران، پاکستان، مکہ، مدینہ، انڈونیشیا اور دیگر اسلامی ممالک کے بذریعہ ریڈیو کے اس اعلان کی مخالفت کرتے ہیں جو رمضان المبارک کے چاند سے بطور خاص متعلق ہے؟ اور اگر اس کتاب کے مضمون کو پڑھا جائے جو ”فتاویٰ دار العلوم دیوبند“ کے نام سے موسوم ہے اور جو حضرت مفتی اعظم عزیز الرحمن صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے لکھی ہے۔ اور جہاں ”کشف الظنون فی [illegible]“ کی سرخی دیکھ کر ہلال پر بہت وقت صرف کرنے کے بعد بھی حق واضح پر قطعی فیصلہ نہ کر کے عوام کو الجھن میں ڈالا ہے، ایسے مضامین جن کے پڑھنے کے بعد بھی انسان قطعی فیصلہ پر نہ پہنچے کیا معنی رکھتا ہے؟

کیا شہادت زیادہ قابل یقین ہے؟ جب کہ وہ شاہد جس کی تعریف کی گئی ہے اس جمہوری دور میں غائب ہیں جیسے کبھی نہ تھے اور کیا اسلامی ممالک کے ریڈیو کی نشریات پر شبہ ظاہر کرنا مناسب ہے؟ علماء کے دینے سے مسلم عوام کس طرح مستفید ہوں؟ نتیجہ یہ ہے کہ ہر سال دو دو دن مسلمانوں کے رمضان وعید ہوتی ہے گویا اس طرح تفریق کی دعوت دی جارہی ہے۔ بہتر ہو کہ آپ اتنی سی چھوٹی بات سے مسلم قوم کو دو دو اور تین روز تک عید و رمضان اور عید کے جھگڑے سے بچائیں اور اس ریڈیو پر اظہار اطمینان کریں تو ملکوں اور قوموں کے تفرقہ کی نوبت دے رہے ہیں۔ فقط والسلام۔

نوٹ: اگر طبیعت پر بار اختلاف نہ ہو تو ہر شق پر غور کر کے مرحمت فرمائیں۔

محمود خان قصبہ تال۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب حامداً ومصلیاً:

دین اسلام اور اس کے بنیادی احکام وہی ہیں جو چودہ سو سال پہلے عطا ہوئے اور احکم الحاکمین نے زبردست سند عطا فرمائی: ﴿الیوم أکملت لکم دینکم وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دیناً﴾(۱) نیز ارشاد فرمایا: ﴿ومن یبتغ غیر الإسلام دیناً فلن یقبل منہ، وهو فی الآخرۃ من الخاسرین﴾(۲)۔ جس کی تفصیلات وتشریحات حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث میں فرمائی ہیں۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ آپ بنیادی طور پر پختگی سے قائم ہیں اور کسی ترمیم کے روادار نہیں، بلکہ ترمیم کو دین سے انحراف تصور کرتے ہیں، اللہ پاک مزید استقامت عطا فرمائے۔ اتنا تو ذہن نشین رکھیں کہ نئے مسائل کو حل کرنے کے لئے اصل بنیادیں تو وہی ہیں جن پر چودہ سو سال گزر چکے، حق تعالیٰ نے ان بنیادوں میں ایسی گہرائی رکھی ہے کہ نئے مسائل کے لئے ان سے خوب روشنی ملتی ہے اور علمائے امت نے ہمیشہ اسی روشنی سے نئے مسائل کو حل کیا ہے، ورنہ چلتی کشتی میں نماز (۳) اور ایک نماز مثلاً: مغرب پڑھنے کے بعد جب ہوائی جہاز سے سفر کیا اور دیکھ

---

(۱) (المائدۃ: ۳)

ترجمہ: ''آج کے دن تمہارے لئے دین کو میں نے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کے لئے پسند کرلیا''۔ (بیان القرآن)۔

(۲) (آل عمران: ۸۵)

ترجمہ: ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کریگا وہ اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں ہوگا'' (بیان القرآن)۔

(۳) اس کی نظیر فقہائے کرام نے یہ بیان کی ہے کہ ایسی سواری جسے جانور کھینچ کر لے جائے اور اس کا کوئی حصہ جانور کے جسم پر رکھا ہوا نہ ہو تو ''سریر'' یعنی تخت کے درجے میں رکھا ہے اور بلا عذر اس پر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے: "أما الصلوۃ علی العجلۃ إن کان طرف العجلۃ علی الدابۃ، وهی تسیر أو لا تسیر، فهی صلوۃ علی الدابۃ، تجوز حالۃ العذر، ولا تجوز فی غیرها. وإن لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز، وهی بمنزلۃ الصلوۃ علی السریر". (فتاوی قاضی خان: ۱/۷۰، باب صلاۃ المسافر، رشیدیہ)

کہ آفتاب موجود ہے تو اسی وقت اس پڑھی ہوئی نماز کا حکم اور وہاں غروب ہونے پر دوبارہ پڑھنے کا حکم (۱)۔

(۱) مفتی نظام الدین دامت برکاتہم فرماتے ہیں: "نام رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في حجر علي رضي الله تعالى عنه حتى غربت الشمس. فلما استيقظ ذكر له أنه فاتته الصلاة فقال: "اللهم إنه كان في طاعتك وطاعة رسولك فاردد عليه". فردت حتى صلى العصر، فكان ذلك بخيبر". (شامي ۱/۳۶۰، سعيد)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں وقت کو خاص اہمیت حاصل ہے جبھی تو ان کے لئے سورج کا اعادہ کرایا گیا ہے۔ وقت کی اسی اہمیت کی بناء پر فقہاء نے اس کو سبب وجوب کہا ہے جیسا کہ مشہور ہے: "وسببها أي فرضها عند الفقهاء". (البحر الرائق) لیکن اگر ایسا ہے تو واقعۂ دجال کے متعلق کیا کہا جائے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وقت ایک سال تک بھی نہ آئے تو نمازیں برابر تقدیر و انداز کے ساتھ ادا کی جاتی رہیں گی۔ ..... علماء کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ وقت سبب وجوب نہیں ہے صرف علامت ہے، محقق ابن الہمام علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "جعل علامة على الوجوب الخفي الثابت في نفس الأمر" (فتح القدير) ..... ان وجوہات کی بناء وقت کو سبب وجوب قرار دینا خدشہ سے خالی نہیں۔ اگر وقت سبب وجوب نہیں تو گویا اس کو علامت سمجھا جائے جیسا کہ محقق ابن ہمام کی رائے ہے وہ فرماتے ہیں "کہ جعل الوقت علامة على الوجوب الخفي الثابت في نفس الأمر" ... البتہ وقت کو علامت تسلیم کرنے سے ایک اور مسئلہ نمودار ہوتا ہے کہ ہوائی جہازوں کے مذکورہ بالا حالات میں وجوب نماز کا علم کس طرح حاصل ہو، علامہ شامی نے اس کا حل تجویز فرمایا کہ: "إنا لا نسلم لزوم وجود السبب حقيقة بل يكفي تقديره كما في أيام الدجال". (شامي ۱/۳۶۶) ..... بنا بریں آخری رائے یہ ہے کہ ہم خواہ چاند پر ہوں یا راکٹ اور ہوائی جہاز میں یا لینن گراڈ اور ماسکو میں ہر جگہ ہم کو ۱۲ گھنٹے کے دن اور ۱۲ گھنٹے کی رات کے معتدل نظام الاوقات کے مطابق نمازیں ادا کرنی چاہییں۔

الجواب وباللہ التوفیق

جناب کا تحریر کردہ جواب بغور پڑھا، جناب نے خلاصہ جواب جو آخر میں بایں الفاظ: "ہم خواہ چاند پر ہوں، یا راکٹ میں ہوں، یا ہوائی جہاز میں، یا لینن گراڈ یا ماسکو میں ہر جگہ ہم کو ۱۲ گھنٹے کے دن اور ۱۲ گھنٹے کی رات کے معتدل نظام الاوقات کے مطابق نمازیں ادا کرنی چاہییں" تحریر فرمایا ہے مجھے اس سے پورا اتفاق ہے اور وہ بالکل صحیح ہے۔ ... حنفیہ کے نزدیک اصل علت وجوب حکم باری تعالیٰ عز اسمہ ہے اور وہ حکم ان اوقات کے نزدیک مرتب ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ خفی ہوتا ہے اس لئے دنیا پر شریعت غراء اور دیار رسالت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے کچھ اسباب و علامات مقرر فرما کر رہبری فرمادی ہے جس سے حکم خداوندی (جو اصل علت وجوب ہے) کا پتہ چل جاتا ہے اور امتثال امر سہل ہو جاتا ہے۔

پھر بعض کتب مذہب میں جو اوقات کو سبب اور بعض میں علامت ذکر کیا گیا ہے، ان میں نزاع حقیقی نہیں ہے بلکہ تعبیر =

گواہی موجود نہیں بلکہ مقطوع ہے تو ان شاہدوں کی وجہ سے اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، نہ شاہدوں پر حد قذف جاری ہوگی (۱)۔

آفتاب غروب ہونے پر مغرب کا وقت ہو جاتا ہے، مغرب کی نماز کا پڑھنا فرض ہو جاتا ہے، اگر ٹیلی ویژن سے معلوم ہو کہ فلاں مقام پر آفتاب غروب ہو گیا تو کیا اس کی وجہ سے اس جگہ پر بھی نماز کا حکم کیا جائے گا جہاں سورج سامنے ہو؟ اسی طرح ٹیلی ویژن کے ذریعہ رؤیت ہلال ثابت ہونے پر کیا دو روز پہلے حج کا بھی حکم کر دیا جائے گا؟

یہ چاند سورج کا اختلاف قدرت کا پیدا کیا ہوا اختلاف ہے جو جب تک دنیا باقی رہے گا اور جو مسائل چاند سورج سے متعلق ہیں ان میں بھی اختلاف ظاہر ہو کر رہے گا، اس کے متعلق یہ کہنا کہ "علماء تفریق کی دعوت دیتے ہیں" یہ سوئے ظن ہے، یا مسائل سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔

اطمینان قلبی حاصل ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اسلام کے بنیادی اصول کی گہرائی تک آدمی پہنچ جائے تو وہ بہت جلد سمجھ جائے گا کہ یہ مسئلہ کس اصل پر مبنی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قلب میں اسلام اور اس کے احکام کی انتہائی عظمت ہو تب اطمینان حاصل ہوتا ہے، لیکن اگر ہر شخص اپنی عقل کی کسوٹی بنا کر ہر مسئلہ کو اس پر پرکھنے کی کوشش کرے، دوسروں کو دعوت دے تو اس کی سعی لاحاصل ہے، عقلاً، شرعاً، عرفاً کسی طرح بھی درست نہیں اور جن لوگوں نے ایسا کیا ہے وہ بھی صراط مستقیم پر قائم نہیں رہے "ضلوا واضلوا"۔ ممکن ہے کہ آپ کے سامنے بھی اس کے کچھ نمونے ہوں، لیکن کیا ضرور آپ کے سامنے بھی نمونے ہیں۔

جو شخص تحقیق حق کے لئے مسئلہ دریافت کرے اس پر ناراض ہونا بے محل ہے، اگرچہ وہ حقیقت سے ناواقف ہو، نامناسب بھی لکھدے تو وہ معذور ہے، اس کا علاج ناراضگی نہیں بلکہ نرمی وشفقت سے افہام وتفہیم ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ افہام وتفہیم میں کوئی جملہ سائل کے مزاج کے خلاف آگیا ہو تو اس کے لئے معذرت خواہ ہوں، معاف فرمادیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۱/۱۱/۹۸ھ۔

---

(۱) "ولو شهدوا على زناها ولكن هي بكر ... لم يحد أحد، وكذا لو شهدوا على زناه فوجدوه مجبوباً". (الدر المختار، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا: ۴/۳۳، سعيد)

ٹیلیفون کی خبر کا حکم

سوال [۴۷۲۱] : ۱... خبرِ ٹیلیفون جب کہ کسی معتبر شخص کی طرف سے ہو مفید ظن ہے اور غلبۂ ظن عمل کے لئے حجت ہے، پس خبرِ ٹیلیفون جب کسی معتمد علیہ عالم کی طرف سے ہو اس پر صوم وافطار درست ہے یا نہیں؟

۲... فقہ کی کتابوں میں کتاب القاضی الی القاضی کو مشابہ خطاب القاضی الی القاضی بنا کر حجت مانتے ہیں تو ٹیلیفون قاضی شہر یا نائب قاضی کو بات خود جو کہ بعینہ خطاب القاضی الی القاضی ہے کیونکر حجت نہ ہوگی؟

۳..... اختلافِ مطالع کے اعتبار اور عدمِ اعتبار کے تحت میں قولِ فقہاء کہ "فیلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب" کا محمل اگر خبرِ ٹیلیفون قرار دیا جائے تو اس میں کیا خرابی یا مخالفتِ روایات ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... محض ٹیلیفون کی خبر پر صوم وافطار درست نہیں۔

۲... کتاب القاضی الی القاضی کو شرعاً معاملات میں حجت مانا ہے نہ کہ جمیع امور میں اور یہ بھی خلافِ قیاس حجت ہے۔ اور اس کے لئے جس قدر شروط ہیں کیا تمام ٹیلیفون میں موجود ہیں؟۔

"يجب أن يعلم أن كتاب القاضي إلى القاضي صار حجة شرعاً في المعاملات، بخلاف القياس؛ لأن الكتاب قد يفتعل ويزور، والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم، ولكن جعلناه حجة بالإجماع، ولكن إنما يقبله القاضي المكتوب إليه عند وجود شرائطه، ومن جملة الشرائط: البينة، حتى أن القاضي المكتوب إليه لا يقبل كتاب القاضي مالم يثبت بالبينة أنه كتابه، الخ". فتاوی عالمگیری: ۳/۳۸۱ (۱)۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۳۸۱، كتاب أدب القاضي، الفصل الثالث والعشرون في كتاب القاضي إلى القاضي، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۱۷۵، كتاب القضاء، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵/۹۱-۹۲، باب كتاب القاضي إلى القاضي، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۹/۱۱۵، فصل في شرائط القضاء، دار الكتب العلمية بيروت)

اس کے علاوہ اور بھی شرائط ذکر کیے ہیں، ان میں سے کیا کیا شرطیں یہاں پائی جاتی ہیں؟ کم از کم اس ایک شرط پر غور کرلیا جائے، کیا شرعی بینہ اس بات پر قائم ہے کہ یہ ٹیلیفون قاضی شہر ہی دے رہے ہیں؟ ٹیلیفون کو خطاب معین قرار دے کر حجت سمجھنا فقہ سے بعید ہے:

وفي التبيين: "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد؛ لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة"(۱)۔ دیکھئے! پس پردہ آواز سن کر شہادت دینا درست نہیں، مگر اس شرط سے: "إلا إذا كان في الداخل وحده، وعلم الشاهد أنه ليس فيها غيره، ثم جلس على المسلك، وليس له المسلك غيره، فسمع إقرار الداخل ولا يراه؛ لأنه يحصل به العلم"(۲)۔

اس کے بعد بھی اگر شاہد نے قاضی کے یہاں پوری تفصیل وتفسیر کے ساتھ یہ شہادت دی تو قاضی قبول نہیں کرے گا: "وينبغي للقاضي إذا فسر له أن لا يقبله؛ لأن النغمة تشبه النغمة"(۳)۔ پس پردہ سے اگر کوئی شخص بولے اور دو گواہ بھی اس کو دیکھ رہے ہیں اور کسی اور شخص کے سامنے یہ دو شخص گواہی دیں کہ فلاں شخص نے ہمارے سامنے بولا ہے تو جس نے فقط پس پردہ سے آواز سنی ہے اس کو بغیر دیکھے محض آواز سن کر باوجود گواہوں کی گواہی کے اس بولنے والے کے متعلق گواہی دینا درست نہیں:

"قالوا: إذا سمع صوت امرأة من وراء الحجاب، لا يجوز أن يشهد عليها إلا إذا كان يرى شخصها وقت الإقرار. قال الفقيه أبو الليث: إذا أقرت امرأة من وراء حجاب، وشهد عنده اثنان أنها فلانة بنت فلان بن فلان، لا يجوز لمن سمع إقرارها أن يشهد عليها إلا إذا رأى شخصها حين ما أقرت، فحينئذ يجوز أن يشهد على إقرارها برؤية شخصها، لا رؤية وجهها، اهـ". مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲(۱)۔

---

(۱) (تبيين الحقائق: ۱۹۰/۵، كتاب الشهادات، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (تبيين الحقائق، المصدر السابق)

(۳) (تبيين الحقائق، المصدر السابق)

(۴) (مجمع الأنهر: ۱۹۱/۳، كتاب الشهادات، فصل يشهد بكل ما سمعه أو رآه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۵۸/۱۰، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة=

۳- خرابی یہ ہے کہ عبارت مذکورہ کے بعد کچھ اور بھی عبارت ہے جس کو آپ نے کسی مصلحت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

"إذا ثبت عنده رؤية الهلال بطريق موجب، كما مر". اس کی شرح اس طرح کی ہے:

"كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية". اھ. "رد المحتار: ۲/۳۹۴" (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

آلات جدیدہ سے رؤیت ہلال کا ثبوت

سوال [۴۶۷۵]: ۱- ہمارے شہر دہرہ دون سے کوہ منصوری پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے، جہاں کی بلندی سے قدرتی طور پر چاند دیکھنے کی آسانی ہے، لہٰذا اگر منصوری کی جامع مسجد کا امام بمع دیگر متشرع مسلمانوں کے ۲۹/ شعبان، ۲۹/ رمضان اور ۲۹/ ذیقعدہ کو دیکھ کر چاند ہونے کی اطلاع بذریعہ ٹیلیفون دے تو ممبران رؤیت ہلال کمیٹی دہرہ دون ان کی رؤیت ہلال کو مستند سمجھ کر اعلان رؤیت ہلال کریں یا نہیں؟

۲- اگر صدر رؤیت ہلال کمیٹی دہرہ دون اپنے کسی متشرع ممبر کو بغرض رؤیت ہلال منصوری بھیجے اور وہ ممبر مع دیگر مسلمانان منصوری چاند دیکھ کر ہمیں بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دیں تو اس پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟ یا وہ ممبر بذات خود منصوری سے واپس دہرہ دون آ کر چاند دیکھنا بیان کرے اور ثبوت میں امام جامع مسجد منصوری ودیگر مسلمانان منصوری کی تحریری تصدیق کے ساتھ اور چاند دیکھنا بیان کرے تو اس صورت میں رؤیت ہلال کمیٹی دہرہ دون کی اعلان رؤیت ہلال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۳- بذریعہ تار یا خطوط دیگر اطلاع مثلاً: کلکتہ، کراچی، مراد آباد، دہلی، حیدرآباد سے رؤیت ہلال کی مستند خبر آئے تو کیا حکم ہے جب کہ تار دہندہ وخط فرستندہ جانتے بھی نہیں اور دریافت کرنے پر انہوں نے تار دیا

- وعلى أدائها والامتناع عن ذلك. (معارية)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۵/۴۶۸، كتاب الشهادات، سعيد)

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۴، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۳۱۳، فصل في رؤية الهلال، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۸، ۱۹۹، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

ہے یا غلط ہے؟

۴... ریڈیو کے ذریعہ سے رؤیت ہلال کی خبر کا کیا حکم ہے؟

۵... اگر بعد تصدیق شرعی ممبران رؤیت ہلال کمیٹی وغیرہ ودان کے اعلان کو امام عیدگاہ یا امام جامع مسجد قبول نہ کرے تو ایسی حالت میں ممبران رؤیت ہلال کمیٹی کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... ٹیلیفون کے ذریعہ سے اطلاع ملنے پر اگرچہ امام جامع مسجد نے اطلاع دی ہو تاہم اس اطلاع رؤیت ہلال کرنا شرعاً درست نہیں(۱)۔

۲... اس پر بھی عمل درست نہیں (۲)۔ وہ ممبر اگر ثقہ اور مقبول الشہادۃ ہے تو رمضان شریف کے چاند کے مطابق اس کا تنہا اگر شہادت دینا بھی کافی ہے جیسا کہ کوئی اور ثقہ شہادت دیتا تو وہ کافی ہوتی (۳)، غیر رمضان کے لئے ایک شخص کی شہادت کافی نہیں ہوتی، ہاں! اگر جامع مسجد کے امام صاحب اور دیگر مسلمانان

(۱) "إذا سمعه من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره، إذ النغمة تشبه النغمة".
(تبيين الحقائق: ۵/۲۰۱، كتاب الشهادات، دار الكتب العلمية بيروت)

"قالوا: إذا سمع صوت امرأة من وراء الحجاب، لا يجوز أن يشهد عليها، إلا إذا كان يرى شخصها وقت الإقرار. قال الفقيه أبو الليث: إذا أقرت امرأة من وراء حجابه، وشهد عنده اثنان أنها فلانة بنت فلان بن فلان، لا يجوز لمن سمع إقرارها أن يشهد عليها، إلا إذا رأى شخصها حال ما أقرت. فحينئذ يجوز أن يشهد على إقرارها برؤية شخصها، لا رؤية وجهها" (مجمع الأنهر: ۳/۲۹۰، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو رآه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۷/۱۵۲، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة وحد أدائها، والامتناع عن ذلك، غفاريه كوئٹه)

(۲) (راجع رقم: ۱)

(۳) "إن كان بالسماء علة، فشهادة الواحد على هلال رمضان مقبولة إذا كان عدلاً مسلماً عاقلاً بالغاً، حراً كان أو عبداً، ذكراً أو أنثى" (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۷، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۱۹۳، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۱۵، كتاب الصوم، مكتبه شركة علميه ملتان)

ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے؟

سوال [۴۶۹۸]: امسال ہمارے یہاں مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نہیں دیکھا گیا وجہ بدلی کی وجہ سے اطراف ہی کے کسی گاؤں سے چاند دیکھنے کی اطلاع ملی، ریڈیو نے ملک کے مختلف حصوں میں چاند دیکھنے اور عید الفطر کی نماز ادا کرنے کی اطلاع دی، ریڈیو پر اعتماد کرکے ہمارے گاؤں میں عید منالی گئی۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ریڈیو کے اعتماد پر عید کی نماز پڑھنا شرعاً غلط ہے۔ اب جناب والا ہی بتائیں کہ ریڈیو پر اعتماد کرکے عید کی نماز ادا کرنا صحیح تھا یا غلط؟ اور اگر صحیح نہیں تھا تو کیا اس معاملہ میں کسی شکل سے بھی ریڈیو پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا؟ اگر اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہوں تو تحریر فرمادیں تاکہ اس طرح کے موقع پر صحیح مسئلہ پر عمل کیا جاسکے۔ فقط۔

محمد طیب سلطانپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حاکم مسلم، یا رؤیت ہلال کمیٹی جس کے افراد حدود شرع سے واقف اور متبع شریعت ہوں ثبوت رؤیت کے بعد (شہادت معتبر) ریڈیو پر اعلان کرے یا اعلان کرائے اس طرح پر کہ ہم نے شہادت لی ہے اور رؤیت کا ثبوت ہوگیا ہے لہٰذا فلاں روز نماز عید ادا کی جائے تو وقت وہ تک کہ اس اعلان کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ کا نہ رہ جائے اور ۳۱/ کا نہ ہوجائے، یہ اعلان شرعاً قابلِ تسلیم ہوگا جب کہ رؤیت یوم الشک یعنی ۲۹/ شعبان میں ہو اور مطلع نہ صاف ہو (۱)۔

---

(۱) "والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به". (رد المحتار: ۲/۳۸۹، بحث في صوم يوم الشك، سعيد)

قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي رحمه الله: "البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر رمضان کرکے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے =

ایسے حالات پر بھی عوام کو پیش قدمی نہیں چاہئے، بلکہ ریڈیو کے اعلان کی پوری تفصیل ذمہ دار اہل علم کے سامنے رکھدیں، وہ تحقیق وتفتیش سے اطمینان کرلیں تو ان کی ہدایت پر عمل کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۴۷۶۹]: عید یا رمضان کے بارے میں ریڈیو کی خبر کا اعتبار ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲۹/ شعبان کو اگر مطلع صاف نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے اور متعدد ریڈیو سے چاند کی خبر آئے جس سے ظن غالب ہو جائے تو ثبوتِ رمضان کے لئے اتنا بھی کافی ہے، لیکن ثبوتِ عید کے لئے شہادت ضروری ہے، پس اگر ۲۹/ رمضان کو مطلع صاف نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے اور مسلم حاکم یا رؤیت ہلال کمیٹی جو کہ ذی علم اور دیانتدار افراد وارکان پر مشتمل ہوں باقاعدہ شرعی شہادت حاصل کر کے اعلان کرے، ریڈیو پر اس طرح اعلان کرائے کہ فلاں مقام پر رؤیت ہلال کمیٹی کے پاس شرعی شہادت پہونچ گئی ہے اور رؤیت کا ثبوت ہو گیا ہے، اب وہ رؤیت ہلال کمیٹی اعلان کراتی ہے کہ کل فلاں روز نمازِ عید ادا کی جائے تو یہ اعلان اتنی دور تک معتبر ہوگا کہ اس کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ کا نہ رہ جائے یا ۳۱/ کا نہ ہو جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

اختلافِ رؤیت ہلال کا سوال

سوال[۴۷۷۰]: گذارش خدمت یہ ہے کہ پاکستان میں ہلال کمیٹی حکومت کی طرف سے قائم ہے، وہ کمیٹی بذریعہ ریڈیو چاند دیکھنے کا اعلان کرے تو ہندوستان والوں کو ان کی خبر کو ماننا چاہیے یا نہیں؟ ہندوستان کے ریڈیو سے دہلی کے مقامی مفتی صاحب جو اعلان کرتے ہیں وہ قابلِ اعتبار ہے یا نہیں

=اس کو دیا ہے"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام ص:۱۷۰، باب ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ)

(وکذا فی احسن الفتاوی: ۴/۴۲۱، رؤیتِ ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان: "ریڈیو کی خبر کب تک معتبر ہے؟"

بتائیں قول معمول نہیں، جس سے سب کو اطمینان ہو جائے۔

تنبیہ: اختلافِ مطالع کی بحث مستقل بحث ہے، اس کے چھیڑنے کا یہ موقع نہیں، ورنہ شاید مطالبہ یہ بھی ہو کہ جس روز یہاں سات آٹھ ذی الحجہ ہو اور مکہ معظمہ میں حج ہو رہا ہو تو وہاں کا حج معتبر نہ ہو۔ حضرت مفتی شفیع صاحب نے مستقل کتاب شائع فرمائی ہے، جس میں ریڈیو کے ذریعہ حاصل ہونے والی خبر پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے(۱)۔ نیز مولانا محمد میاں صاحب نے بھی اس مسئلے کو پورے طور سے انکشاف فرمایا ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مستقل ایک رسالہ ہے(۲)، ریڈیو کے مسئلہ پر بھی مدلل لکھی ہے۔ یہاں ۲۹/شعبان جمعرات کو چاند نہیں آیا، اس لئے تراویح نہیں پڑھی گئی۔ جمعہ کو روزہ نہیں ہوا، مگر بعد میں شہادت سے ثابت ہو گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ جمعہ کو رمضان کی پہلی تاریخ ہے۔ جمعہ کے روزہ کی قضا بعد عید لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۸ھ۔

ثبوتِ رؤیت میں اختلاف کے اسباب عشرہ

سوال [۴۷۷۱]: **استفتاء:** آپ کا ادارہ دار العلوم دیوبند اور اس کا شعبۂ دار الافتاء عالمِ اسلام میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اس کے فیصلے اور فتوے ہند اور بیرونِ ہند بھی ہر جگہ مقبول و مسلم ہیں، ساری نگاہیں آپ ہی کی طرف مرکوز ہیں، اسی کی بنا پر آپ کی سمع خراشی نیز اور ساتھ ہی ساتھ گستاخی کی معافی بھی

---

(۱) (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۰-۱۷۱، باب ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ادارۃ المعارف، کراچی)

(وکذا جواہر الفقہ: ۱/۴۹۰، دار العلوم کراچی)

(وأیضاً راجع احسن الفتاوی، کتاب الصوم، رؤیتِ ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق ۴/۴۰۹، سعید)

(و رسالہ رؤیتِ ہلال کا مسئلہ، ص: ۷۵، دار الکتب، کراچی)

(۲) (تنبیہ الغافل والوسنان علی أحکام ہلال رمضان (رسائل ابن عابدین: ۱/۲۲۳، سہیل اکیڈمی، لاہور)

ہے، کوئی صحیح بات بتائی جائے، جس سے ان کی خبروں کی تصدیق کی جائے یا نہ کی جاسکے۔

نیز بہ نسبت ہندوستان خاص پاکستان ہلال کمیٹی، خواہ کراچی کی ہو یا لاہور کی، راولپنڈی کی یا اسلام آباد کی بذریعہ ریڈیو تسلیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور وہاں کی ہلال کمیٹی ہمارے لئے حجت ہے یا نہیں؟ اور اگر پاکستان کی خبر دیلی کرکے لکھنؤ، کانپور، یا دہلی، حیدرآباد سے معلوم ہو تو تسلیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

اب آخر میں یہ عرض کرتا ہے کہ امسال بھی یہی گڑبڑ رہی، اگر تصدیق ہوگئی ہو تو براہ کرم اطلاع دی جائے کہ پہلا روزہ جمعہ کو ہوا یا شنبہ کو؟

نوٹ: اگر واقعی ریڈیو کی خبر معتبر نہیں تو براہ کرم آل انڈیا جمعیۃ العلماء کے ذریعہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ چاند کی خبر ریڈیو سے نشر نہ کی جائے کہ عوام گڑبڑ میں پڑ جائیں، صرف رؤیت ہلال پر اعتماد کریں۔

المستفتی: اختر علی، مقام کرمت ضلع اعظم گڑھ، یوپی، ۲۹/نومبر/۶۸ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاند کے مسئلہ میں گڑبڑ اور اختلافی صورت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، قرون مشہود لہا بالخیر، خلافت راشدہ کے دور میں بھی یہ رہا، اس اختلاف کو ختم کرنے کی سعی قدرت کا مقابلہ کرنا ہے، اس لئے کہ پہلا سبب اختلاف تو یہ ہے کہ چاند کبھی انتیس کو نظر آتا ہے کبھی تیس کو۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ جب چاند نظر آتا ہے ہر جگہ مطلع صاف نہیں رہتا، کہیں صاف کہیں غبار آلود، اس لئے کہیں نظر آیا کہیں نہ آیا۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند برابر نہیں ہوتا، کبھی باریک کبھی موٹا۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند ایک جگہ سے نظر نہیں آتا، کبھی مغرب سے مائل بجنوب، کبھی عین مغرب میں، کبھی شمال کی جانب نظر آتا ہے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر سب کی یکساں نہیں ہوتی، کسی کی قوی کسی کی ضعیف، کوئی بغیر چشمہ کے دیکھے، کسی کو چشمہ سے بھی نظر نہ آوے۔

چھٹا سبب یہ ہے کہ گواہی دینے والے سب یکساں نہیں ہوتے، کسی کی گواہی مقبول کسی کی مردود۔

ساتواں سبب یہ ہے کہ کوئی ایک شخص ایسا نہیں کہ جس کی بات ماننے کو سب تیار ہو جائیں جس کا فیصلہ

سبب کافی ہے۔

آٹھواں سبب یہ ہے کہ ہر جگہ رؤیت ہلال کمیٹی موجود نہیں نہ بنانے کے لئے تیار ہیں باوجودیکہ بارہا درخواست کی گئی۔

نواں سبب یہ ہے کہ جہاں رؤیت ہلال کمیٹی موجود ہے وہاں بھی ہر جگہ اس کے تمام ارکان مسائل شرعی کے ماہر اور احکام سنت کے پابند نہیں۔

اور دسواں سبب یہ ہے کہ ریڈیو پر اپنا قبضہ نہیں کہ اس پر پابندی عائد کی جائے کہ اعلان کیا جائے یا نہ کیا جائے، نہ ہر جگہ کے علماء کو اس کا مکلف کیا جاسکتا ہے کہ ریڈیو اسٹیشن پر آکر خود اعلان کریں، نہ یہ اس کے قبضہ میں ہے۔ ان اسباب عشرہ کے پیش نظر آپ ہی بتائیں کہ یہ مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ مگر صاف صاف بتائیں جس سے آدمی کو اطمینان ہو جائے۔

تنبیہ: اختلاف مطالع کی بحث مستقل بحث ہے، اس کے چھیڑنے کا یہ موقع نہیں، ورنہ شاید معاملہ یہ بھی ہو کہ جس روز یہاں سات یا آٹھ ذی الحجہ ہو اور مکہ مکرمہ میں حج ہو رہا ہو تو وہاں کا حج معتبر نہ ہو۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے مستقل کتاب شائع فرمائی ہے، جس میں ریڈیو کے ذریعہ حاصل ہونے والی خبر پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے(۱)۔ نیز مولانا محمد میاں صاحب نے بھی اس مسئلے کو پورے غور سے واضح فرمایا ہے، میری درخواست ہے کہ ان دونوں کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ شامیؒ کا مستقل ایک رسالہ ہے اس میں بھی کافی تفصیل موجود ہے جس سے ریڈیو کے مسئلہ پر مدد مل سکتی ہے(۲)۔ یہاں انتیس ۲۹/شعبان جمعرات کو چاند نظر نہیں آیا، اس لئے تراویح نہیں پڑھی گئی، جمعہ کو روزہ رکھا نہیں، اور مگر بعد میں شہادت سے ثابت ہو گیا اور اعلان کر دیا گیا۔ جمعہ کو رمضان کی پہلی تاریخ ہے، جمعہ کے روزے کی قضاء بعد عید لازم ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) آلات جدیدہ: ہلال کے معاملہ میں آلات جدیدہ کی خبروں کا شرعی حکم، ص: [illegible]، ادارۃ المعارف، کراچی

(۲) تنبیہ الغافل والوسنان علی أحکام ھلال رمضان، (مجموعہ رسائل ابن عابدین: ۱/۲۴۳)، سہیل اکیڈمی، لاہور

رؤیتِ ہلال کا اعلان ریڈیو سے کب معتبر ہے؟

سوال [illegible]: رمضان المبارک میں عید، بقرعید کی رؤیت ہلال سے متعلق ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں، خواہ ریڈیو ہندوستان کا ہو یا پاکستان کا، عرب کا یا مصر کا، اس کا کیا حکم ہے؟ امسال مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہیں آیا لیکن بعض مقامات پر پاکستان اور ہندوستان میں دونوں جگہ چاند ہو گیا اور اس کا اعلان ریڈیو پر ہوا، اس کو مان کر روزہ افطار کرنا اور عید کرنا کیسا ہے؟ آپ تفصیل جواب لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شاہد کا مجلسِ شہادت میں حاضر ہونا ضروری ہے، پس پردہ آواز سن کر شہادت قبول نہیں کی جائے گی لہٰذا ریڈیو پر جو شہادت سنی جائے وہ قبول نہیں، نہ نزدیک سے نہ دور سے یعنی نہ ہندوستان سے نہ پاکستان سے نہ معروف ملک عرب سے، پس اگر ریڈیو پر کوئی شخص شہادت دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو اس شہادت پر عید کرنا درست نہیں اگرچہ یہ شاہد ثقہ اور متدین ہو، ریڈیو پر اگر اس طرح خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا ہے یا فلاں جگہ عید ہے تو یہ خبر بھی کافی نہیں (۱)۔ اگر باقاعدہ شرعی شہادت ذمہ دار حضرات حاصل کریں، مثلاً: قاضی شرعی، مسلمان وزیر، رؤیت ہلال کمیٹی، جمعیۃ العلماء، امارتِ شرعیہ جب کہ ان کے افراد باعلم اور متبعِ سنت ہوں اور پھر ان کی طرف سے ریڈیو پر اس طرح اعلان کیا جائے کہ ہمارے پاس چاند دیکھنے والے ثقہ گواہوں نے شہادت دی ہے اور ان کی شہادت سے رؤیت ہلال تسلیم کر لی گئی ہے، لہٰذا اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان یوم الشک سے متعلق مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں معتبر ہوگا (۲) خواہ ہندوستان کا اعلان ہو یا کسی

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا یسعه أن یشهد لاحتمال أن یکون غیره، إذ النغمة تشبه النغمة".
(تبیین الحقائق: ۵/۲۰۱، کتاب الشهادة، دار الکتب العلمیة بیروت)
(وکذا في مجمع الأنهر: ۳/۱۹۱، کتاب الشهادات، فصل: یشهد بکل ما سمعه أو رآه، دار إحیاء التراث العربي، بیروت)
(وکذا في المحیط البرهاني: ۱۰/۱۵۸، کتاب الشهادات، الفصل الأول في بیان تحمل الشهادة وحد أدائها والامتناع عن ذلک، غفاریة)
(۲) قال الشیخ المفتی محمد شفیع الدیوبندی: "البتہ جس شہر کی باقاعدہ کوئی ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر

جائز ہے یا نہیں؟ یا ایسی حالت میں جو روزہ رکھ لیتے ہیں ان کا یہ فعل مستحسن ہے یا غیر مناسب، مثلاً: اسی سال راقم السطور نے تراویح سے فارغ ہونے کے بعد دہلی ریڈیو اسٹیشن سے سنا کہ دہلی کی جامع مسجد کے امام صاحب نے اعلان کیا ہے کہ چاند کا ثبوت ہو چکا ہے کل عید ہے، حیدرآباد کی رؤیت ہلال کمیٹی نے چاند کی رؤیت تسلیم کرلی ہے اور کل عید ہے۔

ریڈیو کی ان خبروں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آج کل ریڈیو کی خبروں پر بہت سے کام ہوتے ہیں، چاند کی بات تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن فسادات، انتخابات کے موقعوں پر ممبران کی کامیابی یا ناکامی کی اطلاع، حکومت بننے کے بعد عہدوں کی تقسیم کا اعلان، کسی بڑے آدمی کے انتقال کی خبر اگر ریڈیو پر آجاتی ہے تو اس کو تسلیم کیا جاتا ہے، پھر علماء کی جانب سے خصوصاً مفتی اور قاضی کی طرف سے رؤیت ہلال کے ثبوت کا اعلان کیونکر قابل تسلیم نہیں ہے؟

بتایا جاتا ہے کہ ہندوستان کے کسی علاقہ کے لئے کسی دوسرے علاقہ کی خبر ناقابل تسلیم ہے، مثلاً حجاز مقدس میں عید ہمیشہ یہاں سے پہلے ہوتی ہے تو ہندوستان میں بھی کوئی علاقہ ایسا ہی ہو کہ اس میں عید یہاں سے پہلے ہی ہوتی ہو، اگر ایسا ہو تو اس کی نشاندہی کی جائے؟ رہ گئے ہم جیسے کم پڑھے لکھے لوگ تو بہشتی زیور (جو معتبر کتاب اور علمائے دیوبند کے نزدیک قابل اعتبار ہے، نیز اس کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ اس نے تمام مسائل کو مدلل کردیا گیا ہے) دیکھتے ہیں اس میں یہ لکھا ہے کہ ”ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں پر بھی حجت ہے، ان دونوں شہروں میں کتنا ہی فاصلہ کیوں نہ ہو حتیٰ کہ اگر انتہائے مغرب میں چاند دیکھا جائے اور اس کی خبر انتہائے مشرق کے رہنے والوں پر معتبر طریقہ سے پہنچ جائے تو ان پر اس دن کا روزہ ضروری ہوگا“۔ (بہشتی زیور حصہ یازدہم)(۱)۔

نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ حکم صرف روزہ کے بارے میں ہے یا عید کے بارے میں بھی۔ درمختار میں یہ عبارت ملتی ہے۔

”واختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذهب، فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب“. درمختار: ۱/۱۴۹(۲)۔

---

(۱) بہشتی زیور، ص: ۸۱۹، حصہ یازدہم، تتمہ حصہ سوم، دارالاشاعت کراچی

(۲) (الدرالمختار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، کتاب الصوم، سعید)

عید ہوئی، کسی ریڈیو پر عید نہیں کی گئی۔ جس وقت بھی عید کے چاند کا ثبوت پہونچ جائے گا خواہ دوپہر سے پہلے یا بعد اسی وقت روزہ افطار کردیا جائے گا، عید کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں (۱)۔ اگر ثبوت نہ پہونچا اور روزہ رکھ لیا گیا تو گناہ نہیں ہے، اگر محض ریڈیو یا کسی اور تار وغیرہ کی ایسی خبر پر روزہ افطار کردیا گیا کہ جو شرعاً کافی نہیں تو گناہ ہوا، لیکن اگر پھر ثابت ہوگیا کہ واقعی عید کا دن تھا تو اس روزہ کی قضا یا کفارہ بھی لازم نہیں (۲)۔

بمبئی اور دوسرے شہروں کی پوری تفصیل ہمیں معلوم نہیں کہ وہاں شہادت پر عید کی گئی یا کس طرح۔ چاند سے متعلق آپ کے سوالات کا جواب تحریر بالا میں آگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۵ھ۔

ریڈیو کا اعلان

سوال [۵۰۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ:

دہلی میں جو ہلال کمیٹی ہے اس کا اعلان جو بذریعہ اخبار ریڈیو دیتی ہے اس کی حیثیت کیا ہے؟ یا اس خبر پر عمل کیا جائے یا نہیں؟ کیونکہ کمیٹی کے صدر یا اس کا کوئی بھی رکن ریڈیو سے اعلان نہیں کرتا بلکہ صرف خبروں میں کمیٹی کے صدر کا حوالہ دیا جاتا ہے، جس طرح پاکستان میں بھی ہلال کمیٹی ہے، اس کا صدر عام طور پر خود ریڈیو پاکستان پر چاند کا اعلان فرماتے ہیں، آیا اس اعلان کا اطلاق صرف پاکستان پر ہی ہوگا یا ہندوستان والے اس

---

(۱) "والصائم فرض وواجب ومسنون ومندوب ونفل ومکروہ ... ومکروہ تحریماً کأیام التشریق والعیدین". (فتح القدیر: ۲/ ۳۰۲، کتاب الصوم، مصطفی البابی الحلبي مصر)

(وکذا في مراقي الفلاح علی نور الإیضاح، ص: ۳۴۰، فصل في صفة الصوم وتقسیمه، قدیمي)

(وکذا في الدر المختار: ۲/ ۳۸۵، کتاب الصوم، سعید)

(۲) "ولزم نفل شرع فیه قصداً أداءً وقضاءً، إلا في العیدین وأیام التشریق، فلا یلزم لصیرورته صائماً بنفس الشروع، فیصیر مرتکباً للنهي". (رد المحتار علی الدر المختار، فصل في العوارض المبیحة للصوم: ۲/ ۴۲۸، سعید)

(وکذا في مراقي الفلاح، فصل في العوارض، ص: ۶۹۱، قدیمي)

(وکذا في بدائع الصنائع، فصل في حکم من أفسد صومه: ۲/ ۲۴۲، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اعلان پر عمل کرسکتے ہیں؟ شرعی حیثیت کے مطابق آپ مع حوالہ جواب تحریر فرماکر مشکور فرمائیں اور اس رمضان کی پہلی تاریخ اور دن سے بھی مطلع فرمائیں۔ فقط

الجواب حامداً و مصلیاً:

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

اگر ہلال کمیٹی جس کے افراد اہل علم واہل دیانت ہوں شرعی قاعدے کے مطابق ثبوتِ رویت ہلال حاصل کرکے ریڈیو کے ذمہ دار کو تحریر لکھ کر دیدیں کہ ہمارے پاس شرعی شہادت ہے، فلاں روز رؤیت ہلال کا ثبوت ہوگیا ہے، اس بناء پر ہم اعلان کرتے ہیں کہ کل فلاں دن روزہ رکھا جائے تو یہ اعلان معتبر ہوگا جب کہ ۲۹/ کو مطلع صاف نہ ہو۔

اعلان کرنے والا ریڈیو پر اگرچہ غیر مسلم ہو لیکن جب اس کا پورا اعتماد ہے کہ رؤیت ہلال کمیٹی کے صدر صاحب نے اس کو یہ تحریر دی ہے جس کا اس نے ان کی طرف سے یہ اعلان کیا ہے تو یہ اعلان معتبر ہے جیسے سرکاری حکم، اعلان کوئی بہت چھوٹا آدمی بذریعہ منادی کرتا ہے اور یہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے یہ اعلان نہیں کر رہا ہے، بلکہ سرکاری تحریر کا اعلان کر رہا ہے تو اس کے اعلان کا اعتبار کرلیا جاتا ہے، جہاں تک اس ریڈیو کے اعلان تسلیم کرنے سے پہلے انتیس کا تیس ہوجائے یا تیس کا اٹھائیس ہوجائے وہاں تک اس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، یہی حال پاکستان کے اعلان کا ہے کہ اگر وہ باضابطہ شرعی شہادت کے بعد کیا گیا ہے تو معتبر ہے۔ اس مسئلہ پر مستقل رسائل بھی لکھے گئے ہیں ان میں دلائل بھی مذکور ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۹/۱۳۰۲ھ۔

---

(۱) "والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر: لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبة للعمل" (رد المحتار: ۳۸۹/۲، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي: "البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کرکے عید وغیرہ کا اعلان کردیا ہو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ"

اعلان شرعاً معتبر ہوگا(۱)، گواہوں کے لئے شرط یکساں ہیں خواہ سو دو سو میل کے فاصلے سے آکر گواہی دیں یا کم زیادہ سے، اگر کسی جگہ معتبر گواہوں کی گواہی قبول کی گئی اور وہاں کے ذمہ دار نے ایک تحریر دو معتبر آدمیوں کے ذریعہ سے بھیجی تو وہ معتبر ہوگی۔ بمبئی میں چاند دیکھنے والے معتبر گواہ اگر سو دو سو میل کے فاصلہ پر جا کر گواہی دیں تو ان کی گواہی بھی معتبر ہوگی۔

۲... اگر چاند کا ثبوت قبل زوال ایسے وقت ہوگیا کہ نمازی عیدگاہ میں وضو کر کے آسکتے ہیں اور زوال سے پہلے نماز ادا کر سکتے ہیں تو محض مجمع پہنچانے کی وجہ سے آئندہ روز کے لئے نماز کو مؤخر نہ کیا جائے، اگر اتنا وقت بھی نہیں کہ وضو کر کے نماز کے لئے جمع ہو سکیں تو آئندہ روز کے لئے مؤخر کر دیا جائے:

"و تؤخر بعذر كمطر إلى الزوال من الغد فقط، اهـ". درمختار. "(قوله: بعذر كمطر) دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام، وأما إذا غم الهلال، فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس، أو صلاها في يوم غيم و ظهر أنها وقعت بعد الزوال، اهـ". شامی: ۱/۷۸۲(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ریڈیو کا اعلان، غلط شہادت پر اعلانِ عید

سوال [۴۷۷۸]: محترم المقام جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت! یہاں پر امسال عید کے موقع پر ایک بہت بڑا فتنہ برپا ہوا اور جھگڑے سے یہاں کے لوگ اور

---

(۱) (وتقدم تخریجہ تحت عنوان: "ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے"؟)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ("آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام" ص: ۱۷۷) (واحسن الفتاویٰ: ۴/۴۲۱)

(۲) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۷۶، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لا يبقى بعد موته، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۵۲، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۷۳، كتاب الصلوة، باب العيدين، شركة علميه ملتان)

نے کہا کہ ہاں میں نے بھی دیکھا ہے اور شہر قاضی نے بھی دیکھا ہے، چنانچہ یہ حضرات سورت کے شہر قاضی کے پاس گئے، ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کس شہادت کی بنا پر شہر میں عید کا اعلان کرایا ہے، انہوں نے کہا کہ میرے کچھ لوگ دو چار لوگوں کو لے کر آئے اور کہا کہ یہ آدمی اچھے ہیں جھوٹ نہیں بولتے، ان لوگوں نے چاند دیکھا ہے، میں نے ان کے دستخط لے لئے اور عید کا نقارہ بجوا ڈالا۔

۱۔۔۔ ان حضرات نے قاضی صاحب سے کہا کہ فلاں صاحب تو آپ کا نام بھی لیتے ہیں کہ قاضی صاحب نے چاند دیکھا ہے، جواباً کہا کہ حاشا وکلا، وہ جھوٹے ہیں میں نے ہرگز چاند نہیں دیکھا، صرف ان لوگوں کے کہنے سے نقارہ بجوا ڈالا۔ ان حضرات نے کہا کہ یہ حضرات تو انکار کرتے ہیں کہ ہم نے چاند نہیں دیکھا اور یہ دستخط بھی ہمارے نہیں ہیں۔ اس پر قاضی صاحب خاموش ہو گئے مگر عید تو صبح کو قاضی صاحب کے حکم سے ہو ہی گئی، دراندیر والوں نے نہیں کی۔

بہرحال جس غیر شرعی شہادت کی بنا پر یہاں کثرت سے عید منائی گئی اس شہادت کا یہ حشر ہوا اور قطع نظر اس کے کہ صورت میں شرعاً عید درست ہوئی یا نہیں، صرف ایک بالکل فاسق و فاجر لڑکے کے، جس کے کسی تاجر کی تحقیق لانے پر صرف یہاں والوں نے روزہ توڑ ڈالا اور عید کی دوگانہ ادا کرلی گئی۔ سو اگر جن لوگوں کو روزہ توڑنے سے پہلے میں نے روکا اور مسئلہ بتلایا، ایسے لوگوں نے روزہ توڑ ڈالا اور عید کرلی تو آیا ان لوگوں پر روزہ کی قضاء اور کفارہ دونوں ہیں یا نہیں؟ نیز وہ دوگانہ واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ نیز جن لوگوں کو اس مسئلہ کا علم ہی نہیں تھا اور اس غیر شرعی شہادت پر روزہ توڑ ڈالا اور عید منائی ان کے قضاء اور کفارہ اور اعادہ عید کا کیا حکم ہے؟

۲۔۔۔ پاکستان ریڈیو سے اعلان ہوا ہے کہ آئندہ رمضان اور عیدین کے موقع پر پاکستان ریڈیو سے ایک ثقہ عالم رؤیت ہلال کی اطلاع دیا کریں گے، جن کا نام پروگرام میں بتلایا جائے گا، سو اس اطلاع کی بنا پر تمام مسلمان عمل کر لیا کریں، اول تو ریڈیو کی اطلاع، پھر وہ بھی بولنے والا صرف ایک ہی، کم از کم دو بھی نہیں، اس خبر پر عمل کرکے صوم وافطار کا حکم دیا جا سکتا ہے؟

۳۔۔۔ یہاں قاضی شرعی تو کوئی ہے نہیں صرف نکاح خواں اور فاتحہ خواں شخص جو یہاں عرفاً قاضی کہے جاتے ہیں جو علاوہ جاہل ہونے کے ان میں عدالت تو کجا مستور الحال ہونے کی بھی اہلیت نہیں، سو ایسی صورت میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر رؤیت یا شہادت کی تحریر لانے کے باب میں کتاب القاضی الی القاضی کی تو

۳... اگر حکومت رؤیتِ ہلال کا انتظام معتبر ومعتمد علماء کے سپرد کردے، وہ باقاعدہ شہادت لیں، اس کے بعد حکومت کی طرف سے ذمہ دارانہ حیثیت سے کوئی عالم ریڈیو پر بطورِ اعلان نشر کردے، اور اس امر کا پورا پورا انتظام ہو کہ کوئی دوسرا شخص اعلان نہ کرے، اور بغیر شہادتِ شرعیہ کے اعلان نہ کیا جائے، غرض کسی قسم کی تلبیس نہ ہو، تو اس علاقہ کے لوگوں کو بحیثیت اعلانِ حکومت اس اعلان کا اعتبار کرنا ہوگا جیسے کہ دیگر اعلاناتِ حکومت بذریعہ منادی کئے جاتے ہیں جن کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور جو مسلمان اس علاقہ کے رہنے والے نہیں وہ اس اعلان کے بھی پابند نہیں(۱)۔

۴... اگر وہاں کے عام مسلمین ان قاضی صاحب پر امورِ دینیہ میں اعتماد کرتے اور ان کے اعلانات پر عمل کرتے ہیں تو ان کا خط کہ ایک تحریر دو ثقہ معتبر آدمی کے سامنے لکھ کر ان کو سنا کر ان کے حوالہ کردینا کافی ہے، وہ دونوں ثقہ جب بیان کریں کہ ہمارے سامنے یہ تحریر لکھی ہے اور اس میں یہ تحریر ہے تو اعتبار کرلیا جائے(۲)، اور اگر ان قاضی صاحب پر عام مسلمین کو اس قدر اعتماد نہیں تو خط کا آنا کافی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/شعبان/۷۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/شوال/۷۹ھ۔

= وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۸۷، مطلب في جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۹۵، الفصل التاسع فيما يعتبر به شهادة في إسقاط الكفارة، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کرکے فیصلہ کرکے اعلان کردیا ہو اور اس اعلان کو ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں پر ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ منانا واجب ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام ص: ۲۰۸، ہلال و رؤیتِ ہلال کی شرعی حیثیت، ادارۃ المعارف کراچی)

اگر بذریعہ ریڈیو وغیرہ کسی مستند عالم یا مفتی یا شرعی مجلسِ رؤیتِ ہلال کمیٹی وغیرہ کی خبر (متعلق ثبوتِ ہلال علی وجہ بطریقِ شہادتِ شرعیہ) نشر کی گئی تو یہ خبر فیصلہ کرنے والے کی حدودِ ولایت تک معتبر ہے، حدودِ ولایت سے خارج معتبر نہیں۔

(احسن الفتاویٰ: ۴/۴۲۱، رؤیتِ ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۲) "يجب أن يعمل في كتاب القاضي إلى القاضي، صار حجة شرعاً في المعاملات بخلاف القياس، لأن الكتاب قد يفتعل ويزور، والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم، ولكن جعلناه حجة بالإجماع، ولكن =

ریڈیو، ٹیلی فون اور تار برقی کے ذریعہ چاند کا ثبوت

سوال [۴۷۷۴]: ریڈیو، ٹیلیفون، تار برقی کی اطلاع پر کیا رؤیت ہلال یا عیدین کے چاند ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہوسکتا ہے، اور آیا کہ حکومت خود ان ایجادات کو اس وجہ میں معتبر نہیں سمجھتی ہے کہ اس کی آواز پر کوئی عدالت کسی مقدمہ کا فیصلہ کردے؟ ان ایجادات کے جو موجد ہیں، جب ان کی نگاہوں میں یہ چیزیں قابلِ اعتماد نہیں، حقی ہیں تو پھر کیا شریعتِ مطہرہ کے احکامات پر یہ ایجادات حاکم ہوسکتی ہیں؟ اور تمام علمائے متقدمین ومتأخرین کے طریق کار اور تحقیق کو لغو، فضول، دقیانوسی اور بیک دقیانوسی الفاظ سے یاد کیا جاسکتا ہے؟ رؤیت ہلال کے مسئلہ کی تحقیق کس طرح کی جائے؟ شریعتِ مطہرہ نے اس کے متعلق کیا ہدایت فرمائی ہے؟ ان آلات وایجادات کے اخبار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ براہِ عنایت جواب باصواب سے جلد سرفراز فرمائیں تاکہ رفع فتنہ ہو، جواب مع حوالہ۔

محمد احمد علی مدرسہ رحمانی لدھیانوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عیدین کے چاند کے لئے شہادت ضروری ہے (۱)، مثلاً: اگر ۲۹/ رمضان المبارک کو مطلع صاف نہ ہو تو

= إنما يقبله القاضي المكتوب إليه عند وجود الشرائط، ومن جملة الشرائط: البينة حتى أن القاضي المكتوب إليه لا يقبل كتاب القاضي مالم يثبت بالبينة أنه كتابه". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۳۸۱، كتاب أدب القاضي، الفصل الثالث والعشرون كتاب القاضي إلى القاضي، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۱۴۵، كتاب القضاء، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵/۹۷، ۹۸، باب كتاب القاضي إلى القاضي، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۹/۱۵، فصل في شرائط القضاء، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "شرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ أشهد". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۸۶، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۵، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

آئندہ دن کو ۳۰/ رمضان مانتے ہوئے روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا، بلکہ یہ کہ چاند دیکھنے کی شہادت حاصل ہو جائے اور وہ شہادت اصول شرعیہ پر قابل قبول ہو جس کے لئے ایک امر یہ بھی ضروری ہے کہ شاہد مجلس شہادت میں (جہاں پر شہادت قبول کی جا رہی ہو اور شاہد پر جرح کی جا سکتی ہو) حاضر ہو(۱)، پس پردہ کی شہادت یعنی غائبانہ آواز پر حکم شہادت نافذ کرکے احکام شرعیہ کو جاری نہیں کیا جائے گا، اس سے ریڈیو، ٹیلیفون، تار برقی کا حکم سمجھ میں آ گیا ہوگا(۲)۔

رمضان المبارک کے چاند کے لئے شہادت ضروری نہیں، صرف خبر کافی ہے، پس اگر ریڈیو، ٹیلیفون یا تار سے خبریں آ جائیں اور ان پر وثوق ہو یعنی خبر دینے والے رؤیت کی خبریں دیں اور یہ پورا امن ہو کہ کوئی دوسرا شخص نہیں بول رہا ہے، نہ دوسرے شخص نے تار دیا ہے بلکہ بولنے والے اور تار دینے والے خوب اچھی طرح پہچانا جاتا ہے اور وہ ثقہ ہے مجروح نہیں ہے (تار میں تو یہ چیز ممکن ہی نہیں) تو اگر ایسی خبروں سے صدق کا ظن غالب ہو جائے تو ان کو معتبر مان لیا جائے گا۔ اگر مطلع صاف ہو تو اس میں ان آلات میں سے کوئی آلہ بھی کارگر نہیں بلکہ جم غفیر کا چاند دیکھنا ضروری ہے، خواہ رمضان شریف کا چاند ہو خواہ عیدین کا ہو:

"والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به، واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد؛ إذ لا يفعل مثل ذلك عادةً في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان".

---

(۱) "(الشهادة) فهي إخبار صدق لإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القضاء". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۴۵۰، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۴۶۱، كتاب الشهادات، سعيد)

(۲) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ۵/۲۱۰، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۱۹۰، كتاب الشهادات، فصل يشهد بكل ما سمعه أو رآه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/۱۵۸، كتاب الشهادات، الفصل الأول في تحمل الشهادة وحد أدائها والامتناع عن ذلك، غفارية)

ردالمحتار(۱)۔

"ویشترط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، ولفظ: "أشهد" وعدم الحد في قذف لتعلق نفع العبد". درمختار۔ "(قوله: مع العلة): أي من غيم وغبار ودخان۔ (قوله: لتعلق نفع العبد) علة لاشتراط ماذكر في الشهادة على هلال الفطر بخلاف هلال الصوم؛ لأن الصوم أمر ديني، فلم يشترط فيه ذلك، أما الفطر فهو نفع دنيوي للعباد، فأشبه سائر حقوقهم، فيشترط فيه مايشترط فيها". ردالمحتار(۲)۔

"الشهادة هي إخبار صدق لإثبات حق بلفظ "الشهادة" في مجلس القاضي". درمختار(۳)۔ "(قوله: في مجلس القاضي) خرج به إخباره في غير مجلسه، فلا يعتبر". طحطاوي(۴)۔

البتہ اگر باقاعدہ شرائط کے ساتھ رؤیت کا ثبوت ہوجائے اور حکومتِ مسلم کے انتظام سے (جس میں کسی غلطی یا تلبیس کا احتمال نہ ہو) اس رؤیت کا اعلان کیا جائے تو ماتحت علاقہ میں یہ اعلان قابلِ قبول ہوگا جیسے کہ دوسرے اعلانات قابلِ قبول ہوتے ہیں اگرچہ یہ اعلان ریڈیو ہی کے ذریعے کیوں نہ ہو(۵)، مگر ذمہ دار حکومت کے ریڈیو اور انتظام اور اعلان کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں:

قیاس کن زگلستان من بہار مرا؟!

---

(۱) ردالمحتار على الدر المختار: ۳۸۶/۲، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد

(۲) ردالمحتار، المصدر السابق

(۳) والدر المختار: ۴۶۲/۵، كتاب الشهادات، سعيد

(۴) حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الشهادات: ۲۴۷/۳، دار المعرفة بيروت

(۵) "البتہ جس شہر میں قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کرکے عید وغیرہ کا اعلان کردیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے کہ شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو ریڈیو کے اس اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷)

ہونے کی اطلاع آئی اور دیکھنے والے معتبر گواہوں نے خود جمعرات کو چاند دیکھنے کی گواہی دی اس وجہ سے یہاں جمعہ کو یکم تاریخ رمضان کی قرار پائی اور جن لوگوں نے جمعہ کو روزہ نہیں رکھا ان کو ایک روز بعد عید روزہ رکھنے کا حکم کر دیا گیا اور اس چیز کو بذریعہ اعلان طبع کرا کر شائع کرا دیا گیا۔ جن لوگوں نے محض جنتری دیکھ کر جمعہ کا روزہ رکھا انہوں نے تحقیق نہیں کیا، یہ شرعی حکم نہیں کہ محض جنتری دیکھ کر روزہ رکھا جائے، یہ دوسری بات ہے تاہم ان کا روزہ صحیح ہو گیا اور ان کے ذمہ قضاء لازم نہیں۔

ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق بڑی تفصیل ہے، بعض صورتوں میں معتبر ہوتی ہے بعض میں نہیں، رسالہ آلاتِ جدیدہ اور ریڈیو کے متعلق احکام میں وہ تفصیل مذکور ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

رؤیتِ ہلال کمیٹی اگر فتویٰ کے خلاف کرے تو کیا کیا جائے؟

سوال [۱۸۷۲]: رؤیتِ ہلال کمیٹی میں کوئی شخص دینی علم رکھنے والا نہ ہو اور اگر ہو بھی تو اس کی رائے غلبۂ آراء میں دب کر رہ جائے اور خلافِ فتویٰ کے مفتی رؤیتِ ہلال کمیٹی شہر کی اپنا حکم نافذ کرنا چاہے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رؤیتِ ہلال کمیٹی کا مفتی کے فتویٰ سے ہٹ جانا اور اس کی خلاف ورزی ہے، وہ کمیٹی شرعاً معتبر نہیں ہوگی اور اس کے اعلانات شرعی اعلانات نہ ہوں گے، ان پر عمل کرنے کی اجازت نہ ہوگی، یہ تو کھلی عام دین کی بات۔ جب کہ وہ شرعی دلیل کے ساتھ ہو، تسلیم نہ کرے تو عالم دین کو کمیٹی سے علیحدہ ہو کر اعلان کر دینا چاہئے کہ یہ لوگ حکمِ شرعی تسلیم نہیں کرتے ہیں، اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، ان کی رائے شرعاً معتبر نہیں، میں ان سے علیحدہ

= (وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۳۰۶، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹۰، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام میں ہے: رؤیتِ ہلال کے مسئلے میں آلاتِ جدیدہ کی خبریں، ادارۃ المعارف)

ہوتا ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

بغیر ثبوتِ رؤیت کے عید کرنا درست نہیں

سوال [۴۸۲۲]: ۱... اگر کوئی شخص بلا چاند دیکھے صرف ریڈیو کی خبر پر ۳۰/ رمضان کو عید کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

بغیر ثبوت کے محض ریڈیو کی خبر پر عید کرنا

سوال [۴۸۲۳]: ۲... قریبی شہر کلکتہ سے بذریعہ ریڈیو اگر یہ خبر پہونچے کہ اگرچہ کلکتہ میں چاند نہیں دیکھا گیا لیکن چونکہ ڈھاکہ، دہلی وغیرہ شہر سے چاند کی خبریں بذریعہ ریڈیو آرہی ہیں اسی بنا پر کلکتہ میں عید ہورہی ہے، اس خبر پر کلکتہ والوں کو اور کلکتہ کی خبر پر دیہاتوں میں عید کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۳... اگر ۳۰/ رمضان کو ایسی خبر پر عید کرے اور بعد کو اگلے روز چاند ہونے کی تحقیق ہوجائے تو ان کو عید بلا تحقیق کرنا جائز ہوا یا نہیں؟

۴... اور اگرچہ بعد میں چاند کی تحقیق ہوئی لیکن چونکہ وہ لوگ ۳۰/ رمضان کو ۱۱ بجے تک روزہ میں تھے، ریڈیو کی ایسی خبر پر کلکتہ کے مسلمان آکر دیہات میں کہیں اور وہ لوگ روزہ توڑ کر عید کرلیں تو قضاء و کفارہ یعنی ۶۰/ روزے لازم ہوں گے؟

۵... یا صرف ایک روزہ رکھے؟

۶... یا کچھ کرنا نہیں پڑے گا؟

۷... اور جو لوگ ایسی خبروں کو غیر معتبر سمجھ کر ۳۰/ رمضان کو عید نہ کرکے پورا ۳۰/ روزہ رکھ کر اگلے دن عید کریں تو وہ حق پر تھے یا نہیں؟

۸... اگرچہ بعد میں ۲۹/ رمضان کے چاند کا تحقق ہو تب بھی کیا ہوگا؟

۹... چونکہ صرف ریڈیو کی خبر تھی جس کے مشتہر غیر مسلم ہوتے ہیں۔

۱۰... یا ڈھاکہ کی خبر جو مسلمین دے رہے ہیں ان کے احوال معلوم نہیں کہ متقی ہیں یا نہیں؟

۱۱... اور دہلی چونکہ کلکتہ سے قریب ہزار میل ہے جس کا طلوع وغروب کلکتہ کے ساتھ متفق نہیں ہوسکتا کہ وہاں ۲۹/رمضان کو چاند ہوا ہو اور یہاں نہیں، اس لئے اس کو غیر معتبر سمجھ کر۔

۱۲... اور چونکہ کلکتہ والے خود چاند نہیں دیکھے صرف ڈھاکہ یا دہلی کی خبر پر عید کررہے ہیں۔

۱۳... لہذا اس خبر کو بھی غیر معتبر سمجھ کر ۳۰/رمضان کو عید نہ کریں بلکہ روزہ رکھیں تو ان کا یہ روزہ رکھنا حرام تو نہیں ہوگا؟

۱۴... نیز اصل دیوبند وسہارنپور میں روزے کتنے ہوئے؟

۱۵... عید کب ہوئی؟

۱۶... اچھا! شریعت میں کوئی ایسی حد متعین ہے کہ اگر مثلاً پانچ سو میل کے اندر والے کے لئے حجت ہو، اس سے اگر دور ہو تو حجت نہیں؟

یہ کل سولہ سوالات ہیں، امید ہے کہ ہر ہر سوال کے جواب سے سرفراز فرمائیں، حقیقت میں سوال ایک ہی ہے اس لئے آپ کے قانون کے خلاف نہیں ہوا۔

ضروری گزارش: چونکہ یہ مسئلہ پوری مغربی بنگال میں مختلف ہے اور شدید اختلاف ہے اس لئے برائے کرم ہر ہر سوال کے جواب سے سرفراز فرمائیں، کیونکہ اس کا ہر سوال حقیقی اور واقعی ہے تخریبی نہیں، جس کا جواب نہیں ہے تو پھر اس کو [illegible] کر چھوڑ دیں، ۲۲/شوال کو ہمارا ایک اجلاس ہوگا جس میں اسی مسئلے پر گفتگو ہوگی، لہذا قبل اس تاریخ کے اگر جواب پہنچے تو بڑا احسان ہوگا۔ [illegible] ٹکٹ بھیج دیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... اگر ۲۹/کو مطلع صاف ہو کر بادل ہو، نہ غبار ہو، نہ دھواں، نہ بارش ہو، نہ سرخی ہو، تو محض کسی ریڈیو کی اتفاقی خبر پر کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا، ۳۰/رمضان کو عید کرنا درست نہیں(۱)۔

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره، إذ النغمة تشبه النغمة" (تبيين الحقائق: ۵/۲۰، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۲۰۹، فصل يشهد بكل ما سمعه أو رآه، دار الكتب العلمية بيروت) =

۲ ... اتنی خبر بھی کافی نہیں (۱)۔

۳ ... بلا تحقیق عید کرنا جائز نہیں تھا اگرچہ بعد میں تحقیق سے صحت کا علم ہو جائے۔

۴ ... جب تک شرعی طور پر تحقیق نہ ہو جائے روزہ توڑنے کی اجازت نہیں لیکن بعد میں تحقیق ہونے پر کہ اس روز عید تھی، قضاء و کفارہ کا وجوب نہ ہوگا (۲)۔

۵، ۶ ... نہ قضاء ہے نہ کفارہ، بلا تحقیق روزہ توڑنے پر استغفار کرے۔

۷ ... جب تک تحقیق نہ ہو جائے روزہ رکھنا ہی لازم ہے، عید کرنا درست نہیں لہٰذا انہوں نے ٹھیک کیا (۳)۔

۸ ... انہوں نے ٹھیک کیا، وہ گنہگار نہیں۔

۹-۱۲ ... محض یہ خبر کہ چاند ہو گیا یا عید ہے کسی کی بھی معتبر نہیں اگرچہ خبر دینے والے مسلم متقی ہوں۔

۱۳ ... آپ کی تحریر کردہ صورت میں وہ لوگ گنہگار نہیں۔

۱۴ ... ۲۹ کا ہوا ہے۔

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/۱۵۵، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة الخ، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۹۲، رقم الحاشية)

(۲) "ألزم نفلاً شرع فيه قصداً أداءً وقضاءً إلا في العيدين وأيام التشريق، فلا يلزم لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي". (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۲۹، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۲۹۱، فصل في العوارض، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۶۰۹، فصل في حكم من أفسد صومه، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) "وإذا لم يكن بالسماء علة، لم تقبل الشهادة حتى يراه جمع كثير يقع العلم بخبرهم". (الهداية، ص: ۲۱۵، كتاب الصوم، شركت علميه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۵۷۴، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، غفاريه)

نہیں توڑا شریعت کے حکم کے مطابق کیا"۔

مفتی عبدالجبار نحلی مدرس مدرسہ مفتاح العلوم مئو، ۲۵/شوال المکرم/۸۶ھ۔

الجواب: "ریڈیو کی خبر شرعاً معتبر نہیں، اس پر جن لوگوں نے روزہ توڑا ان پر قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگیا جس میں مولوی صاحب بھی شامل ہیں، اور روزہ تڑوانے کی وجہ سے تمام روزہ توڑنے والوں کا گناہ بھی ان کے سر عائد ہوگا اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا انہوں نے بالکل درست کیا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم"۔

حررہ ابوالقاسم محمد عتیق غفرلہ فرنگی محلی ۳۰/ذیقعدہ/۱۳۸۶ھ۔

سوال: امسال بھی عید کے چاند میں بہت گڑبڑ ہوگئی، ابر کی وجہ سے ۲۹/کا چاند نہیں دیکھا گیا، مگر آٹھ بجے رات کے بعد ریڈیو پاکستان (بمبئی واحمد آباد) حیدرآباد سے چاند کی خبر ملی، وہاں کے مولوی صاحب نے آپ کے فتویٰ کے پیش نظر ریڈیو پاکستان کی خبر مانتے ہوئے چاند کا اعلان کرادیا اور جمعرات کو نماز عید ادا کی، ہمارے پاس تین جگہ کے فتاویٰ موجود ہیں، ان کو دیکھ کر طبیعت پریشان ہے کہ کس کو مانا جائے، علماء کے علمائے کرام کا کہنا ہے کہ پاکستان ایک الگ حکومت ہے وہاں کی خبر یا شہادت ہمارے لئے معتبر نہیں اور ہندوستان میں کوئی وزیر یا قاضی اعلان کرتا ہی نہیں اس لئے یہاں کی بھی خبر معتبر نہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

دارالعلوم کے فتویٰ محررہ ۱۲/۳/۸۶ھ میں شروع ہی میں بتادیا گیا ہے کہ آج کل عامۃً ریڈیو پر اس طرح خبر آتی ہے تو اس خبر پر روزہ توڑنا درست نہیں اور فرنگی محل لکھنؤ اور مفتاح العلوم مئو کے فتاویٰ منقولہ کی بنیاد بھی یہی چیز ہے، اس لئے اتنی بات میں ہر سہ فتاویٰ متفق ہیں، کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ دارالعلوم کے فتوے میں ایک دوسری شق بھی مذکور ہے جس سے ریڈیو کی خبر محض تبصرے کے درجہ سے نکل کر ذمہ دارانہ اعلان کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے، اس کی کوشش بھی کی جارہی ہے اور بعض جگہ کامیابی بھی ہوگئی ہے۔ رہی یہ بات کہ "پاکستان کی

=(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۲۹۵، الفصل التاسع فيما يصير به شبهة في إسقاط الكفارة، إدارة القرآن، كراتشي)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، ص: ۲۷۵، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

خبر یا شہادت ہو، اس کے لئے معتبر نہیں" یہ تو بالکل بے فیض ہے، اگر ۲۹ کو مطلع صاف نہ ہو اور وہ مقبول الشہادۃ مرد آکر گواہی بھی دیں تو ان کی شہادت کو محض اس وجہ سے رد کر دینا کہ یہ الگ حکومت کے آدمی ہیں ہرگز صحیح نہیں، اختلاف دارین کو فقہاء نے موانع ارث میں تو شمار کیا ہے وہ بھی حق اہل اسلام نہیں مگر قبول شہادت کے موانع میں شمار نہیں کیا۔ لاہور، دہلی، امرتسر، وزیر آباد قریب قریب ہیں مطلع بھی متحد ہے، اگر ایک جگہ رؤیت ہو جائے اور چاند دیکھ کر دوسری جگہ شرعی شہادت پہونچ جائے تو یقیناً قابل قبول ہوگی، اگر اختلاف مطالع کی بحث کو نہ لایا جائے تو فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مغرب کی رؤیت سے اہل مشرق پر بھی حکم لازم ہو جائے گا جب کہ رؤیت بطریق موجب ثابت ہو جائے

"فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، اهـ. درمختار". "(قوله: بطريق موجب) كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية. اهـ". الدر المختار: ۲/۱۳۲(۱)۔

مشرق ومغرب سب جگہ ایک حکومت اس وقت بھی نہیں تھی جب یہ مسئلہ فقہاء نے تحریر فرمایا تھا، بہتر ہے علمائے کرام کے قول مذکور کا مفہوم ان سے دریافت کرکے مجھ کو بھی مطلع فرمائیں تو احسان ہوگا اور مزید غور کا موقع ملے گا۔ رؤیت ہلال پر علامہ شامی کا مستقل رسالہ ہے جس میں مفصل بحث ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۸۹ھ۔

رمضان کا چاند اور ریڈیو پاکستان کی ایک غلطی

کراچی ۱۰/ مارچ (بذریعہ ڈاک) ریڈیو پاکستان کراچی نے اپنی نادانستہ غلطی سے کراچی کے

---

(۱) (ردالمحتار علی الدر المختار: ۲/۳۹۳، مطلب فی اختلاف المطالع، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ: ۱/۱۹۸، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۳۲۱، کتاب الصوم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(۲) (تنبیہ الغافل والوسنان علی أحکام هلال رمضان، من مجموعة رسائل ابن عابدین: ۱/۲۳۲، سہیل اکیڈمی، لاہور)

علی اور سید عبدالقادر فرنگی محل لکھنؤ، مفتی مظہر اللہ صاحب دہلی وغیرہ ان سب حضرات نے اس کو غیر معتبر فرمایا ہے اور آپ نے صرف تعبیر مستحقق کی بحث چھیڑ دی۔ ہندوستان میں بنگلور و دیگر کی روایت کی خبر بذریعہ ٹیلیفون پہنچتی ہے۔ اور پاکستان میں ہمیشہ چاند ۲۹/ کا ہوتا ہے۔ وہ لوگ بذریعہ ہوائی جہاز اور دوربین تلاش کر لیتے ہیں، پھر بھی ان میں اختلاف رہتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ۲۹/ رمضان اور ۲۹/ شعبان اور ۳۰/ شعبان پاکستان بروز سنیچر اگر مطلع ابر آلود ہو اور چاند نہ دیکھا گیا ہو سب قریب و جوار دیہات اور ریڈیو میں بھی پہنچی۔ سے اطلاع ملے تو اس ریڈیو کی خبر پر ہم لوگ عید کریں یا نہ کریں؟ ریڈیو کی اور چاند کی خبر کے معتبر اور غیر معتبر ہونے میں اختلاف کا ہونا قدرتی طریقہ ہے، وہ یہ کہ چاند ہمیشہ ۲۹/ کو نظر نہیں آتا، بلکہ ۳۰/ تاریخ کو نظر آتا ہے۔ مطلع ہمیشہ صاف نہیں رہتا، کبھی ابر آلود رہتا ہے، ہر شخص کی نظر صاف نہیں دیکھ سکتی، اختلاف تو ہمیشہ سے چلا رہا ہے، البتہ اس کو خلاف قرار دینا۔ جو کہ نتیجہ ہے عناد کا، جس کا ثمرہ فساد ہے، شرعاً وعقلاً ہر طرح سخت مذموم اور ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ریڈیو کے ذریعہ موصول ہونے والی خبروں کے متعلق تفصیل سے کلام فرمایا اور اس کو شائع کیا ہے کہ کس صورت میں ایسی خبریں معتبر ہوں گی اور کس صورت میں معتبر نہیں ہوں گی (۱)۔ یہاں سے بھی چند شرائط کے ساتھ معتبر ہونے کو لکھا جاتا ہے، یہ غلط بات ہے کہ ہر حال میں ان کو معتبر مانا جائے، نہ یہ ہے کہ کسی حال میں معتبر نہ مانا جائے، جیسے کہ بغیر ریڈیو کی خبر معتبر ہوتی ہے، غیر معتبر بھی ہوتی ہے۔ مولانا محمد میاں صاحب نے بھی دہلی سے اس کی تفصیل عرصہ ہوا شائع کرائی ہے۔

ہمارے پاس اصل معتبر آدمیوں نے خود اپنا دیکھنا اور جمعہ کو روزہ رکھنا بیان کیا ہے، ان کے بیان کو

---

(۱) (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۶، ادارۃ المعارف کراچی)

(وکذا فی جواہر الفقہ: ۱/۳۹۷، دارالعلوم کراچی)

(وکذا فی احسن الفتاویٰ، کتاب الصوم، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق: ۴/۴۰۹، سعید)

(ورسالۃ رؤیت ہلال کا مسئلہ، ص: ۲۷، دارالکتب حنفیہ شبیر، کراچی)

یہاں معتبر تسلیم کیا گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ جمعہ کو پہلا روزہ ہے جن لوگوں نے رکھ لیا ہے وہ بری ہو گئے، جنہوں نے نہیں رکھا وہ بعد عید ایک روزہ کی قضاء کریں۔ دہلی، بجنور، وغیرہ متعدد مقامات پر ۲۹/ کی رویت ہوئی ہے اب کوئی تردد نہیں رہا۔ آئندہ روزہ کا حکم اسی پر مرتب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۸ھ۔

ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کرنا

سوال [۴۷۸۶]: امسال بلیا میں عید کا چاند نہیں دیکھا گیا، ہندوستان اور پاکستان کے تمام ریڈیو سے ۲۹/ رمضان کو خبر دی کہ کہیں چاند نہیں، لیکن ۱۲/ بجے رات کے پاکستان ریڈیو اور بمبئی ریڈیو نے خبر دی کہ ۲۹/ کا چاند ہو گیا ہے۔ اس خبر کو سن کر بعض عجلت پسند لوگوں نے روزہ توڑ دیا، اس میں ایک مولوی صاحب بھی ہیں انہوں نے بھی روزہ توڑ دیا، لیکن عید کی نماز دوشنبہ کو پڑھائی حالانکہ نماز کا وقت تھا اس لئے کہ سحری کے وقت تک خبر معلوم ہو چکی تھی اور شہر بلیا اور اس کے قرب وجوار کے تمام لوگوں نے صرف ریڈیو کی خبر پر روزہ نہیں توڑا۔

اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ جن لوگوں نے صرف ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑ دیا اور نماز عید نہیں پڑھی۔ حالانکہ وقت تھا ان لوگوں نے کیسا فعل کیا اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا ان کا فعل کیسا ہے جب کہ عینی شہادت مفقود تھی؟

حشمت اللہ پرمنداپور، بلیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آج کل عامۃً ریڈیو پر اس طرح خبر آتی ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا یا فلاں جگہ عید ہے، نہ یہ خبر کہ چاند کس نے دیکھا ہے، ایک دو نے یا زائد نے، مطلع صاف تھا یا نہیں، چاند دیکھنے والے مقبول الشہادۃ ہیں یا نہیں، رویت ہلال کمیٹی نے شہادت قبول کر کے اعلان کیا ہے، یا ویسے ہی یہ اعلان حکومت مسلمہ کی طرف سے ہے یا محض ریڈیو کے منتظمین کی طرف سے وغیرہ وغیرہ تو ایسی خبر پر روزہ توڑنا درست نہیں (۱)۔ اگر وہ اعلان

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان مسئلہ "ریڈیو، ٹیلیفون، تاربرقی کے ذریعے چاند کا ثبوت")

ریڈیو پر اس طرح ہو کہ فلاں جگہ شرعی شہادت کے ذریعہ سے چاند کا ثبوت ہو گیا ہے اور رؤیت ہلال کمیٹی (جس کے ذمہ دار مسائل شرعیہ سے واقف اور مقبول الشہادۃ آدمی ہیں) یا حکومت مسلمہ (قاضی یا وزیر وغیرہ) کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ کل فلاں روز نمازِ عید ادا کی جائے تو یہ خبر معتبر ہے، اس پر روزہ افطار کرنا اور نمازِ عید ادا کرنا درست ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے مستقل رسالہ میں بیان فرمائی ہے(۱)۔

اگر عید کے چاند کا ثبوت دن میں ایسے وقت ہو جائے کہ نماز روزہ والوں کو خبر پہنچ جائے اور وہ نماز عید وقت پر (زوال سے پہلے) ادا کر سکیں تو آئندہ روز کے لئے بغیر کسی شرعی مجبوری (بارش شدید وغیرہ) کے نماز کو مؤخر کرنا درست نہیں (۲)۔ آپ اپنے یہاں کے حالات کو اس مسئلہ کی روشنی میں خود سمجھ لیں اور مولوی صاحب سے دریافت کر لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ہلال عید کی شہادت پر روزہ افطار کرنا اور عید پڑھنا

سوال[۵۸۴۶]: عید الفطر کا چاند ۲۹/ کو نہیں ہوا، ۳۰/ تاریخ کو شہادت کی وجہ سے دوپہر کو روزہ افطار کر لئے گئے، اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے عید اسی روز منائی جائے گی جس روز روزے افطار کئے گئے ہیں یا اگلے دن جب کہ نماز ہوتی ہے عید منائی جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے ۲۹/ رمضان کو چاند نظر نہیں آیا اس بنا پر روزہ رکھا گیا یہ تصور کرتے ہوئے کہ ۳۰/ رمضان ہے، مگر بعد شہادت شرعیہ سے چاند کا ثبوت ہو گیا اور روزہ افطار کرا دیا گیا اور ثابت ہو گیا

(۱) (تقدم تخریجہ تحت عنوان "ریڈیو، ٹیلیفون، ٹیلی ویژن کے ذریعے چاند کا ثبوت")

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۷۶، باب العیدین، مطلب أمر الخلیفة لا یبقی بعد موته، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۵۲، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۲۲۶، باب صلوة العيدين، دار الكتب العلمية بيروت)

کہ یکم شوال ہے تو وہی دن عید کا دن ہے اسی دن عید کی نماز پڑھی جائے، لیکن اگر شہادت دیر میں پہونچی اور عید کی نماز کا وقت نہیں رہا تو نماز عید ۲/ شوال کو پڑھی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۵ھ۔

مشکوک خبر پر روزہ افطار کرنا

سوال [۴۷۸۸]: کیونکہ متعدد خبریں قطعاً واضح ہوئیں کہ ۲۹/ کو چاند ہوا اور یہ خبر کسی نے نہیں دی کہ چاند دیکھا، مشکوک خبر پر روزے افطار کئے گئے۔ لہٰذا اس روزہ کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ صحیح چاند ۳۰/ کا مانا گیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سہارنپور میں شرعی شہادت سے ۲۹/ کو عید کا چاند ثابت ہوا اور ۲۹/ روزے ہوئے، لہٰذا اس روزے کی قضا نہیں۔ دوسری جگہوں کی تفصیلی حال معلوم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

ریڈیو کی خبر پر افطار اور عید

سوال [۴۷۸۹]: ہمارے یہاں بہت سے آدمیوں نے ریڈیو کی خبر کے مطابق آج ۲۳/ جنوری/ ۶۶ء بروز اتوار ساڑھے آٹھ بجے دن کو روزہ افطار کر لیا ہے اور عید الفطر کی نماز بھی ادا کر لی ہے، لیکن ہمارے یہاں اور گردونواح کی کسی بھی جگہ سے چاند دیکھنے کی کوئی معتبر خبر نہیں ملی، سب جگہوں سے بدستور روزہ رکھنے کی اور ۲۴/ جنوری کو عید الفطر کی نماز ادا کرنے کی خبر ہے، لہٰذا جن آدمیوں نے ۲۳/ جنوری کو روزہ افطار کر لیا اور عید الفطر کی نماز ادا کر لی، ان کے لئے اسلامی رو سے کیا حکم ہے؟

---

(۱) "وتؤخر بعذر إلى الزوال من الغد فقط" (الدر المختار). "(قوله: بعذر كمطر) دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام وما إذا غم الهلال، فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس، أو صلاها في يوم غيم وظهر أنها وقعت بعد الزوال". (رد المحتار: ۲/۱۷۶، باب العيدين، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۵۲، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۷۳، كتاب الصلوة، باب العيدين، شركت علميه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض ریڈیو کی خبر پر کہ فلاں جگہ عید ہے روزہ توڑ دینا اور عید پڑھنا درست نہیں (۱)، لیکن اگر رویت ہلال کمیٹی یا قاضی شرعی باقاعدہ شرعی شہادت لے کر اعلان کرے یا کرائے کہ شرعی طور پر چاند کا ثبوت ہوگیا ہے، اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان معتبر ہوگا جب کہ بعد میں ثابت ہوگیا کہ اتوار کو شوال تھی (۲) جو روزہ اس روز توڑ دیا گیا تو اس کی قضاء لازم نہیں اور جو نماز عید الفطر پڑھ لی گئی ہے اس کی بھی قضاء لازم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

ریڈیو کے ذریعہ شہادت

سوال [۴۷۰۲]: عید کا چاند کسی کو بھی کہیں کا چاند دکھائی نہ دے اور پاکستان، بمبئی سے ریڈیو پر خبر دے تو اس کی خبر معتبر ہوگی یا نہیں اور ایسی صورت میں روزہ توڑنا مناسب ہے یا نہیں؟ حالانکہ اکثر کتابوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ریڈیو کی خبر معتبر نہیں، ہاں اگر اعلان کرنے والے کی آواز پہچان لی جائے تو معتبر ہے، نیز یہ کہ اگر چاند کے متعلق ریڈیو سے یہ اعلان کیا جائے کہ کمیٹی سے جمعیۃ العلماء دہلی سے فلاں جماعت نے

---

(۱) "الرسمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره، إذ النغمة تشبه النغمة".
(تبيين الحقائق: ۵/۱۱۰، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)
(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۱۹۵، فصل يشهد بكل ما سمعه أو رآه، بيروت)
(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/۵۵۰، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة، غفارية)

(۲) قال الشيخ المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالى: "جب کسی شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی کی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کردیا ہو اور یہ اعلان اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر والوں کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو والوں کو پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کریں، صرف وہ فیصلہ نشر کریں جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے کیا ہو"۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۰، باب سوال رویت ہلال کی شرعی حیثیت)
(وكذا في أحسن الفتاوى: ۴/۴۲۲، رویت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

اعلان کیا ہے کہ چاند کی تصدیق ہوگئی ہے اور اس پر عمل کیا جائے تو عام مسلمانوں کو ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر کوئی شخص چاند دیکھ کر ریڈیو پر خبر دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو اس کی یہ خبر شہادت شرعیہ نہیں، اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا بلکہ اس کو لغو کہا جائے گا(۱)۔ اگر رؤیت ہلال کمیٹی جس میں ذی علم، ارقابل اعتماد لوگ ہوں باقاعدہ چاند کی شہادت حاصل کر کے اعلان کریں یا کرائیں کہ شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہوگیا ہے اور اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو اعلان شرعاً معتبر ہوگا (۲)، لیکن عوام کو چاہئے کہ اس اعلان پر اپنے یہاں کے اہل علم حضرات کی طرف رجوع کریں اور وہ اس کو معتبر مانتے ہوئے روزہ افطار کرنے اور نماز عید ادا کرنے کا حکم دیدیں، یہی احتیاط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑ دینا

سوال [۵۷۱۱]: ۱... ریڈیو کی خبر دیانات ومعاملات میں شرعاً حجت ہے یا نہیں؟ دیانات میں خصوصاً رؤیت ہلال رمضان وعید الفطر میں؟

۲... آگرہ میں ۱۷/اگست کو مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے رؤیت نہ ہوئی، ۱۸/اگست کو سب نے روزہ رکھا، مگر دوپہر کو بعض افراد نے یہ کہہ کر کہ "پاکستانی ریڈیو کی خبر سے ہمارا دل گواہی دے رہا ہے کہ آج عید

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة" (تبيين الحقائق: ٥/١٦٠، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ٢/١٩١، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو رآه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ١٠/١٥٨، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة الخ، غفارية)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان مسئلة: "ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے؟")

تار، ٹیلیفون، خط، ریڈیو وغیرہ کی خبر کے متعلق مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے ایک رسالہ مستقل تالیف کیا ہے، زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو اس کو دیکھئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۱۱/۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ سہارنپور، ۱۲/ذی قعدہ/۶۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ذیقعدہ/۶۹ھ۔

ریڈیو کی خبر و شہادت

سوال [۴۹۲۳]: ریڈیو پر اگر چاند کی خبر آوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خبر مجہول صدا ہے اور شہادت شرعیہ نہیں، بلکہ دیانات میں بھی مقبول نہیں، کیونکہ مخبر حاضر نہیں بلکہ غائب ہے اور پس پردہ سے بات کرتا ہے جس سے نہ مخبر کی اس کی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے نہ صفات کی، تا کہ عادل (مقبول الشہادۃ) اور فاسق (مردود الشہادۃ) ہونا متعین ہو جائے، محض آواز سے پہچاننا شرعاً معتبر نہیں "لأن النغمة تشبه النغمة"۔

ریڈیو پر جو شخص بولتا ہے اگر دو عادل شخص اس کے متعلق شہادت دیں کہ یہ فلاں شخص ہے تو ان دو شاہدوں کی شہادت پر یقین کرتے ہوئے کسی حالت کو شہادت دینا کہ یہ فلاں شخص ہے جائز نہیں اور اس کی شہادت بھی مقبول نہیں، ریڈیو پر اگر کسی کا ایجاب و قبول کیا جائے اور دو شاہد اس کو سنتے ہوں تو ان کی شہادت سے نکاح منعقد نہیں ہوگا:

"ولا يشهد على محتجب بصوته من بيت، إذ النغمة تشبه النغمة إلا إذا تبين القائل، بأن لم يكن في البيت غيره، لكن لو فسر للقاضي لا يقبل، درر، ولو رأى شخصها، أي المنتقبة مع شهادة اثنين بأنها فلانة بنت فلان بن فلان، حل" درمختار. "(قوله: فسر): أي أنه شاهد على المحتجب ... (قوله: شخصها) في

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۲۲۶، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۵، باب: ہلال کے معاملہ میں آلات جدیدہ کی خبر کا درجہ، ادارۃ المعارف، کراچی ۳۹۶ھ)

المستنبط: وإن سمع صوت المرأة ولم ير شخصها، فشهد اثنان عنده أنها فلانة، لا يحل له أن يشهد عليها، وإن رأى شخصها وأقرت عنده فشهد اثنان أنها فلانة، حل له أن يشهد عليها" بحر الرائق، شامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/۳/۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۳/۶۶ھ۔

ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر

سوال [۴۷۵۳]: خبر رؤیت ہلال بذریعہ ریڈیو یا تار، ٹیلیفون شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ خبر شہادت شرعیہ کے حکم میں نہیں "لأن الخط يشبه الخط، والنغمة تشبه النغمة" خاص کر جب کہ ریڈیو وغیرہ کو واسطہ غیر مسلم ہوں اور مطلب سمجھنے میں بھی غلطی اکثر ہوتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/شعبان/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/شعبان/۶۶ھ۔

---

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۵/۴۶۹، كتاب الشهادات، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵/۱۹۶، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۲۵۹، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو رآه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/۱۵۸، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة، غفارية)

(۲) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره، إذ النغمة تشبه النغمة" (تبيين الحقائق: ۵/۱۹۶، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۲۵۹، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو رآه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/۱۵۸، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة وحل أدائها والامتناع عن ذلك، غفارية كوئته)

تار، ٹیلیفون وغیرہ کی خبر پر عید اور رمضان

سوال [۴۷۹۳]: ۱...موجودہ زمانہ میں اگر کسی شہر یا ملک میں رؤیتِ ہلالِ رمضان وعید الفطر نہ ہو اور کسی دوسرے شہر یا ملک سے صرف ذریعہ تار برقی، ٹیلگراف، ٹیلیفون، ریڈیو اور وائرلیس خبر موصول ہو تو کیا از روئے شرع شریف مطابق مذہبِ احناف اس شہر والوں پر جہاں رؤیتِ ہلال نہیں ہوئی ہے روزہ رکھنا یا رکھوانا، افطار کرنا یا کرانا ضروری اور واجب ہے، یا اس قسم کی خبر و اطلاع پر عمل کرنا ضروری ہے؟

۲...امسال رؤیتِ ہلالِ عید الفطر کے سلسلہ میں ڈھاکہ اور حیدرآباد سے بذریعہ ریڈیو ۲۹/ رمضان المبارک کو یہ خبر نشر کی گئی تھی کہ ہلالِ عید الفطر کی رؤیت ہوگئی ہے اور کل عید ہے۔ کیا اس خبر کو صحیح باور فرما کر جناب نے شنبہ ۸/ ستمبر/ ۱۹۴۵ء کو یوم الفطر قرار دیا تھا یا نہیں؟

۳...بصورتِ معتبری خبر ریڈیو، ٹیلیفون، وائرلیس فقہی نقطۂ نظر سے اس کو دعویٰ، شہادت، قضائے قاضی، خبرِ مستفیض کی شقوں میں سے کس شق میں داخل سمجھا جاوے؟ از روئے شرع شریف مع دلائل و حوالۂ کتبِ معتبرہ حنفی سے مستفیض فرما کر داخلِ اجر عظیم ہوں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: عبد اللہ علی عنہ بھوپال۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...آلاتِ مذکورہ کے ذریعہ جو خبر حاصل ہو، وہ مقامِ شہادت میں شرعاً حجت نہیں، کیونکہ شاہد کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے ان کا علم وثوقی طور پر حاصل ہونا دشوار ہوتا ہے: "لأن النغمة تشبه النغمة، والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم". كذا في شرح الملتقى (۱)، لہذا اس کی خبر پر عید کرنا شرعاً درست نہیں کیونکہ عید کے لئے شہادتِ عدلین شرط ہے (۲)۔

---

(۱) (شرح الملتقى ۲/۱۶۵، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵/۱۰۶، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وشرط للفطر... بلا علة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشرعي بخبرهم، وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب، وعن الإمام أنه يكتفي بشاهدين" "وينبغي العمل على هذه الرواية في زماننا؛ لأن الناس تكاسلت عن ترائي الأهلة". (رد المحتار: ۲/۳۸۷، كتاب الصوم، سعيد)......

جب کہ آسمان پر بادل وغیرہ ہو اور مطلع صاف نہ ہو تو ثبوتِ رمضان کے لئے ایسی صورت میں قولِ واحد کافی ہوتا ہے بشرطیکہ وہ واحد عدل ہو یا مستور ہو(۱)۔ اگر متعدد تار برقی یا ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ سے مختلف خبریں حاصل ہوں اور قرائنِ قویہ سے ان کی صحت کا غلبۂ ظن حاصل ہو جاوے تو وہ خبر شہود کے حکم میں ہوگی اور اس پر روزہ رکھنا صحیح ہوگا:

"وإذا كان بالسماء علة تمنع الرؤية، قُبل في هلال رمضان خبرُ عدلٍ أو مستورٍ في الأصح، لا فاسق -خلافاً للطحاوي- ولو عبداً أو أنثى أو محدوداً في قذف تاب؛ لأنه خبر لا شهادة، ولهذا لا يشترط لفظ الشهادة. وقُبل في هلال الفطر شهادةُ حرين، أو حر وحرتين بشرط لفظ الشهادة وعدم الحد في القذف، اهـ". سكب الأنهر(۲)۔

۲.....اس خبر پر یہاں شنبہ ۸/ ستمبر کو عید الفطر قرار نہیں دی گئی، بلکہ ۳۰/ رمضان یوم شنبہ ۸/ ستمبر/ ۲۵ء کو رؤیت عامہ ہو کر ۹/ ستمبر/ ۲۵ء یوم یکشنبہ کو عید الفطر قرار دی گئی۔

۳.....نہ یہ قضائے قاضی ہے نہ شہادتِ شرعیہ ہے، نہ خبر مستفیض ہے بلکہ کچھ بھی نہیں، بلکہ خبرِ مستور ہے، اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے جس کا نام "القول الکافی فی حکم الخبر التلغرافی" ہے، اس میں تفصیل موجود ہے، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے رسالہ تصنیف کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اہلِ مشرق کی رؤیت اہلِ مغرب کے لئے

سوال[۵۲۷۰]: فقہ حنفی کی رو سے ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں کے لئے حجت

= (وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۶۸، كتاب الصوم، رشيدية)

(۱) "وقُبل بلا لفظ دعوى وبلا لفظ أشهد للصوم مع علة كغيم خبرُ عدلٍ أو مستورٍ ...... لا فاسق اتفاقاً". (الدر المختار). "وقول الطحاوي: أو غير عدل محمولٌ على المستور كما هو رواية الحسن. أما مع تبيّن الفسق، فلا قائل به عندنا" (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(۲) (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، تحت قوله: "إذا كان بالسماء علة قُبل في هلال رمضان خبر عدل": ۱/۲۳۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

بلکہ اہل علم اور ذمہ دار حضرات کی طرف رجوع کریں جب وہ شرعی قواعد کے موافق اس کو قابل اطمینان سمجھ کر تسلیم کرلیں تب عوام اس پر عمل کریں، اس لئے کہ عوام پوری حدود وقیود کا نہ علم رکھتے ہیں نہ پابندی کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱۱/۸۵ھ۔

رؤیت کے زبانی پیغام پر افطار کرنا

سوال [۴۷۹۲]: ہمارے یہاں رمضان المبارک کا اول روز دوشنبہ کا ہوا اور جب پنجشنبہ کو ۲۹/ رمضان المبارک ہوا تو ابر ہونے کی وجہ سے نہ شہر بیاور میں چاند نظر آیا اور نہ شہر اجمیر شریف میں، اور بروز جمعہ تیسواں روزہ کل مسلمانان شہر اجمیر و بیاور نے رکھا، مگر تیس رمضان المبارک بروز جمعہ قریب دس بجے دن کے چار پانچ آدمیوں نے کسی شہر سے آکر اجمیر شریف میں ایک مولوی صاحب نے ایک مجمع میں یہ شہادت دی کہ ہم نے کل بروز پنجشنبہ بچشم خود فلاں شہر میں چاند دیکھا ہے۔ اس پر مولوی صاحب نے ایک مجمع میں حکم دیا کہ روزہ افطار کرلو سب نے اجمیر شریف میں روزہ افطار کرلیا، اس مجمع میں دو آدمی شہر بیاور کے بھی موجود تھے، انہوں نے بھی بروز جمعہ قریب دس بجے دن کے اسی مجمع میں روزہ افطار کرلیا۔

جب یہ دونوں شخص شہر بیاور میں آنے لگے تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم بیاور والوں سے کہہ دینا کہ روزہ افطار کرلیں، ان دونوں آدمیوں نے بیاور میں آکر بوقت جمعہ جامع مسجد میں آکر کہا کہ مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ روزہ افطار کرلو، اس کہنے پر زید نے روزہ افطار کرلیا اور زید نے کہا کہ جب مولوی صاحب نے کہلا کر بھیجا ہے اور اجمیر میں روزہ افطار کرلئے ہیں تو شرعاً سب کو یہاں بھی روزہ افطار کرلینا چاہئے، مگر بکر نے افطار نہیں کیا اور بکر نے زید پر اعتراض کیا کہ جو مولوی صاحب نے کہلا کر بھیجا ہے اس کا ثبوت کیا ہے؟ ان دو آدمیوں کو مولوی صاحب نے تحریری سند دی ہے، یا درگاہ شریف کی مہر لگی ہوئی کوئی سند لائے ہیں، یا ان ہر دونوں نے خود چاند دیکھا ہے۔ لہذا علمائے کرام سے یہ عرض ہے کہ زید کا قول معتبر ہے یا بکر کا؟ اور ایسی صورت میں روزہ بیاور

= وكذا في أحسن الفتاوى: ۴/۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

والوں کو افطار کر لینا چاہئے تھا یا نہیں؟ جو حکم ہو خلاصہ تحریر فرمائیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر میاور کے لوگ ان مولوی صاحب کی طرف اپنے مسائل اور معاملات میں رجوع کرتے ہیں اور وہ مرجع الفتویٰ ہیں (۱) اور انہوں نے جن دو شخصوں کی معرفت روزہ افطار کرنے کا حکم و پیغام بھیجا ہے، وہ دونوں معتبر و مقبول الشہادۃ ہیں، نیز مولوی صاحب نے شرعی طریق پر شہادت حاصل کر کے پیغام بھیجا ہے تو وہ معتبر ہے اس پر روزہ افطار کر دینا چاہئے، ایسی حالت میں بکر کا یہ مطالبہ کہ کیا مولوی صاحب نے کوئی تحریری سند دی ہے بیکار ہے، کیونکہ اگر یہ دونوں کوئی تحریر لاتے اور وہ بکر کے نزدیک معتبر ہوتی تو زبانی پیغام کے غیر معتبر ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اگر ان کے توسط کی وجہ سے زبانی پیغام غیر معتبر ہوتی اور اس میں بھی احتمال ہوتا کہ شاید جعلی تحریر بنا لئے ہوں، "لأن الخط يشبه الخط، اھ" (۲)۔ غرض بکر کا زبانی پیغام نہ ماننا اور تحریر کی ماننے کے لئے آمادہ ہونا بے دلیل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

"الأمة أمية" کی تحقیق اور رؤیت ہلال کے بارے میں اصحاب توقیت کا قول

سوال [۴۷۹۱]: ... زید کہتا ہے کہ اہل عرب ستاروں کی چال سے ناواقف تھے، اس لئے رسول

(۱) "ولا يحظروا الوجود ممن يميز هذا حقيقة لا ظنا، وعلى من لم يميز أن يرجع لمن يميز لبراءة ذمته". (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "وعبر بعلى المفيدة للوجوب للأمر به في قوله تعالى: ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾". (رد المحتار، مقدمة: ١/٧٤، سعيد)

"إما أن يكون المفتي ليس له معرفة بقواعد الفقه وأصولها، أو يكون عالماً متبحراً عارفاً بالقواعد والأصول، فالأول لا يفتي في هذه الحادثة بل يقول: لا أدري، ويحول المستفتي إلى مفت آخر ...... وإن كان المفتي له معرفة بالأصول والقواعد ونظر في أدلة القرآن والسنة بحيث جعله أهلاً للاجتهاد في المسائل، فإنه يجوز له أن يفتي في تلك الحادثة بقياسها على نظيرها المذكورة في كتب المذهب أو من القواعد والضوابط المحررة فيه: أي في المذهب اهـ". (أصول الإفتاء، الإفتاء في النوازل، ص: ٧٤، ٧٦)

(٢) (تبيين الحقائق: ٥/١٦٠، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ٣/٢٩١، كتاب الشهادات، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو رآه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ رؤیت ہلال سے مہینوں کی ابتداء مانی جائے، چنانچہ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: "نحن أمة أمية لا نكتب ولا نحسب، الشهر هكذا وهكذا" يعني مرة تسعة وعشرين، ومرة ثلاثين". بخاری شریف، کتاب الصوم (۱)۔

اب زید کہتا ہے کہ اس زمانہ میں جو لوگ مہینوں کی ابتداء کو رؤیت ہلال پر موقوف رکھتے ہیں، وہ در اصل رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کے منشاء اور غایت وغرض سے ناواقف و بے خبر ہیں، چونکہ اس زمانہ میں بہت سے لوگ ستاروں کی چال سے اور ان کے حساب سے خوب واقف ہیں، لہٰذا زید کا یہ قول مذکور آپ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟

۲..... "أمة أمية" کے کیا معنی ہیں، ان پڑھ یا جاہل یا کچھ اور؟

۳..... "أمة أمية" سے کون لوگ مراد ہیں؟

۴..... اہل عرب کیا جاہل تھے اور ان میں کوئی پڑھا لکھا نہیں تھا؟ اور ان میں کچھ لوگ پڑھے لکھے لوگ بھی تھے تو "أمة أمية" سے اہل عرب مراد لینا صحیح ہوگا یا نہیں؟

۵..... بقول زید اگر اگلے زمانہ کے عرب ستاروں کی چال کے حساب سے واقف نہ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا حساب اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر ان کو کیوں نہیں تعلیم فرمائی؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانے کے عرب کوتاہ عقل تھے تو العیاذ باللہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجتہادی مسائل سب ناقابل اعتبار ہو جائیں گے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... "ولا عبرة بقول الموقتين ولو عدولاً على المذهب، الخ". درمختار۔ "أي في وجوب الصوم على الناس، بل في المعراج: لا يعتبر قولهم بالإجماع، ولا يجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه. وفي النهر: فلا يلزم بقول الموقتين أنه: أي الهلال يكون في السماء ليلة

---

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "لا نكتب ولا نحسب"، ۲۵۶/۱، قديمي)

الكتاب وأكثرهم كانوا يعرفون الحساب، قلت: إن أكثرهم أميون، والحساب حساب النجوم، وهو لا يعرفونه، فتح". مجمع بحار الأنوار: ۱/۹۹ (۱)۔

۴.....ان میں پڑھے لکھے بھی تھے اسی وجہ سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی کو لکھوایا کرتے تھے، خط وکتابت بھی کرتے تھے، مدینہ میں بھی دو حضرات لکھا کرتے تھے مگر اس کا عمومی رواج نہیں تھا (۲)۔

۵.....اس کا جواب نمبر ا میں آگیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۳/۸۹ھ۔

رؤیت ہلال، عدل، جماعت، اعلانِ قاضی اور قبول شہادت کی صورتیں

سوال[۴۷۹۸]: ۱..... جب کہ مطلع صاف ہو تو ایسی صورت میں عیدین کے ہلال کے لئے جم

---

(۱) (مجمع بحار الأنوار، باب الهمزة مع الميم: ۱/۱۰۴، دار الإيمان مدينة المنورة)

(۲) "وفي حديث كعب بن مالك الذي رواه الإمام مسلم تصريح بأنه كان كاتباً، حيث قال: "إذا بنبطيٌّ من نبط أهل الشام ممن قدم بالطعام يبيعه بالمدينة يقول: من يدلّ على كعب بن مالك؟ قال فطفق الناس يشيرون له إليّ حتى جاءني فدفع إليّ كتاباً من ملك غسان وكنت كاتباً فقرأته" (الصحيح لمسلم، كتاب التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك: ۲/۳۶۴، قديمي)

"أبو بكر، وعمر، وعثمان، وعلي، والزبير، وعامر بن فهيرة، وعمرو بن العاص، وأبي بن كعب، وعبد الله بن الأرقم، وثابت بن قيس بن شماس، وحنظلة بن الربيع الأسيدي، والمغيرة بن شعبة، وعبد الله بن رواحة، وخالد بن الوليد، وخالد بن سعيد بن العاص. وقيل: إنه أول من كتب له معاوية بن أبي سفيان، وزيد بن ثابت، وكان ألزمهم لهذا الشأن وأخصهم" (زاد المعاد، فصل في كتابه صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۳۵، دار الفكر بيروت)

"قيل: إنما سمّوا أميين؛ لأنهم كانوا لايكتبون ولا يقرأون الكتابة، وأراد الأكثر الأعم وإن كان فيهم القليل ممن يكتب ويقرأ، الخ" (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۱۹۳، قديمي)

"أكثرهم لايكتبون ولا يقرأون" (روح المعاني: ۹۳/۳۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المرقاة شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصوم: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في تفسير أبي السعود: ۵/۲۲۷، مكتبة الرياض)

کثیر کی شہادت لی جائے گی یا دو چار مخصوص کی؟

۲... اگر دو چار مخصوصوں کی شہادت لی جاسکتی ہے تو ان کا عادل وثقہ ہونا ضروری ہے۔ جس طرح کے لوگ میسر آویں ان کی شہادت قابل قبول ہوگی؟

۳... عدل وثقاہت کی تعریف اور اس کے معنی کیا ہیں؟ عادل وثقہ کے الفاظ جو کتب احادیث وفقہ میں بکثرت آئے ہیں، ان سے کیسے لوگ مراد ہیں؟

۴... موجودہ زمانہ میں عادل وثقہ لوگ بآسانی مل سکتے ہیں یا نہیں؟

۵... شریعت نے جن لوگوں کو عادل کہا ہے، اگر وہ نہ ملیں تو کیا غیر عادل وغیر ثقہ کی گواہی رؤیت ہلال کے باب میں جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو عید اور رمضان دونوں کے لئے یا کسی ایک کے لئے؟

۶... (الف) جمع کثیر سے کم از کم کتنے لوگ مراد ہیں؟

(ب) اگر دو تین بستیوں سے ایک ایک آدمی رؤیت ہلال کی گواہی دیں تو ایسی صورت میں جمع کثیر کا اطلاق ان پر ہوگا یا نہیں؟ اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں صرف ان کی گواہی کافی ہے یا نہیں؟

۷... کیا ایسی صورت میں (جب کہ دروغ گو، مفتری اور منافق لوگوں کی موجودہ زمانہ میں کثرت ہے اور کل ایمان اور بے ایمان میں تفاوت مشکل ہے) شریعت نے قاضی کو اختیار دیا ہے کہ وہ بغیر دریافت اور تحقیق حال جس کو چاہے عادل وثقہ سمجھے اور مطلع صاف ہونے کی حالت میں بھی اس پر اور اس کی شہادت پر اعتماد کرتے ہوئے ۲۹/ کی رؤیت ہلال کا اعلان کردے؟

۸... اگر کسی قصبہ یا شہر کے باشندوں نے ۲۹/ تاریخ کو چاند دیکھا اور دوسری بستی کے لوگوں نے ۲۹/ کو چاند نہیں دیکھا اور قاضی نے ۳۰/ کے چاند کا اعلان کیا تو ایسی صورت میں جنہوں نے ۲۹/ کو چاند دیکھا ہے، عیدین کی نماز اپنی رؤیت کے اعتبار سے پڑھیں یا قاضی کے حکم کے مطابق ۳۰/ کے حساب سے نماز ادا کریں؟

۹... (الف) اگر مطلع بالکل صاف ہو اور رؤیت ہلال عید الضحیٰ کے لئے پورا پورا اہتمام کرنے کے باوجود نزدیک کہیں بھی کسی شخص نے ۲۹/ کا چاند نہیں دیکھا، مگر قاضی نے بعض لوگوں کے کہنے پر ۵،۱/ تاریخ کو ۲۹/ کی رؤیت ہلال کا اعلان کیا اور لوگوں نے اس کے مطابق ۱۰/ ذی الحجہ کو نماز وقربانی ادا کیا تو ایسی صورت میں فریضہ صلوٰۃ واضحیہ ادا ہو جاویں گے یا نہیں؟

(ب) اور اگر بعد کو بالتحقیق معلوم ہو کہ چاند ۳۰/ کا ہوا تو ۲۹/ کے حساب سے صلوٰۃ الاضحیٰ کرنے والوں کے صلوٰۃ الاضحیٰ کا شرعاً کیا حکم ہوگا؟

(ج) اور اعلانِ قاضی کا لحاظ نہ کرکے ۳۰/ کے چاند کے مطابق صلوٰۃ الاضحیٰ ادا کرنے پر کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اظہار ہاشمی، ضلع پٹنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.... جمع کثیر کی تفسیر: "قبل بلا علة جمع عظیم یقع العلم الشرعی وهو غلبة الظن بخبرهم". درمختار. "(قوله: قبل بلا علة) أي: إن شرط القبول عند عدم علة في السماء لهلال الصوم أو الفطر أو غيرهما كما في الإمداد اهـ". رد المحتار: ۲/۳۸۷(۱)۔

۲.... عادل ثقہ ہونا ضروری ہے: "لا یقبل خبر فاسق اتفاقاً". درمختار(۲)۔

۳.... "العدل في اصطلاح الفقهاء: من اجتنب الكبائر، ولم يصر على الصغائر، وغلب صوابه، واجتنب الأفعال الخسيسة كالأكل في الطريق والبول اهـ". تعريفات الجرجاني، ص: ۱۰۹(۳)۔

---

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۸۷، ۳۸۸، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۸، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۶، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۳۸۵، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۷، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(۳) (كتاب التعريفات للجرجاني، ص: ۱۰۹، باب العين، مير محمد كتب خانه كراچي)

(وكذا في رد المحتار: ۲/۳۸۵، بحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(وكذا في القاموس الفقهي، ص: ۲۴۰، حرف العين، إدارة القرآن كراچي)

۴ ..... "الثقة هي التي يعتمد عليها في الأقوال والأفعال" اهـ. کتاب التعریفات للجرجانی، ص: ۴۹(۱)۔

۵ ... غیر عادل اگر مستور الحال ہو تو اس کی گواہی (موقع خبر واحد میں) مقبول ومعتبر ہے، اگر ظاہر الفسق ہو تو معتبر نہیں: "وقول الطحطاوي: "أو غير عدل" محمول على المستور كما هو رواية الحسن، لأن المراد بالعدل من ثبت عدالته، ولا ثبوت في المستور، أما متبين الفسق فلا قائل له به عندنا" اهـ. شامی: ۲/ ۱٤٥(۲) رمضان وعیدین سب کا یہی حکم ہے۔

۶ ....(الف) مذہب یہ ہے کہ اس میں کوئی عدد متعین نہیں، بلکہ رائے امام پر محمول ہے: "وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب". در مختار(۳)۔

(ب) اس کا جواب "الف" سے ظاہر ہوتا ہے۔

۷ .. بس اتنا اختیار ہے کہ زیادہ تنقیح وکاوش کرے(۴)، بلکہ ظاہر عدالت یا ستر حال پر اکتفا کرے، فاسق کو عادل قرار دینا درست نہیں جیسا کہ جواب نمبر: ۵ میں گزرا، لیکن اگر قرائن سے صدق معلوم ہو تو اس کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے(۵)۔

---

(۱) (کتاب التعریفات للجرجانی، ص: ۵۳، میر محمد کتب خانہ)

(۲) (رد المحتار: ۲/ ۳۸۵، کتاب الصوم، بحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/ ۳۲۲، ۳۲۳، فصل في رؤية الهلال، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) (الدر المختار: ۲/ ۳۸۸، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۲۳۹، كتاب الصوم، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۴) "تنقیح: کاوش، تحقیق"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۸۹، الفلاح، فیروز سنز، لاہور)

(۵) "والشرط هو العدالة الظاهرية عند أبي حنيفة رحمه الله، وأما الحقيقية وهي الثابتة بالسؤال عن حال الشهود بالتعديل والتزكية ليست بشرط". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/ ۴۵۰، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها، رشيديه)

=

۸... اگر یہ قصبہ یا شہر جس میں ۲۹/ کی رؤیت عامہ ہے اس دوسری جگہ (جس میں قاضی نے ۳۰/ کا اعلان کیا ہے) کے تابع نہیں بلکہ مستقل ہے تو یہاں کے لوگوں کے ذمہ قاضی کے اعلان کی پابندی لازم نہیں (۱)۔

۹... (الف) اگر شہادتِ شرعیہ پر قاضی نے اعلان کیا ہے تو نماز وقربانی سب صحیح ہوگی۔

(ب) سب درست ہوگی، کسی کا اعادہ واجب نہیں، کیونکہ یہ اختلافِ مطالع پر مبنی ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ رؤیت ہوئی ہو، دوسری جگہ نہ ہوئی ہو، اور مسئلہ اضحیہ اور صلوٰۃ میں اختلافِ مطالع معتبر ہے، کما فی ردالمحتار: ۲/ ۱۵٤، ذیل مفسدات الصوم (۲)۔

(ج) جو لوگ اس قاضی کے ماتحت ہیں اور قاضی نے شرعی شہادت سے اعلان کیا ہے تو ان کے ذمہ اس پر عمل واجب ہے، اس کے خلاف کرنے سے گنہگار رہوں گے (۳) اور جو قربانی ایامِ اضحیہ کے بعد کی ہے وہ

= (وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ٥/ ٣٩٦، ٣٩٧، كتاب الشهادات، سعيد)

"وإذا أخبر رجلان في هلال شوال في السواد، والسماء متغيمة، وليس فيه وال ولا قاض، فلا بأس للناس أن يفطروا، كذا في الزاهدي". (الفتاوى العالمكيرية: ١/ ١٩٨، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيدية)

(۱) "اگر بذریعہ ریڈیو وغیرہ کسی مستند علمائے حق یا شرعاً معتبر ہلال کمیٹی وغیرہ کی خبر (متعلق فیصلہ ثبوت ہلال عیدین بطریق شہادات شرعیہ) نشر کی گئی تو یہ فیصلہ کرنے والے کی حدودِ ولایت تک معتبر ہے، حدودِ ولایت سے خارج معتبر نہیں"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۲۲۱، ثبوتِ ہلال میں ریڈیو کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۲) "يفهم من كلامهم في كتاب الحج أن اختلاف المطالع فيه معتبر، فلا يلزمهم شيء لو ظهر أنه رؤي في بلدة أخرى قبلهم بيوم، وهل يقال كذلك في حق الأضحية لغير الحاج؟ لم أره، والظاهر أنها كأوقات الصلاة يلزم كل قوم العمل بما عندهم، فتجزئ الأضحية في اليوم الثالث عشر، وإن كان على رؤيا غيرهم هو الرابع عشر". (رد المحتار: ٢/ ٣٩٣، ٣٩٤، كتاب الصوم، سعيد)

(۳) "أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع، وإلا فلا". (الدر المختار). "أي يتبع ولا تجوز مخالفته ... أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب". (رد المحتار: ٥/ ٤٢٢، مطلب: طاعة الإمام واجبة، سعيد)

کیا پہاڑ کا سامنے ہونا مانع رؤیتِ ہلال ہے؟

سوال [۴۸۰۰]: رؤیتِ ہلال کے متعلق حیلولة الجبال علة في السماء کا حکم رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رؤیتِ ہلال کے متعلق احکام مختلف ہیں، شعبان، رمضان، عیدین میں اختلاف کثیر ہے، حیلولة الجبل وغیرہ کو بعض احکام میں اختلافِ مطالع کے ماتحت ذکر کیا گیا ہے:

"وحكي عن أبي عبد الله بن أبي موسى الضرير أنه استفتي في أهل الإسكندرية أن الشمس تغرب بها، ومن على منارتها يرى الشمس بعد ذلك بزمان كثير؟ فقال: يحل لأهل البلد الفطر، ولا يحل لمن على رأس المنارة إذا كان يرى غروب الشمس؛ لأن مغرب الشمس يختلف كما يختلف مطلعها، فيعتبر في أهل كل موضع مغربه اهـ". بدائع: ۲/۸۳(۱)۔

"وأما إذا جاء من مكان آخر خارج المصر فإنه تقبل شهادته إذا كان عدلاً ثقة؛ لأنه يتيقن في الرؤية في الصحاري ما لا يتيقن في الأمصار لما فيها من كثرة الغبار. وكذا إذا كان

= سے کسی ایک خطہ میں ۲۹/تاریخ کو کبھی چاند نظر آتا ہو جہاں کا مطلع ہمیشہ صاف ہی رہتا ہو تو وہاں ۲۹/تاریخ کا تعین کس طرح کریں گے پھر اس اعلان شرعی پر عمل کس طرح ممکن ہوگا؟

اس کا حل یہ ہے کہ ۲۹/شعبان یا ۲۹/رمضان کو جس ملک کے ریڈیو سے مذکورہ بالا شرعی اصول وضوابط کے مطابق اعلان ہوتا ہو اس ملک کے ریڈیو سے اعلان کی تلاش ہر ماہ میں جاری رکھیں اور جس تاریخ کو وہ اعلان کریں وہی تاریخ اپنے یہاں متعین رکھیں تو ۲۹/شعبان خود بخود متعین ہوتی رہے گی اور عمل کرنا آسانی سے ہوتا رہے گا۔ ۲۹/شعبان کو شرعی ضابطہ کے مطابق چاند ہو جانے کا اعلان ہو جائے تو روزہ رکھنا شروع کردیں ورنہ ۳۰/دن پورے کر کے روزے رکھنا شروع کریں۔ پھر ۳۰/رمضان کو اگر چاند ہونے کا اعلان شرعی مذکورہ ضابطہ کے مطابق آجائے تو عید منالیں"۔ (نظام الفتاویٰ، کتاب الصوم، عنوان: محض سائنسی یا حسابی تخمینے کی بنیاد پر رؤیتِ ہلال کا حکم لگانا درست نہیں: ۱/۱۳۱، اسلامیہ رحمانیہ لاہور)

"وفيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، كما مر". (الدر المختار، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده: ۲/۳۹۳، سعيد)

(۱) (بدائع الصنائع: ۲/۲۲۵، كتاب الصوم، اختلاف المطالع، دار الكتب العلمية بيروت)

فی المصر فی موضع مرتفع". البحر الرائق: ۲/۲۶۹(۱)۔

"وذكر الطحاوي أنه تقبل شهادة الواحد إذا جاء من خارج المصر، وكذا إذا كان على مكان مرتفع". كذا في الهداية(۲)۔

"وعلى قول الطحاوي اعتمد الإمام المرغيناني وصاحب الأقضية والفتاوى الصغرى، لكن في ظاهر الرواية لا فرق بين خارج المصر والمصر، كذا في معراج الدراية". فتاوی عالمگیری: ۱/۱۹۶(۳)۔

علت فی السماء کے وقت ہلال رمضان واحد عدل کی خبر سے ثابت ہوجاتا ہے اور ہلال عید عدلین حرین کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے(۴)۔ جن حضرات کے نزدیک اختلاف مطالع معتبر نہیں ان کے نزدیک ایک جگہ کا ثبوت سب جگہ کے لئے کافی ہے، لہٰذا اگر پہاڑ کے اوپر کسی ایسی جگہ مطلع صاف ہو ثبوت ہلال ہوجائے تو دامن کوہ میں رہنے والوں کے لئے بھی ثبوت کا حکم دیا جائے گا۔

اور جن مشائخ کے نزدیک اختلاف مطالع معتبر ہے جیسے صاحب تجرید وغیرہ(۵) ان کے نزدیک ثبوت نہ ہوگا، زیلعی نے اس کو اشبہ کہا ہے(۶) اور اول ظاہر الروایۃ ہے، شیخ ابن ہمام نے اس کو احوط کہا ہے

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۷۰، کتاب الصوم، رشیدیہ)

(۲) (الهداية: ۱/۲۱۹، كتاب الصوم، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۶، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(۴) "إن كان بالسماء علة، فشهادة الواحد على هلال رمضان مقبولة إذا كان عدلاً مسلماً عاقلاً بالغاً، حراً كان أو عبداً (إلى قوله في الفطر) وإن كان بالسماء علة لاتقبل إلا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۷، ۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۱۹۶، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۸۵، ۳۸۶، كتاب الصوم، سعيد)

(۵) "ومختار صاحب التجريد وغيره من المشائخ اعتبار اختلاف المطالع". (فتح القدير: ۲/۳۱۴، كتاب الصوم، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۶) "والأشبه أن يعتبر (اختلاف المطالع)؛ لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم، وانفصال الهلال عن =

اور خلاصہ میں ہے: "ظاهر المذهب، وعليه الفتوى" (۱) فتح: ۲/۵۳ (۲) وبحر: ۲/۲۷۰ (۳)۔ فقط
واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۱/۱۱/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ ذی قعدہ/۵۲ھ۔

اٹھائیس رمضان کو چاند کی شہادت

سوال [۲۸۰۱]: ایک گاؤں میں دس آدمیوں نے گواہی دی ہے کہ ہم نے مورخہ ۲۸/ رمضان المبارک/ ۷۵ھ شام کو چاند بچشم خود دیکھا ہے، لوگوں کے روزے چھڑوائے اور جو آدمی چاند دیکھنے والے ہیں، ان میں پانچ بالغ اور پانچ نابالغ، ایک چمار، باقی تو مسلم ہیں، گاتے بجاتے ہیں، نیز تین چار بے نمازی مسلمان ہیں، چاند دیکھنے والوں کا کیا حکم ہے اور مفطرین کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہینہ ۲۹/ روز کا ہوتا ہے یا تیس روز کا، اٹھائیس کا نہیں ہوتا، وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، جب نمازی نہیں تو وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہیں، فاسق ہیں، ان کی شہادت ہرگز مقبول نہیں:

"وقبل بلا دعوى، وبلا لفظ "أشهد" للصوم مع علة كغيم خبرُ عدل أو مستور على ما صححه البزازي على خلاف ظاهر الرواية، لا فاسق اتفاقاً بين أهل المذهب، وما نسب للأكمل إلى الطحاوي من أن شهادة الفاسق في هلال رمضان تقبل فهي نسبة غير صحيحة، كما أوضحه صاحب النهر، وفي البحر: قول الفاسق في الديانات التي يمكن تلقيها من العدول

---

* شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار". (تبيين الحقائق: ۲/۱۶۵، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) (خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل الأول في الشهادة على هلال رمضان وما يتعلق به: ۱/۲۴۹، امجد اكيدمي، لاهور)

(۲) "والأخذ بظاهر الرواية أحوط". (فتح القدير: ۲/۳۱۴، كتاب الصوم، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) (البحر الرائق: ۲/۲۷۰، كتاب الصوم، رشيديه)

چاند کے یقین تار ٹیلیفون پر اعتماد کر کے کہ انتیس پر چاند ہوا اور آج عید کا دن ہے، عید کے روز روزہ رکھنا حرام ہے، پھر ایک دو روز کے بعد تحقیقی طور پر ثابت ہو گیا کہ انتیس تاریخ کو چاند ہوا ہے۔ اب ان لوگوں کا روزہ توڑنا بحکم شرع شریعت صحیح ہے یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی کفارہ بھی ہے یا صرف قضاء ہے، ہر ایک فریق کا حکم بالدلیل تحریر فرمائیں بحوالہ کتب معتبرہ کے تعین صفحات۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تار اور ٹیلیفون کی خبر شرعی شہادت نہیں، لہذا اس پر روزہ توڑنا جائز نہیں ہے(۱)۔ قریب دوپہر کے چاند دیکھنا بھی روزہ توڑنے کے لئے ظاہر مذہب کے موافق شرعی حجت نہیں، اس پر عمل کرتے ہوئے روزہ توڑنا بھی منع ہے:

"ورؤيته نهاراً قبل الزوال وبعده غير معتبر على ظاهر المذهب، وعليه أكثر المشايخ، وعليه الفتوى. بحر عن الخلاصة". در مختار. "ومعنى عدم اعتبارها أنه لا يثبت بها حكم من وجوب صوم أو فطر، فلهذا قال في الخانية: فلا يصام له ولا يفطر". رد المحتار: ١٤٨/٢(٢)۔

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خواہ چاند قبل الزوال دیکھا جاوے خواہ بعد الزوال، دونوں صورتوں میں اس دن کے حق میں یہ رؤیت معتبر نہ ہوگی، لہذا دونوں صورتوں میں روزہ توڑنا درست نہ ہوگا خواہ روزہ قبل الزوال توڑے خواہ بعد الزوال، ہر حال میں ممنوع ہوگا، یہی قول مختار اور مفتیٰ بہ ہے جو مسئلہ مصرحۃ فی

---

(١) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره، إذ النغمة تشبه النغمة".
(تبيين الحقائق: ٢١٢/٥، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية، بيروت)
(وكذا في مجمع الأنهر: ٢٨١/٣، كتاب الشهادات، فصل يشهد بكل ما سمعه أو رآه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)
(وكذا في المحيط البرهاني: ٥٨/٩، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة وحد أدائها والامتناع عن ذلك، غفارية كوئٹہ)
(٢) (رد المحتار على الدر المختار: ٣٩٢/٢، كتاب الصوم، مطلب في رؤية الهلال نهاراً، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق: ٤٧٣/٢، كتاب الصوم، رشيدية)
(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ٦٥٤، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمي)

ردالمحتار: ۲/۳۹۲ (۱)۔

صرف تار اور ٹیلیفون پر اعتماد کرکے روزہ توڑنا نہ خود جائز ہے، نہ کسی دوسرے مولوی صاحب وغیرہ کے کہنے سے جائز ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عید کے روز روزہ رکھنا حرام ہے، لیکن عید کا روز چاند دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے، یا رمضان شریف کے یقینی طور پر تیس دن گزرنے سے، یا شرعی شہادت مہیا ہوجانے سے (۲)۔ اور صورتِ مسئولہ میں چاند دیکھا نہیں ہے، رمضان شریف کے پورے تیس دن ہوئے نہیں، شرعی شہادت موجود نہیں، پھر عید کا روز ہونا کیسے ثابت ہوا؟! البتہ جس نے ناواقفیت کی بناء پر کسی مولوی صاحب کے کہنے سے روزہ توڑا ہے وہ گنہگار نہیں۔

جن لوگوں نے چاند دیکھ کر قبل الزوال توڑا ہے یا قبل الزوال دیکھ کر بعد الزوال توڑا ہے اس کے ذمہ کفارہ نہ ہونا ظاہر ہے، کیونکہ اس میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر چاند قبل الزوال دیکھا جاوے تو وہ شبِ گزشتہ کا ہوگا، لہٰذا یہ دن اس قول کے مطابق عید کا دن ہے، گو اس مسئلہ میں طرفین کے قول پر فتویٰ ہے، تاہم اختلاف کی وجہ سے شبہ پیدا ہوگیا اور شبہ کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا:

"(ورؤیته بالنهار لیلة الآتیة مطلقاً): أی سواء رؤی قبل الزوال أو بعده. (وقوله: علی المذهب): أی الذی هو قول أبی حنیفة ومحمد. قال فی البدائع: فلا یکون ذلک الیوم من رمضان عندهما. وقال أبو یوسف: إن کان بعد الزوال فکذلک، وإن کان قبله فهو للیلة الماضیة ویکون الیوم من رمضان. وعلی هذا الخلاف هلال شوال، فعندهما یکون للمستقبلة مطلقاً ویکون الیوم من رمضان، وعنده لو قبل الزوال یکون للماضیة ویکون الیوم یوم الفطر؛ لأنه لا یُری قبل الزوال عادةً إلا أن یکون للیلتین، فیجب فی هلال رمضان کون الیوم من

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۳۹۲، کتاب الصوم، مطلب فی رؤیة الهلال نهاراً، سعید)

(۲) "(یثبت رمضان برؤیة هلاله) لقوله صلی الله علیه وسلم: "صوموا لرؤیته، وأفطروا لرؤیته، فإن غم علیکم فأکملوا عدة شعبان ثلاثین" (أو بعد شعبان ثلاثین یوماً) . (وإذا کان بالسماء علة من غیم أو غبار ونحوه) قبل القاضی بمجلسه (خبر واحد عدل) (أو) خبر (مستور)". (مراقی الفلاح علی نور الإیضاح، ص: ۶۳۶، ۶۵۲، فصل فیما یثبت به الهلال، قدیمی)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۵۹، ۴۶۵، کتاب الصوم، رشیدیه)

رمضان، وفي هلال شوال كونه يوم الفطر، والأصل عندهما أنه لا تعتبر رؤيته نهاراً...... رد المحتار قولهما، اهـ". شامی: ۱۹۶/۲(۱)۔

چونکہ ان دونوں فریقوں نے قبل الزوال چاند دیکھا ہے، لہٰذا اگر یہ عادل ہیں اور شہادت دیں تو ان کا دیکھنا گویا کہ سب کا دیکھنا ہے اور ان کے حق میں شبہ پیدا ہوتا ہے، پس جس فریق نے بعد الزوال چاند دیکھ کر روزہ توڑا ہے تو درحقیقت اس نے بھی اسی چاند کو دیکھا ہے جس کو دو فریق نے قبل الزوال دیکھا ہے، کوئی نیا چاند نہیں دیکھا تو جو آخری دو فریق جنہوں نے چاند نہیں دیکھا نہ قبل الزوال نہ بعد الزوال، بلکہ کسی مولوی صاحب کے کہنے سے روزہ توڑا ہے یا صرف تار ٹیلیفون پر اعتبار کرکے توڑا ہے، سو ان دونوں کا حکم بھی وہی ہے جو پہلے ان تین فریق کا ہے، کیونکہ روزہ رکھنے اور افطار کرنے کے لئے ہر شخص کا چاند دیکھنا ضروری نہیں۔

اگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ ہوتا تو پہلے دو فریق کی رؤیت سب کے حق میں کافی ہوتی یعنی وہ دن سب کے حق میں عید کا دن ہوتا اور سب کو روزہ توڑنا واجب ہوتا، ہر ہر شخص کا چاند دیکھنا ضروری نہ تھا، لہٰذا ان دونوں فریق پر بھی کفارہ واجب نہ ہوگا، نیز بعد میں اس روز کا روزِ عید ہونا یقینی طور پر ثابت بھی ہو گیا:

"رأى مكلف هلال رمضان أو الفطر، ورُدّ قوله بدليل شرعي، صام مطلقاً وجوباً، وقيل: ندباً، فإن أفطر قضى فقط فيهما للشبهة" الدر". "علة لما تضمنه قوله: (فقط) من عدم لزوم الكفارة): أي إن القاضي لما رد قوله بدليل شرعي أورث شبهة، وهذه الكفارة تندرئ بالشبهات، هداية. ولا يخفى أن هذه علة لسقوط الكفارة في هلال رمضان، أما في هلال الفطر فلكونه يوم عيد عنده، كما في النهر وغيره، وكأنه تركه لظهوره (وكذا لو أفطر قبل الرد لشهادته) وكذا لو لم يشهد عند الإمام، فصام ثم أفطر كما في السراج. (والراجح عدم وجوب الكفارة، وصححه غير واحد؛ لأن ما رآه يحتمل أن يكون خيالاً، لا هلالاً) إنما يصلح تعليلاً لعدم الكفارة في هلال رمضان، أما في هلال شوال، فإنها لا تجب؛ لأنه يوم عيد عنده

(۱) (رد المحتار: ۳۹۲/۲، كتاب الصوم، مطلب في رؤية الهلال نهاراً، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۹۷/۱، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

على سبق ما تقدم". درمختار: ۲/۱۰۹ مکتبہ نعمانیہ، وشامی: ۲/۱۳۸ (۱)۔

دیکھئے اس صورت میں ایک شخص نے خود اپنی آنکھ سے رمضان شریف کا یا عید کا چاند دیکھ لیا، مگر قاضی نے اس کے قول کو فسق وغیرہ کی وجہ سے رد کر دیا اور پھر اس نے روزہ توڑ دیا (مگر ایسی حالت میں روزہ رکھنا چاہئے) تو اس کے ذمہ کفارہ واجب نہیں، اگر رمضان شریف کا چاند دیکھ کر ایسا کیا ہے تو اس نے ایسا روزہ توڑا ہے جو اس کے نزدیک رمضان کا روزہ ہے۔ اور اگر عید کا چاند دیکھ کر روزہ توڑا ہے تو قاضی اور تمام اہل شہر کے نزدیک وہ رمضان کا روزہ ہے اور اگر قاضی کے رد کرنے سے پہلے روزہ توڑا ہے، یا قاضی کے پاس شہادت ہی نہیں دی اور پھر روزہ رکھ کر توڑ دیا تب بھی راجح یہی ہے کہ کفارہ واجب نہیں، ہلال رمضان میں قاضی کے رد کرنے یا اتفاقاً اس کے ہلال نہ ہونے بلکہ خیال ہونے سے اور ہلال عید میں خود اس کے نزدیک یوم عید ہونے سے شبہ پیدا ہو گیا اور اتنا شبہ سقوط کفارہ کے لئے کافی ہے:

"قال في البحر: وإنما لم تجب الكفارة بإفطاره عمداً بعد أكله أو شربه أو جماعه ناسياً؛ لأنه ظن في موضع الاشتباه بالنظير وهو الأكل عمداً؛ لأن الأكل مضاد للصوم ساهياً أو عامداً، فأورث شبهة، وكذا فيه شبهة اختلاف العلماء، فإن مالكاً رحمه الله تعالى يقول بفساد صوم من أكل ناسياً، وأطلقه فشمل ما لو علم أنه لم يفطره بأن بلغه الحديث أو الفتوى أو لا، وهو قول أبي حنيفة، وهو الصحيح. وكذا لو ذرعه القيء وظن أنه يفطره، فأفطر فلا كفارة عليه، لوجود شبهة الاشتباه بالنظير، فإن القيء والاستقاء متشابهان؛ لأن مخرجهما من الفم، وكذا لو احتلم للتشابه في قضاء الشهوة، وإن علم أن ذلك لا يفطره فعليه الكفارة؛ لأنه لم توجد شبهة الاشتباه، ولا شبهة الاختلاف". ردالمحتار، ص: ۱۵۷ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار ورد المحتار: ۲/۳۸۴، ۳۸۵، كتاب الصوم، بحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۹۳، ۴۹۴، كتاب الصوم، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۳۲۱، ۳۲۲، كتاب الصوم، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (رد المحتار: ۲/۴۰۱، ۴۰۲، كتاب الصوم، مطلب في حكم الاستمناء بالكف، سعيد)

تیس رمضان کو چاند نظر نہیں آیا

سوال [۴۸۰۴]: شرعی شہادت کی بناء پر قاضیٔ شہر نے رؤیتِ ہلال کی تصدیق کردی اور اعلان بھی کردیا اور اس اعلان کے مطابق عوام وخواص نے روزے رکھنے بھی شروع کردیئے، تیس روزے پورے ہونے کے بعد جب تیس تاریخ کو چاند دیکھنے کی نوبت آئی تو مطلع بالکل صاف تھا، مگر اس کے باوجود چاند نظر نہیں آیا، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ صبح عید منائی جائے یا نہیں؟

حافظ محمد حمید اللہ، خطیب مسجد مالوی کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہلالِ رمضان کی رؤیت کے وقت مطلع صاف نہیں تھا، بلکہ ابر تھا اور قاضی کے پاس دو گواہوں نے اپنی رؤیت بیان کی جس پر قاضی نے ثبوتِ رمضان کا اعلان کردیا اور تیس روزے پورے ہونے پر مطلع صاف ہونے کے باوجود عید کا چاند نظر نہیں آیا اور لوگوں کی یہ اکتیسویں شب ہے تو عید نہ کی جائے بلکہ روزہ رکھا جائے، اگر ایک شخص کی خبر پر ثبوتِ رمضان کا اعلان کیا گیا تھا پھر تیس روزے ہوجانے پر مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہیں آیا تو اس شخص کو جس کی خبر پر رمضان کا اعلان ہوگیا تھا شرعی سزا دی جائے، کیونکہ اس نے ہلالِ رمضان کی خبر غلط دی تھی (رد المحتار: ۲/۳۹۱)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ہلالِ فطر کا ثبوت

سوال [۴۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ۲۹/ رمضان کو

---

(۱) "وبعد صوم ثلاثین بقول عدلین حل الفطر ولو صاموا بقول عدل حیث یجوز وغمّ هلال الفطر لایحل" (الدر المختار)

"قلت: وفي الفیض: الفتوی علی حل الفطر، ووافق المحقق ابن الهمام . لو قال قائل: إنه قبلهما في الصحو أي في هلال رمضان وتم العدد، لایفطر، وإن قبلهما في غیم أفطروا (قوله: لایحل): أي الفطر إذا لم یر الهلال، قال في الدرر: ویعزر ذلك الشاهد: أي لظهور كذبه".

(رد المحتار، كتاب الصوم، مبحث صوم یوم الشك: ۲/ ۳۹۰، ۳۹۱، سعید)

مجموعی طور پر شرعی شہادت کی نہیں، صرف پہلا نوجوان صرف ایک شخص چاند دیکھنے والا مستور الحال ایسا ہے کہ بعض احکام میں اس کا بیان شہادت کہلانے کا مستحق ہے مگر نصاب تام نہ ہونے کی بنا پر صرف اس کے بیان پر ثبوت ہلال کا حکم نہیں دیا جا سکتا (۱)۔ دوسرا نوجوان اولاً: داڑھی منڈا ہونے کی وجہ سے عادل نہیں، مستور الحال نہیں، مقبول الشہادۃ نہیں (۲)، ثانیاً: اس کو چاند کا یقین نہیں بلکہ لکیری دیکھی ہے۔ تیسرا شخص رافضی ہے جو مردود الشہادۃ ہے (۳)۔ چوتھے شخص مولوی نے خود چاند دیکھنا بیان نہیں کیا، بلکہ دیکھنے والوں کی توثیق کی ہے، اس لئے قاضی صاحب کا اعلان بیانات پر درست نہیں (۴)۔

عید پڑھنا درست نہیں، روزہ توڑنا درست نہیں، روزہ کی قضاء لازم ہے، جنہوں نے توڑ دیا ہے ان

---

(۱) "وإن كان بالسماء علة، لا تقبل إلا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين، ويشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۱۹۲، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۵۳۷، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(۲) "ولا تقبل شهادة الكافر والفاسق". (المحيط البرهاني: ۲/۵۳۷، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۷، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، سعيد)

(۳) "ولا تقبل شهادة من يظهر سب السلف الذين هم الصحابة والتابعون وأبو حنيفة وأصحابه رضي الله عنهم أجمعين". (الفتاوى العالمكيرية: ۳/۴۶۸، الفصل الثاني: من لا تقبل شهادته لفسقه، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۴۸۳، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه، سعيد)

(۴) "فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب" (الدر المختار) "كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه، لأنه حكاية". (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۹۳، كتاب الصوم، قبيل ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۹، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

اگر خشک پیخانہ نکالا تو روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ اگر فاسد ہوگیا تو کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خشک انگلی سے یہ کام لیا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۳ھ۔

عورت کے اندامِ نہانی میں انگلی ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۱۱]: اگر کسی شخص نے اپنی عورت کے اندامِ مخصوص میں خواہشاتِ نفسانی کی بناء پر رمضان کے روزہ میں انگلی ڈالی جس سے عورت کے اندامِ مخصوص سے خون جاری ہوگیا اور مرد کے اندامِ مخصوص سے صرف مذی کا اخراج ہوا تو اس صورت میں مرد کا روزہ ٹوٹا یا نہیں، عورت کو ٹوٹے روزے کے صرف قضا لازم آئے گی یا کفارہ بھی؟ جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص نے جماع نہیں کیا اور اس کی منی بھی خارج نہیں ہوئی، صرف مذی نکلی ہے تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹا(۲)۔ اور اگر جماع تو نہیں کیا لیکن بوجہ غیرہ لگانے سے انزال ہوگیا یعنی منی خارج ہوگئی تو اس سے روزہ ٹوٹ گیا لیکن کفارہ لازم نہیں ہوا، بلکہ صرف قضا لازم ہے(۳)۔ اور اگر جماع کیا ہے تو کفارہ بھی

---

(۱) "ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها، لا يفسد، وهو المختار، إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن، فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۴، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد، رشيدية)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۳۹۷، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۳۶۲، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(۲) "لأنه لو قبلها بشهوة فأنزل فسد صومه، لوجود معنى الجماع، بخلاف ما إذا لم ينزل حيث لا يفسد، لعدم المنافي صورة ومعنى". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد: ۲/۴۷۴، رشيدية)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۱۷، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، شركت علمية ملتان)

(۳) "أو أنزل بفخذ أو بطن أو عبث بالكف أو قبلة أو لمس لا كفارة عليه". (مراقي الفلاح—

لازم ہے خواہ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، هكذا في مراقي الفلاح (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ　　صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

کیا مقعد میں انگلی ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟

سوال [۴۸۱۲]: روزے کی حالت میں بغرض صفائی اگر کوئی تر انگلی مقعد میں داخل کرے تو اس سے روزے کے فساد کا حکم ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ثخن حقنہ تک تر انگلی پہونچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا:

"إذا دخل إصبعه مبلولة ...... في دبره أو استنجى فوصل الماء إلى داخل دبره أو فرجها الداخل بالمبالغة فيه، والحد الفاصل الذي يتعلق بالوصول إليه الفساد قدر المحقنة، وقلما يكون ذلك" اهـ. مراقي الفلاح، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء. (الطحطاوي، ص: ۳۰۸) (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۹ھ۔

= ص: ۶۶۶، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۴، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۲۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، إمداديه ملتان)

(۱) "إذا فعل الصائم شيئاً منها طائعاً متعمداً غير مضطر، لزمه القضاء والكفارة، وهي الجماع في أحد السبيلين ... وإن لم ينزل". (مراقي الفلاح، ص: ۶۶۳ - ۶۶۳، باب ما يفسد به الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء، قديمي)

(وكذا في الدر المختار، ۲/۴۰۹، ۴۱۰، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۵، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۶، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

حالتِ صوم میں شرمگاہ میں انگلی ڈالنا اور تقبیل

سوال[۲۸۱۲]: سحری کھانے کے بعد بیوی سے صحبت کرنا، شرمگاہ میں انگلی ڈالنا یا بوسہ لے لے، روزہ میں کیسا ہے؟ کیا یہ سب کرنے سے روزہ میں کوئی فرق آتا ہے یا قضاء واجب ہے یا کیا؟ جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صبح صادق سے پہلے تو ان چیزوں سے بلکہ صحبت سے بھی روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی، اس لئے کہ روزہ صرف سحری کھالینے سے شروع نہیں ہوتا، بلکہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے(۱)، اس لئے پہلے روزہ ہی نہیں۔ صبح صادق کے بعد اگر بیوی کی شرمگاہ میں انگلی داخل کی یا بیوی نے خود داخل کی، اگر وہ انگلی خشک ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا، اگر تر تھی تو فاسد ہوگیا، قضاء لازم ہوگی(۲)۔

بوسہ اگر اس طرح لیا کہ اس کی رال اس کے منہ میں چلی گئی تو روزہ فاسد ہوگیا اور کفارہ بھی لازم ہوگا(۳)، اگر بغیر

= (وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳۹۷/۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۰۲/۱، الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد، رشيديه)

(۱) "هو إمساك عن المفطرات حقيقة أو حكماً في وقت مخصوص، وهو اليوم" (الدر المختار). قال الشامي: "أي اليوم الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب" (رد المحتار: ۳۷۱/۲، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۹۴/۱، كتاب الصوم، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۳۱، ۶۳۲، كتاب الصوم، قديمي)

(۲) "أو أدخل إصبعه المبلولة فيه: أي دبره أو فرجها، ولو مبتلة فسد". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۳۹۷/۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۰۴/۱، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۷۷، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(۳) "ولو أكل ورق شجر إن كان مما يؤكل عادة، وجبت، وإلا وجب القضاء فقط. وكذا: لو خرج البزاق من فمه ثم ابتلعه، وكذا بزاق غيره؛ لأنه مما يعاف منه، ولو بزاق حبيبه أو صديقه وجبت؛ لأنه =

اس کے نیچے تو روزہ فاسد نہیں ہوا (۱)۔ جس کو جماع یا انزال کا اندیشہ ہو اس کو یہ سب نہیں کرنا چاہئے، جس کو اندیشہ نہ ہو اس کے لئے بوسہ لینے میں مضائقہ نہیں، مگر اس طرح نہ لے کہ روزہ فاسد ہو جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۹/۸۵ھ۔

روزہ کی حالت میں زوجہ کی تقبیل ومس

سوال [۴۸۰۴]: ... روزہ کی حالت میں زید نے اپنی زوجہ کو گود میں لیا، بوسے لئے، روزہ ٹوٹ گیا یا نہیں؟

لمس سے انزال ہونے پر فسادِ صوم

سوال [۴۸۰۵]: روزہ کی حالت میں زید نے اپنی بیوی سے دل لگی کی بات کی اور ہاتھ پکڑا کہ انزال ہو گیا، روزہ رہا یا ٹوٹ گیا، یا کوئی قضا ہوگی؟

ظفر محمد خان، موضع سری پوسٹ دراں ضلع کانپور۔

= بتلذذه ... كمس فإنه في أواخر الكنز فصار ملحقاً بما فيه صلاح البدن" (رد المحتار: ۲/۴۰۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مطلب جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

"ومنه ابتلاع بزاق زوجته أو بزاق صديقه لأنه يتلذذ به" (مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۳۶۷، ما يفسد الصوم ويجب به الكفارة، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۴، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيدية)

(۱) "ولو قبل امرأته لا يفسد صومه بمجرده إذا لم ينزل لعدم المنافي صورة ومعنى" (الهداية: ۱/۲۱۸، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، شركت علمية)

(۲) "ولا بأس بالقبلة إذا أمن على نفسه أي الجماع أو الإنزال، ويكره إذا لم يأمن؛ لأن عينه ليس بمفطر، وربما يصير فطراً بعاقبته، فإن أمن يعتبر عينه وأبيح له، وإن لم يأمن تعتبر عاقبته" (الهداية: ۱/۲۱۸، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، شركة علمية)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۱۷، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۲۰، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مكتبه امداديه ملتان)

کی بیوی پر قضا بھی لازم ہے اور کفارہ بھی لازم ہے۔ رد المحتار: ۲/۴۰۸(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۲ھ۔

روزہ میں انجکشن

سوال[۴۸۱۷]: میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ ایک معاملہ میں اپنی تسکین کرلوں اور آپ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاؤں، امید کہ آپ بذاتِ خود تکلیف و توجہ فرما کر جواب مرحمت فرمائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ ابھی دیوبند کے دار العلوم سے انگریزی میں ایک رسالہ رمضان المبارک شائع ہوا ہے، یہ رسالہ مہتمم جناب قاری محمد طیب صاحب کی جانب سے ہے، اس لئے اس کی بڑی اہمیت ہے، اس میں لکھا ہے کہ انجکشن لینے سے روزہ ٹوٹتا ہے، صرف دو استثناء کئے گئے ہیں:

۱- اگر زخم کر کے پلی (؟) پیٹ میں پہنچایا جائے۔

= المفتي، لظن أنه أفطر، فأكل عمداً، فلا كفارة للشبهة". (رد المحتار: ۲/۴۱۳، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، ص: ۲۷۶، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۶، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسده، النوع الثاني، وما يتصل بذلك مسائل، رشيديه)

(۱) "من جامع عمداً في أحد السبيلين، فعليه القضاء والكفارة، ولا يشترط الإنزال في المحلين، كذا في الهداية. وعلى المرأة مثل ما على الرجل إن كانت مطاوعة، وإن كانت مكرهة فعليها القضاء دون الكفارة". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۵، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، النوع الثاني ما يوجب القضاء والكفارة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فيما يفسد الصوم مع الكفارة: ۲/۲۵۳، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب الصوم، نوع آخر: ۴/۱۰۲، رشيديه)

ہیں؟ اور اگر یہ جائز ہیں تو ہر آدمی کھانا کھانے کے بجائے ۵۰۰ سی سی گلوکوز انجکشن لے لے، کہ کھانے کا مقصد حل ہو جائے گا اور پلا روزہ کا مقصد پورا کئے روزہ دار کہلائے گا۔

لہٰذا التماس ہے کہ آپ مندرجہ بالا امور پر میری تشفی فرمادیں، میں جناب والا کی اس عنایت وکرم فرمائی کا بہت ممنون ہوں گا۔ والسلام۔

خادم: قاضی محمد عدیل عباسی ایڈوکیٹ بستی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزے کی نقل کردہ تعریف: ''کھانے، پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا''(۱)۔ انجکشن سے - چاہے وہ ۵۰۰ سی سی کا ہو، یا اس سے کم زائد کا - اس تعریف میں خلل نہیں آتا۔

کھانا، پینا جو کہا ہے انجکشن کو کھانا پینا نہیں کہا جاتا، رگ کاٹ کر پانی عروق (رگوں) تک پہنچانے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے -یعنی رگوں کو تر اور سیراب کرنا- وہ فائدہ گو پورا تو نہیں لیکن کافی مقدار میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، اس میں غوطہ لگانے، ایر کنڈیشنڈ میں داخل ہونے، سرسبز وشاداب مقام پر پہنچ جانے سے بھی حاصل ہوتا ہے، مگر اور بدن پر تیل کی مالش سے بھی تیل اندر پہنچتا ہے اور رگوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (۲)۔ شدت گرمی کی وجہ سے کپڑا بھگو کر حالت صوم میں سر پر لپیٹنا حضرت نبی اکرم صلی

---

(۱) "أما تفسيره، فهو عبارة عن ترك الأكل والشرب والجماع من الصبح إلى غروب الشمس بنية التقرب من الأهل". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۴، كتاب الصوم، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۳/۵۲، كتاب الصوم، مكتبه حبيبيه كوئته)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۳۷۱، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "أو دهن أو اكتحل، وإن وجد طعمه في حلقه" (الدر المختار) "لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر". (رد المحتار: ۲/۳۹۵، ۳۹۶، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۸۰، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد الصوم، امداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے(۱)، ظاہر ہے کہ اس کا مقصد بھی رگوں کو ٹھنڈا کر کے تشنگی کی بے چینی ختم کرنا تھا جو بظاہر روزے کے مقصد کے خلاف ہے۔

یونانی اطباء بعض امراض کے علاج میں بھپارہ دیتے ہیں(۲) جس سے مسامات کھل کر دوا کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں اور اکثر مسامات سے ہی پسینہ کے راستہ امراض باہر آجاتے ہیں اور کبھی مادہ کشید کر کے بقی بنا کر بصورت اسہال یا پیشاب مادہ خارج کر دیا جاتا ہے۔ غرض کہ جو فائدے حلق کی راہ دوا جوف معدہ میں پہنچانے سے حاصل ہوتا ہے وہی بھپارہ دینے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ طریقہ علاج طب قدیم میں موجود ہے، جدید انکشاف نہیں۔

فقہاء و مجتہدین اس سے خوب واقف ہیں مگر اس کو مفسد صوم قرار نہیں دیا۔

آج اس سائنس کی ترقی کی وجہ سے اگر ڈاکٹر پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا یقین کیا جاتا ہے کہ رگوں کے ذریعہ پانی جسم میں پہنچانے سے پینے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور خون رگوں میں پہنچانے سے کھانے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور بعض مریضوں پر تجربہ اس کا مؤید بھی ہے تو آج سے چودہ سو سال پہلے صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ "سبحان اللہ، الحمد للہ" کھانے کا مقصد حاصل کرنے کے لئے مفید ہے اور جن شادی کرنے والوں کو اس کا تجربہ بھی ہے۔ یہ یقین اور عقیدہ بہت زیادہ قوی ہے۔ سائنس اور ڈاکٹروں کے یقین و عقیدہ سے کیا اس کو بھی مفسد صوم قرار دیا جائے گا، غیبت کو قرآن پاک نے اکل فرمایا ہے: ﴿أیحب أحدکم أن یأکل لحم أخیه﴾ . الآیة(۳) اور بعض کے متعلق تجربہ سے قے کرا کے مشاہدہ کرانا بھی حدیث

---

(۱) "أبوبكر بن عبدالرحمن قال: حدثني من رأى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في يوم صائف يصب على رأسه الماء من شدة الحر والعطش وهو صائم". (الموطا للإمام مالك، باب ماجاء في الصيام في السفر: ص: ۲۳۳، مير محمد كتب خانه)

(وسنن أبي داود، كتاب الصيام، باب الصائم يصب عليه الماء من العطش: ۱/۳۲۹، إمداديه ملتان)

(۲) "بھپارہ: جوش کی دوا، بھپارا دینا: کسی جوش کی ہوئی چیز سے سینکنا یا بھپ دینا"۔ (نور اللغات: ۱/۶۸۵، جنرل پبلشنگ، لاہور)

(۳) (الحجرات: ۱۲)

شریف میں مذکور ہے(۱)، کیا یہ بھی مفسدِ صوم ہے۔

بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں مشاہدۃً اکل وشرب ہے مگر مقصدِ اکل وشرب اس پر کچھ بھی مرتب نہیں ہوتا، پھر بھی وہ مفسدِ صوم ہے، مثلاً: کسی نے ایک تل کھالیا اس سے بھوک کچھ بھی دفع نہیں ہوتی مگر روزہ فاسد ہوگیا(۲) اور اگر بھول کر کھاپی لیا تو حقیقۃً اکل وشرب بھی پایا گیا اور مقصد بھی پورا ہوگیا، لیکن روزہ فاسد نہیں ہوا(۳)۔

بعض ایسی صورتیں بھی ہیں کہ جوف میں ایسی چیز داخل ہوگئی جو اکل وشرب کا فائدہ دینے کے بجائے وبال ومصیبت بن گئی، مگر روزہ فاسد ہوگیا، مثلاً: کسی روزے دار کو تیر مارا گیا اور لوہے کا حصہ اندر رہ گیا تو روزہ

---

(۱) "عن أنس أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أمر الناس أن يصوموا يوماً ولا يفطرن أحد حتی آذن له، فصام الناس، فلما أمسوا جعل الرجل يجيء إلی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فيقول: ظللت منذ اليوم صائماً فأذن لي فأفطر، فأذن له. ويجيء الرجل فيقول ذلك، فيأذن له حتی جاء رجل فقال: يا رسول الله إن امرأتين من أهلك ظلتا منذ اليوم صائمتين، فأذن لهما فليفطرا، فأعرض عنه، ثم أعاده، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ما صامتا وكيف صام من ظل يأكل من لحوم الناس؟ اذهب فمرهما إن كانتا صائمتين أن يستقيئا". ففعلتا فقاءت كل واحدة منهما علقة، فأتی النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فأخبره، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لو ماتتا وهما فيهما لأكلتهما النار". (تفسير ابن كثير: ۲۷۳/۴، سورة الحجرات، دار الفيحاء)

(۲) "إذا ابتلع سمسمة بين أسنانه، لا يفسد صومه؛ لأنه قليل. وإن ابتلع من الخارج يفسد". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۰۲/۱، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار علی تنوير الأبصار: ۴۱۵/۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۸۸/۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، رشيديه)

(۳) "إذا أكل الصائم أو شرب أو جامع ناسياً، لم يفطر، ولا فرق بين الفرض والنفل". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۰۲/۱، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۲۰۷/۱، الفصل الخامس فيما لا يفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۷۳/۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، رشيديه)

فاسد ہوگیا(۱)۔ سونے میں احتلام سے مقصدِ جماع حاصل ہوگیا مگر روزہ فاسد نہیں ہوا، محض دیکھ کر انزال ہوگیا روزہ فاسد نہیں ہوا(۲)۔

سفر میں عامۃً مشقت ہوتی ہے جس کی رعایت سے شریعت نے قصرِ نماز کا حکم دیا اور اجازتِ افطار دی اور دوسرے بعض احکام میں بھی تخفیف، سہولت اور رخصت دی، اور مسافرِ سفر تین یوم (تین منزل تقریباً اڑتالیس میل) مقرر کی(۳) لیکن اگر کوئی شخص تین دن کی مسافت تین گھنٹے میں طے کرے اور بہت راحت کے ساتھ کہ کسی قسم کی مشقت پیش نہ آئے تو کیا وہ نماز قصر نہیں کریگا یا اس کو رخصتِ افطار سے محروم کردیا جائیگا یا دوسرے احکام میں تخفیف کی سہولت ورخصت سے فائدہ نہیں حاصل کر سکیگا۔

اصل یہ ہے کہ قانون پر جس کی صورت شرعاً تجویز کردی گئی ہے اس طرح عمل کیا جائے اور اس پر حکم دیا جائے گا، اس کے خلاف اپنی دوسری صورت تجویز کرکے اپنے تجویز کردہ مقصدِ قانون کو پورا کیا گیا تو وہ شرعاً قانون پر عمل نہیں ہوگا اور جو صورت حدودِ قانون کے اندر جائز ہے اس کو مقصدِ قانون کے خلاف قرار دے کر

---

(۱) "أو طعن برمح فوصل إلی جوفه، وإن بقي في جوفه، كما لو ألقی حجر في الجائفة أو نفذ السهم من الجانب الآخر، ولو بقي النصل في جوفه فسد". (الدر المختار علی تنویر الأبصار: ۲/۳۹۷، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۸۷، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، رشیدیه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۶۹، الفصل الرابع فیما یفسد الصوم ومالایفسد، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "أو ادهن أو اكتحل أو احتجم أو قبل ولم ينزل، أو احتلم أو أنزل بنظر أو بفكر ... لم يفطر".

(الدر المختار علی تنویر الأبصار: ۲/۳۹۵، ۳۹۶، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وكذا في الفتاوی العالمكيرية: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فیما یفسد ومالایفسد، رشیدیه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۶۷، الفصل الرابع في مایفسد الصوم ومالایفسد، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط ... صلی الفرض الرباعي ركعتين". (الدر المختار: ۲/۱۲۱، ۱۲۳، باب صلوة المسافر، سعید)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲، كتاب الصلوة، صلوة المسافر، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۶۵، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر، شركت علمیه)

حدود جواز سے خارج نہیں کیا جائے گا۔ سرکاری قانون ہے کہ لفافہ پر ۲۵/ پیسے کا ٹکٹ لگایا جائے، اب اگر کوئی شخص ۲۵/ پیسے کا ٹکٹ نہیں لگاتا ہے، بلکہ ۲۵/ پیسے لفافہ پر چپکا دیتا ہے اس تخیل سے کہ مقصود قانون یہ ہے کہ ۲۵/ پیسے حکومت کے لئے خرچ کئے جائیں سو میں نے ۲۵/ پیسے خرچ کردیئے تو اس کا یہ قانون پر عمل نہیں ہوگا، بلکہ کہا جائے گا کہ اس نے قانون میں تحریف وترمیم کی ہے جس کا اس کو حق نہیں تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

روزہ میں انجکشن

سوال [۴۸۱۸]: بحالتِ صوم انجکشن لگوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

روزہ میں انجکشن

سوال [۴۸۱۹]: زید کو رمضان شریف میں انجکشن کی ضرورت ہے بوجہ بیماری بخار ہو یا مجبوراً اور کوئی صورت ہو تو انجکشن لگوایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور کوئی صورت جواز کی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر حدیث "الفطر مما دخل ولیس مما خرج" شرح وقایہ، صفحہ نمبر: ۱۹۷(۲) سے تعارض ہوگا کہ نہیں؟

محمد انوار الرحمن صاحب۔

---

(۱) "أو ادهن أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه". (الدر المختار) "لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل في ماء، فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر". (رد المحتار: ۳۹۶/۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۰۳/۱، الباب الرابع فيما يفسد وفيما لا يفسده، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲۱/۲، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه امداديه ملتان)

(۲) "وقد قال ابن عباس وابن مسعود وعلي رضي الله تعالى عنهم: إن الفطر مما دخل وليس مما خرج".

الجواب حامداً ومصلیاً:

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا (۱)۔ "المفطر مما دخل، ولیس مما خرج" اول: تو کلیہ نہیں، بلکہ خاص موقعہ کے متعلق ہے، کما یظہر بأدنی تأمل۔ دوسرے: حصر کے لئے نہیں (۲)۔ تیسرے: جو منفذ سے داخل ہو وہ مفطر صوم ہے: "والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ اهـ". شامی: ۲/۱۳۲ (۳)۔ چوتھے: مطلقاً داخل بھی مفطر صوم نہیں، بلکہ جوف معدہ میں جو داخل ہو وہ مفطر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

روزہ میں خوشبو کا حکم

سوال [۴۸۲۰]: ہومیو پیتھک میں ایک اصول معالجہ یہ بھی ہے کہ شکر کی سادہ گولیوں کی شیشی میں دوا کے دو تین قطرے ڈال کر رکھ دیتے ہیں، جب گولیاں خشک ہو جائیں تو انہیں مریض کو سونگھنے کی ہدایت کریں، اس طرح کہ ناک کے ایک راستہ کو بند کر کے دوسرا راستہ کھول دیں، ایک یا دو مرتبہ سونگھنا کافی ہوتا ہے۔ اس عمل سے روزہ فاسد ہوتا ہے کہ نہیں؟

حفیظ اللہ صاحب کھیری، تعلیم پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض کسی خوشبو یا بدبو کے بے اختیار ناک میں جانے یا قصداً سونگھنے سے۔ خواہ علاجاً ہو یا تشنیفاً۔ روزہ فاسد نہیں ہوتا، اگربتی، عطر، دوا سب کا ایک حکم ہے (۴)، البتہ اگربتی وغیرہ سلگا کر اس کا دھواں ناک میں پہنچایا

= أخرجه البيهقي وابن أبي شيبة وعبد الرزاق". (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية: ۱/۲۴۲، كتاب الصوم، باب موجب الإفساد، سعيد)

(۱) مر تخریجہ تحت عنوان: "روزہ میں انجکشن"۔

(۲) "وهو مخصوص بحديث الاستقاء، أو المطر فيه باعتبار أنه يعود شيء وإن قل حتى لا يحس به".

(البحر الرائق: ۲/۴۸۶، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، رشيدية)

(۳) (ردالمحتار: ۲/۳۹۵، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب: يكره السهر الخ، سعيد)

(۴) "وكذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه، لا يفسد صومه". (فتاوى قاضي خان: =

مفسد صوم ہے، کذا فی مراقی الفلاح والطحطاوی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

روزہ میں انجکشن اور پمپ سے منہ میں دوا لینا

سوال [۴۸۲۰]: فرض روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا اور سانس کے مریض کا پمپ کے ذریعہ منہ میں دوا لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (۲)، الا یہ کہ جوف معدہ میں دوا پہونچائی جائے (۳)۔ دوا منہ کے اندر جانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا اگرچہ پمپ سے پہونچائی جائے (۴) جبکہ اس میں کوئی اور

= /۲۰۸، الفصل الخامس فیما لا یفسد الصوم، رشیدیہ)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۶۶۰، باب ما لا یفسد الصوم، قدیمی)

(۱) "أو دخل حلقه دخان بلا صنعه لعدم قدرته على الامتناع عنه، فصار كبلل بقي في فمه بعد المضمضة لدخوله من الأنف إذا أطبق الفم. وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه من أدخل بصنعه دخاناً حلقه بأي صورة كان الإدخال، فسد صومه، سواء كان دخان عنبر أو عود أو غيرهما، حتى من تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتم دخانه ذاكراً لصومه، أفطر، لإمكان التحرز عن إدخال المفطر جوفه ودماغه" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۶۰، كتاب الصوم، باب في بيان ما لا يفسد الصوم، قديمي)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۳۹۵/۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۷۱۴/۳، كتاب الصوم، [illegible] ما يفسد الصوم وما لا يفسده، رشيديه)

(۲) (مر تخريجه تحت عنوان: "روزہ میں انجکشن")

(۳) "وفي دواء الجائفة والآمة أكثر المشايخ على أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ، لا لكونه رطباً أو يابساً". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۰۳/۱، الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسده، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۴۰۲/۲، ۴۰۳، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۷۲، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(۴) "أو دخل حلقه غبار ولو كان غبار دقيق من الطاحون، أو دخل حلقه ذباب، أو دخل أثر طعم الأدوية =

پہنچ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

ہومیوپیتھک دوائی کا سونگھنا

سوال[۴۸۲۲]: ہومیوپیتھک دوا کے سونگھنے سے مریض کو بالکل ایسا ہی اثر ہوتا ہے جتنا کہ دوا کے کھانے سے، خواہ دوا کی صرف ایک ہی گولی ہتھیلی میں لے کر کسی روزہ دار مریض کو سنگھائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۳ھ۔

روزہ میں چکنے ہاتھ سے مضمضہ و استنشاق

سوال[۴۸۲۳]: ایک شخص نے روزہ کی حالت میں اپنے ہاتھ پر سرسوں کے تیل کی مالش کی، پھر وضو کیا، ہاتھوں پر چکناہٹ کا اثر باقی تھا، ایسی ہی چکناہٹ سے انگلیوں سے ناک میں پانی لگایا اور ناک صاف کرکے وضو کرنے کے تھوڑی دیر بعد بھی محسوس ہوا کہ زبان پر بھی چکناہٹ کا اثر محسوس ہوتا تھا، نیز حلق کے اندر

= فيه فلا يفسد الصوم فيها". (مراقي الفلاح، ص: ۶۶۰، ۶۶۲، باب في بيان ما لا يفسد الصوم، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۳۹۵، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۳، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسده، رشيديه)

البتہ آج کل کے جو پمپ استعمال ہوتا ہے اس میں دوا کے اجزاء ہوتے ہیں، اور ان اجزاء کا معدہ میں پہنچنا یقینی ہوتا ہے لہٰذا اس کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

(۱) "فكذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه، لا يفسد الصوم". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية ۱/۲۰۸، الفصل الخامس فيما لا يفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۶۰، باب في بيان ما لا يفسد الصوم، قديمي)

بھی اور زبان پر بھی اب شبہ یہ ہوتا ہے کہ پیٹ کے اندر بھی چکناہٹ گئی ہے۔ اس کے علاوہ جب سر میں تیل لگاتا ہے تو حلق اور زبان پر بھی اثر معلوم ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں حلق بار بار اس پر چکناہٹ محسوس ہوتی ہے تو روزہ میں اس سے کیا خرابی اور فرق ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے روزہ میں فرق نہیں آتا ہے، بعض وقت چکناہٹ بہت تیز ہوتی ہے بغیر کلی وغیرہ کے بھی چکنے ہاتھ سے پانی داخل کئے ہوئے بھی کھنچ کر سانس کے اندر پہنچ کر سر اور حلق کو متاثر کر دیتی ہے اور جب کہ پانی حلق کے اندر داخل نہیں ہوا اور نہ دماغ تک پہنچا تو روزہ پر اثر کیوں پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۸۹ھ۔

روزہ میں اگربتی

سوال [۸۸۲۰]: رمضان شریف میں جمعہ کی نماز کے وقت مسجد میں ایک روزہ دار شخص نے کچھ اگر بتیاں اس مقصد سے سلگائیں کہ تمام مسجد میں خوشبو پہنچے، اگر بتیاں جلتی رہیں اور خوشبو پھیلتی رہی، نماز کے بعد کچھ لوگوں نے بھی خوشبو ہونے کی وجہ سے کہا کہ صاحب یہ خوشبو شخص مذکور نے جلائی ہوئی اگربتیوں کو قریب سے نہیں سونگھی اور نہ ان کے پاس ہو کر بیٹھا تھا، مسجد میں خوشبو پھیلی ہوئی تھی اس خوشبو کو دیا جانے سے سونگھا، ایسی حالت میں یہ روزہ دار اور نمازیوں کے روزے ٹوٹ گئے؟ اور جنہوں نے خوشبو کو سانس سے کر سونگھا تھا ان کے روزے کیا ٹوٹ گئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگربتی کا دھواں اگر قصداً سانس لے کر دماغ میں پہنچایا ہے تو روزہ فاسد ہو گیا، اگر دھواں دماغ میں نہیں پہنچا، صرف خوشبو سونگھی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا (۱)۔ روزہ کی حالت میں اگربتی نہ

(۱) "وكذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه، لا يفسد صومه" (الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۸، الفصل الخامس فيما لا يفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۳۶۰، باب ما لا يفسد الصوم، قديمي)

جائے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

روزہ میں اگربتی اور عطر سونگھنا

سوال [۴۸۲۵]: صائم - رمضان وغیر رمضان ہے- بحالت روزہ اگربتی یا لوبان کا دھواں سونگھے یا عطر تو روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عطر یا کسی بھی عطر کے سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا (۲)۔ اگربتی یا لوبان کا دھواں بالقصد حلق کے راستے سے اندر پہنچانے سے روزہ فوت جاتا ہے، صرح به الشامي وغيره في ردالمحتار وغيره من كتب الفقه:

"لو أدخل حلقه الدخان، أفطر أي دخان كان، اهـ". درمختار "أي بأي صورة كان الإدخال، حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكراً لصومه، أفطر، لإمكان التحرز عنه، وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس، ولا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسك، لوضوح الفرق بين

---

(۱) "أو دخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان ولو ذاكراً استحساناً، لعدم إمكان التحرز عنه، ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان، ولو عوداً أو عنبراً، لو ذاكراً لإمكان التحرز عنه، فليتنبه له كما بسطه الشرنبلالي". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۹۵، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۶۰، كتاب الصوم، قديمي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۷۱۱، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، رشيديه)

(۲) "وكذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه، لا يفسد صومه". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۸، الفصل الخامس فيما لا يفسد الصوم، رشيديه)

"لا يكره للصائم شم رائحة المسك والورد ونحوه مما لا يكون جوهراً متصلاً كالدخان".

(مراقي الفلاح، ص: ۶۵۴، باب في بيان ما لا يفسد الصوم، قديمي)

هو، تطيب ريح المسك وشبهه وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله، إمداد. وبه علم حكم شراب الدخان، اهـ". شامی: ۱/۱۳۳(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۸ھ۔

لوبان سونگھنے سے روزہ کا حکم

سوال [۴۸۲۲]: بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں لکھا ہے کہ روزہ کی حالت میں لوبان وغیرہ کی دھونی سلگا کر سونگھنے سے روزہ جاتا رہے گا(۲)۔ کیا یہ حکم لوبان ہی کے لئے ہے یا اگربتی وغیرہ ہر دھوئیں کے لئے ہے؟ بعض حضرات روزہ میں اگربتی جلا کر سونگھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ تو خوشبودار چیز ہے اور خوشبو سونگھنے سے روزہ نہیں جاتا۔ یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لوبان وغیرہ (کسی بھی) چیز کا دھواں خوشبو کے لئے سونگھ کر حلق یا دماغ میں پہونچایا جائے تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا(۳)، محض خوشبو (عطر) سونگھنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کذا فی الطحطاوی(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۷ھ۔

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۳۹۵، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ، سعید)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۶۶۰، باب فی بیان ما لا یفسد الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۳/۱۷۱۱، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ سوم ص: ۲۰۹، باب جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور جن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء یا کفارہ لازم آتا ہے ان کا بیان، دار الاشاعت کراچی)

(۳) "أو دخل حلقه دخان بلا صنعه، لعدم قدرته على الامتناع عنه. وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه من أدخل بصنعه دخاناً حلقه بأي صورة كان الإدخال، فسد صومه، سواء كان دخان عنبر أو عود أو غيرهما".

(مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۶۶۰، باب في بيان ما لا يفسد الصوم، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۳۹۵، باب ما يفسد الصوم، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۷۱۱، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، رشيديه)

(۴) "لا يكره للصائم شم رائحة المسك والورد ونحوه مما لا يكون جوهراً متصلاً كالدخان". (مراقي

نشہ آور منجن کا استعمال بحالتِ صوم

سوال [۴۸۲۷]: روزہ کی حالت میں ایک قسم کا منجن جو تمباکو اور پرانے گڑ سے تیار کیا جاتا ہے، استعمال کرتا ہے، جس کی اسے عادت پڑی ہوئی ہے، اس کے استعمال سے اس کو تسکین بھی ہوتی ہے، اس منجن میں نشہ بقدر تمباکو ہے۔ کیا ایسے منجن کا روزہ کی حالت میں استعمال جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے پورا پرہیز کرے، اکثر اس کا کچھ حصہ حلق کے اندر پہونچ جاتا ہے، نشہ کا ہونا مستقل وجہ منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۹۴ھ۔

جلق مفسدِ صوم ہے یا نہیں؟

سوال [۴۸۲۸]: جلق لگایا گیا اور منی کپڑے وغیرہ میں نہیں لگی تو اس صورت میں صرف اعضائے تناسل دھولینا کافی ہے یا غسل واجب ہے؟ اور مفسدِ صوم ہے یا نہیں؟

۔ الفلاح، ص: ۶۵۹، باب فی بیان ما لا یفسد الصوم، قدیمی)

"وكذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه، لا يفسد صومه". (فتاوى قاضي خان: ۱/۲۰۸، الفصل الخامس فيما لا يفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۵۵۶، الفصل الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد)

(۱) "أو ذاق شيئاً بفمه وإن كره، لم يفطر". (الدر المختار). "إن كره إلا لعذر كما يأتي". (رد المحتار: ۲/۴۰۲، كتاب الصوم، سعيد)

"وكره له ذوق شيء، وكذا مضغه بلا عذر. وكره مضغ علك أبيض ممضوغ ملتئم، وإلا يفطر". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۴۱۶، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۳، الفصل الرابع فيما يكره للصائم وما لا يكره، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۹، الباب الثالث فيما يكره للصائم وما لا يكره، رشيديه)

باب قضاء الصوم وکفارته وفديته

(روزے کی قضاء اور اس کے کفارہ اور فدیہ کا بیان)

رمضان میں جہراً کھانا کھانے کی سزا، روزہ کے ایام میں ہوٹل میں کھلانا

سوال [۴۹۳۱]: رمضان میں وہ لوگ جن پر روزہ فرض ہوتا ہے علانیہ طور پر روزہ داروں کے سامنے کھاتے پھرتے ہیں اور بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ کیا احترامِ رمضان کی شریعت نے کوئی حد مقرر کی ہے؟ کیا مریض اور مسافر کو شرعاً اجازت ہے کہ روزہ داروں کے سامنے کھائیں؟ رمضان میں ہوٹل میں کھانا روزہ داروں کے سامنے فروخت کیا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مریض اور مسافر کو عذرِ شرعی کی بناء پر (حائضہ نفساء کی طرح) روزہ داروں کے سامنے نہیں کھانا چاہئے، چھپ کر کھائیں۔ بلا عذرِ شرعی وہ صورت اختیار کرنا جو سوال میں درج ہے سخت جرم ہے، اس کی سزا بھی بہت سخت ہے، مگر سزا دینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں: "ولو أكل عمداً شهرة بلا عذر يقتل" اهـ". طحطاوی ص ۳۶۳(۱)۔

"ويجب الإمساك ... على من فسد صومه، وعلى حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع الفجر، وعلى صبي بلغ، وكافر أسلم، لحرمة الوقت بالقدر الممكن" اهـ. "وفي حالة تحقق الحيض والنفاس يحرم الإمساك، ولكن لا يجب الإمساك على المريض والمسافر، ولكن لا يأكلون جهراً بل سراً" اهـ. طحطاوی مختصراً، ص: ۳۷۰(۲)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۶۳، كتاب الصوم، باب ما يفسد به الصوم ...، قديمي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۷۰، كتاب الصوم، فصل يجب على الصحيح الإمساك، قديمي)

سزا کے لئے قدرتِ قاہرہ ضروری ہے جو کہ امیر المؤمنین کو حاصل ہوتی ہے(۱)۔

جن پر روزہ فرض ہے ان کو کھانا بوتل وغیرہ پیش کرنا بھی معصیت و تعاون علی الاثم ہے: قال تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ الآیۃ(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، [illegible]ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، [illegible]ھ۔

روزہ کی قضائے عمری

سوال[۴۸۴۰]: ایک شخص کے فرض روزے باقی ہیں، بالغ ہونے کے بعد بہت سے روزے متواتر اور بہت سے غیر متواتر روزے نہیں رکھے، تو روزے اور نمازیں کس طرح قضا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ اور نماز دونوں چیزیں بالغ ہونے سے فرض ہوتی ہیں، پس جب بالغ ہوا ہے اسی وقت سے حساب کرکے ہر روز کی چھ نمازیں (پانچ فرض نمازیں مع وتر) قضا کرے۔ اسی وقت سے ہر رمضان کے روزے رکھے اور روزے سے رمضان کی تعیین کرے، مثلاً پہلے رمضان کے روزے جو مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے اس کے روزے رکھتا ہوں، اس نیت سے ایک مہینہ کے روزے رکھے اور روزے کے بعد دوسرے رمضان کے اسی طرح رکھے، یا یہ نیت کرے کہ آخر کے رمضان کے روزے جو مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے وہ رکھتا ہوں، یہ حکم فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح(۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "ويشترط كونه مسلماً حراً ذكراً عاقلاً بالغاً قادراً" (الدر المختار). "(وقوله قادراً) أي على تنفيذ الأحكام وإنصاف المظلوم من الظالم، وسد الثغور، وحماية البيضة، وحفظ حدود الإسلام" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب شروط الإمامة الكبرى: ۱/۵۴۸، سعيد)

(۲) (المائدة: ۲)

(۳) "وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلاة، فإن أراد تسهيل الأمر عليه نوى أول ظهر عليه أدرك وقته ولم يصله ... وكذا الصوم إذا كان عليه من رمضانين إذا أراد قضائه بنفس هذا" –

روزوں کی قضائے عمری کا طریقہ

سوال [۵۰۸۶]: ایک شخص کے ذمہ فرض روزے باقی ہیں یعنی جب سے بالغ ہوا تھا روزے فرض نہیں رکھتا تھا، کئی سال متواتر نہیں رکھے، اب چھ سات سال بالغ ہونے کے بعد سے رکھنے لگا ہے تو ان فرض روزوں کے رکھنے کی کیا صورت ہوگی اور کتنے سال کی عمر کو فرض کرلیں اور فرض روزے اس پر رکھنے فرض ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ اور نماز دونوں چیزیں بالغ ہونے سے فرض ہوتی ہیں، لہٰذا جیسے بالغ ہوا ہے اسی وقت سے حساب کرکے ہر روز کی چھ نمازیں یعنی پانچ فرض نمازیں چھٹی وتر کی نماز قضا کرے اور اسی وقت سے ہر رمضان کے روزے رکھے اور روزہ میں رمضان کی تعیین کرے، پہلے رمضان کے روزے جو مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے اُن کے روزے رکھتا ہوں، اسی نیت سے ایک مہینہ کے روزے رکھے، اس کے بعد دوسرے رمضان کے اسی طرح رکھے۔ یا یہ نیت کرے کہ اخیر کے رمضان کے روزے جو مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے وہ رکھتا ہوں، هكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۵۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۵۶ھ۔

---

(۱) (مراقي الفلاح). قال الطحطاوي: "وأما إذا كان من رمضان واحد، فلا يحتاج إلى التعيين اتفاقاً" (حاشية الطحطاوي، ص: ۲۴۹، باب قضاء الفوائت، قديمي)

وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۷۶، باب قضاء الفوائت، سعيد)

(۱) "وإذا كثرت الفوائت، يحتاج لتعيين كل صلاة بعينها لتزاحم الفروض والأوقات، كقوله: أصلي ظهر الاثنين ثامن عشر جمادى الثانية سنة أربع وخمسين وألف، وهذا فيه كلفة، فإن أراد تسهيل الأمر عليه، نوى أول ظهر عليه أدرك وقته ولم يصله، فإذا نواه كذلك فيما يصليه يصير أولاً، فيصح بمثل ذلك، وهكذا ... أو آخره فيقول: أصلي آخر ظهر أدركه ولم أصله بعد، فإذا فعل كذلك فيما =

رمضان سمجھ کر یکم شوال کا روزہ رکھنا

سوال [۴۸۴۴] : یہ جو بہت سے لوگوں نے اتوار کے روزے توڑ دیئے ہیں یہ رکھے جائیں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ بعد میں ثابت ہوگیا کہ اتوار کو یکم شوال تھی تو ایسے روزوں کی قضاء لازم نہیں (۱) اگرچہ بلا تحقیق وتصدیق توڑنا منع تھا۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

رمضان سمجھ کر یکم شوال کا روزہ

سوال [۴۸۴۵] : رمضان المبارک کی انتیسویں شام میں مطلع صاف ہونے کے باوجود ہلال نظر نہ آیا اور شب کے ساڑھے نو بجے ریڈیو سے بھی یہ اطلاع دی گئی کہ رویت ہیں ہوئی اور بھارت کے دوسرے حصوں میں ہلال نظر نہ آیا۔ رمضان المبارک ۳۰/ کی صبح کو یہ خبر ملی کہ کشمیر میں عید منائی جارہی ہے تو یہاں کے بہت سارے روزہ داروں نے روزہ توڑ دیا اور بہت ساروں نے روزہ توڑا عید کی نماز دوسرے دن پڑھی گئی، براہ مہربانی اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔

= يلبه بمصير الحر ب لنظر لما قبله، فيحصل التعيين، وكذا الصوم الذي عليه من رمضانين إذا أراد الصيانة بفصل مثل هذا، الخ" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۴۴۶، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت، قديمي)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ۷۶/۲، ۷۷، باب قضاء الفوائت، سعيد)

(۱) "ولزم نفل شرع فيه قصداً أداءً وقضاءً، إلا في العيدين وأيام التشريق، فلا يلزم، لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي، الخ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۴۲۹/۲، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی افواہ پر بغیر تحقیق وتصدیق کے ۳۰/ رمضان کو روزہ توڑنا درست نہیں، لیکن اگر بعد میں تحقیق ہوجائے کہ وہ تاریخ ۳۰/ رمضان کی نہیں بلکہ یکم شوال تھی تو اس روزہ کی قضاء یا کفارہ کچھ لازم نہیں (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

ریڈیو کی خبر پر افطار کرنے سے قضاء کا حکم

سوال [۴۸۰۲]: ریڈیو کی خبر پر روزہ رکھنا یا توڑنا کیسا ہے؟ جن لوگوں نے ریڈیو کی خبر سن کر روزہ توڑا ان لوگوں پر صرف قضاء لازم ہے یا نہیں؟ یا کفارہ بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ریڈیو پر یہ خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا تو یہ کافی نہیں (۲)، البتہ اگر یہ اعلان آئے کہ فلاں جگہ قاضی شرعی یا حاکم مسلم یا رؤیتِ ہلال کمیٹی نے جس کے افراد باعلم ومتبع شریعت ہوں شرعی شہادت لے کر اعلان کردیا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان ہو سکتا ہے، ایسے مقامات پر معتبر مانا جائیگا کہ اس کے تسلیم کرنے

---

(۱) "ولزم نفل شرع فيه متعمداً أداءً وقضاءً، إلا في العيدين وأيام التشريق، فلا يلزمه لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي" الخ. (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۴۲۸، فصل في العوارض، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۶۹۱، فصل في العوارض، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۲۴۴، فصل في حكم من أفسد صومه، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولو سمع من وراء حجاب كثيف لا يشف من ورائه، لا يجوز له أن يشهد، ولو شهد وفسره للقاضي بأن قال: سمعته باع ولم أر شخصه حين تكلم لا يقبله؛ لأن النغمة تشبه النغمة، إلا إذا أحاط بعلم ذلك؛ لأن المسوغ هو العلم". (فتح القدير: ۷/۳۸۷، كتاب الشهادات، فصل: يتعلق بكيفية الأداء، مصطفى البابي الحلبي مصر)

سے مہینہ ۲۸/دن یا ۳۱/دن کا نہ ہو جائے۔

اصل: جن لوگوں نے تیسواں روزہ محض ریڈیو کی خبر پر بغیر تحقیق شرائط توڑ دیا ہے انہوں نے غلط کیا، ان لوگوں کو اس میں جلدی سے کام لینا نہیں چاہیے تھا، لیکن جب بعد میں یہاں شہادتوں سے ثابت ہو گیا کہ وہ عید کا دن تھا تو اس دن کے روزہ کی قضاء لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۸/۱۱/۸۵ھ۔

مستحاضہ کے روزے اور اس کی قضاء

سوال [۴۷۹۳]: گزارش ہے کہ ترجمہ منیۃ المصلی صلوٰۃ مترجم، فصل باب الحیض کے آخری صفحہ میں یہ عبارت البحر الرائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ”جو عورت بسبب خون استحاضہ کے بھول گئی، مدت حیض کی اور وقت حیض الخ .... اور حکم روزے کے واسطے اس کے یہ ہے کہ روزہ رکھے رمضان کے تمام مہینے میں، کیونکہ ہر روز پاک ہونے کا گمان ہے اور بعد رمضان کے قضاء کرے بیس روزے اور نزدیک بعضوں کے بائیس روزے اور احتیاط اسی میں ہے۔ یہ حکم اس عورت کا ہے جس کو حیض ہر مہینہ میں ایک دفعہ آتا ہو اور اگر دو دفعہ آتا ہو حیض اول مہینہ میں اور آخر مہینہ میں تو وہ عورت قضاء کرے تیس روزے اور نزدیک بعضوں کے بتیس روزے اور احتیاط اسی میں ہے“ انتہی۔

یہ عبارت سلیس حضور فرمادیں کہ طہر کی مدت تو پندرہ روز ہے، مجھے تعجب ہے بیس روزوں کی کیونکر اور بائیس کی کیونکر کرے، اگر بیس روز حیض میں شمار ہوئے تو دس روزے رکھے، اور کل رمضان تو ۲۹ یا ۳۰/دن کا ہوتا ہے تو قضاء ۳۲/دن یا چھتیس دن کی کیونکر ہوگی، اگر تمام مہینہ پاکی میں شمار ہوا تو طہر کا زمانہ کب ہوا تھی

---

(۱) "لو وقع شرع فیہ قصداً ثم وقضاہ لا فی العیدین وأیام التشریق، فلا یلزم لشروعہ فیہ صائماً بنفس الشروع، فیصیر مرتکباً للنہی" (تنویر الأبصار مع الدرالمختار: ۲/۴۳۸، فصل فی العوارض المبیحۃ، قدیمی)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/۲۴۶، فصل فی حکم من أفسد صومہ، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی مراقی الفلاح علی نور الإیضاح، ص: ۱۹۴، فصل فی العوارض، قدیمی)

پائی کتنے روزے رکھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ترجمہ منیۃ المصلی صلوٰۃ الرحمٰن میرے پاس موجود نہیں، البتہ بحر شرح کنز میں ۱/۲۱۴ پر یہ مسئلہ بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اس میں کچھ دوسرے اقوال فقہاء بھی درج ہیں، مگر چونکہ آپ نے صرف چار اقوال نقل کرکے ان کی وجہ دریافت کی ہے، اس لئے انہیں چار کی وجہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

زیادہ سے زیادہ مدت حیض دس روز ہیں اور احتمالاً دس روز ماہ رمضان میں حیض کے شمار ہوں گے اور بعد رمضان دس روز کا اعادہ ہوگا، پھر جب بیس کے اندر میں دس روزوں کا اعادہ کیا تو اس احتمال کی بنا پر کہ شاید ان روز حیض کے دوسرے دس روزوں کا حکم دیا گیا، لہٰذا بیس روزوں کی قضاء ہوگی، یہ اس وقت ہے جب کہ عورت کو یہ علم ہو کہ حیض کی ابتداء رات میں ہوتی، اگر ابتداء دن میں ہوتی ہو تو بائیس روزوں کا اعادہ کرے، اس لئے کہ اس صورت میں دو روزوں کا اور حکم دیا جائیگا، یہ کل بائیس روزے ہوگئے۔ یہ دونوں صورتیں اس وقت ہیں کہ قضاء مسلسل ہو یا ایک ہی ماہ میں ہو:

"وأما الصوم فيها فتصوم كل شهر رمضان؛ لاحتمال طهارتها كل يوم، ثم تقضي بعد رمضان عشرين يوماً، وهو على ثلاثة أوجه: الأول: إن علمت أن ابتداء حيضها كان يكون بالليل، فإنها تقضي عشرين يوماً؛ لجواز أن حيضها في كل شهر عشرة أيام، فإذا قضت عشرة يجوز حصولها في الحيض، فتقضي عشرة أخرى. والثاني: إن علمت أن ابتداء حيضها كان يكون بالنهار فتقضي اثنين وعشرين يوماً؛ لأن أكثر ما فسد من صومها في الشهر أحد عشر يوماً، فتقضي ضعفه احتياطاً ا هـ. ولا يخفى أنه يظهر فيما إذا قضته موصولاً أو مفصولاً، ولكن في شهر واحد ا هـ". بحر (۱)

اگر روزے منفصل قضا ہوا اور حیض کی ابتداء دن میں ہوتی ہو تو ہر ماہ کے پندرہ روز طہر کے دئیے گئے، پندرہ روز حیض کے، مگر چونکہ طہر کی ابتداء دن میں بھی ہو سکتی ہے، ایسی حالت میں طہر کے چودہ ہی روز رہ گئے تو گویا کہ رمضان شریف میں چودہ ہی روزے صحیح گئے اور سولہ روزے فاسد ہوئے، سولہ کی قضاء کرے گی آئندہ ماہ میں مگر اس

---

(۱) البحر الرائق: ۱/۲۱۴، ۲۱۵- کتاب الطهارة، باب الحيض، رشیدیہ

مباشرت کرلی، ایک مولوی صاحب کے بتلانے پر ۱۲۰ خوراکوں کا حساب لگا کر نقد دو غریبوں کو یکمشت دیدیا، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ایک دم ادا کرنے سے ادا نہیں ہوا، ۶۰/ یوم یا تو کھانا کھلائے یا پونے دو سیر گندم یا اس کے برابر قیمت دینی چاہئے تب کفارہ ادا ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رمضان المبارک کا روزہ توڑنے سے کفارہ لازم ہوتا ہے، کفارہ یہ ہے کہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے، اگر ضعف یا مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو ساٹھ غریبوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلائے خواہ دو دن ایک وقت کھلائے خواہ ایک غریب کو دو وقت ساٹھ روز تک کھلائے، خواہ ساٹھ غریبوں کو کھانا دیدے ہر ایک کو صدقۃ الفطر کے برابر یا اس کی قیمت دیدے، ان سب صورتوں میں کفارہ ادا ہوجائے گا(۱)۔

جس میں ساٹھ روزے مسلسل رکھنے کی طاقت ہو اس کے لئے کھانا کھلانا یا غلہ یا قیمت دینا درست نہیں بلکہ وہ روزہ ہی رکھے گا تب ہی کفارہ ادا ہوگا(۲)۔ غلہ یا قیمت (صدقۃ الفطر کے برابر) ساٹھ غریبوں کو دینے کے بجائے اگر دو غریبوں کو مجموعہ دیدیا تو کفارہ ادا نہیں ہوا، البتہ ان کو اور دیدے، ہر ایک کو صدقۃ الفطر کے برابر

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: بينما نحن جلوس عند النبي صلى الله عليه وسلم إذ جاءه رجل فقال: يا رسول الله هلكت. ... "هل تجد رقبة تعتقها"؟ قال: لا، قال: "فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين"؟ قال: لا، قال: "فهل تجد إطعام ستين مسكيناً"؟ قال: لا، فقال "أطعمه أهلك".

(صحيح البخاري: ۲۵۹/۱، ۲۶۰، كتاب الصوم، قديمي)

"أكل عمداً ... وكفّر ككفارة المظاهر أي كذا في الترتيب، فيعتق أولاً، فإن لم يجد صام شهرين متتابعين، فإن لم يستطع فإطعام ستين مسكيناً". (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۱۰، ۴۱۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

(۲) "وأما في كفارة الظهار وكفارة الإفطار في شهر رمضان إذا عجز عن الإعتاق لفقره وعجز عن الصوم لكبره، جاز له أن يطعم ستين مسكيناً؛ لأن هذا صار بدلاً عن الصيام بالنص". (الفتاوى العالمكيرية: ۲۱۳/۱، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار وغيرها)

دے تب ادا ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۰ھ۔

کسی اور کا تھوک نگلنے سے کفارہ

سوال[۸۵۸۳]: اگر کوئی روزہ دار کسی بچے، دوست یا اپنی بیوی کا لعاب و تھوک نگل گیا تو اس کی وجہ سے قضاء یا کفارہ دونوں لازم ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قضاء بھی لازم ہوگی اور کفارہ بھی لازم ہوگا: "وبه ابتلاع بزاق زوجته أو صديقه؛ لأنه يتلذذ به، ولا تلزم الكفارة ببزاق غيرهما؛ لأنه يعافه". مراقي الفلاح، ص: ۳۶۶(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۹/۹۰ھ۔

روزے کا کفارہ

سوال[۸۵۸۴]: ایک شخص اپنے فرض روزہ کا کفارہ اس طرح ادا کرتا ہے کہ ایک آدمی کو دونوں وقت کھانا دیتا ہے، اپنے سامنے بٹھا کر کھلاتا ہے، ساٹھ دن برابر دیتا ہے یا فطرہ کی طرح سے [illegible] دیتا ہے

---

(۱) "ولو أعطى مسكيناً واحداً كله في يوم واحد، لا يجزيه إلا عن يومه ذلك. ولو أعطى ثلاثين مسكيناً كل مسكين صاعاً من حنطة، لا يجوز إلا عن ثلاثين، وعليه أن يعطي ثلاثين مسكيناً أيضاً كل مسكين نصف صاع من حنطة، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة: ۵۱۳/۱، رشيدية)

(۲) (مراقي الفلاح، ص: ۳۶۶، باب ما يفسد الصوم ويجب به الكفارة، قديمي)

(وكذا في رد المحتار: ۴۱۴/۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۰۳/۱، الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد، رشيدية)

مس بالید سے انزال کی صورت میں کفارہ ہے یا نہیں؟

سوال [۴۸۴۲]: ایک شخص رمضان کا روزہ رکھتے ہوئے ایک عورت کے پاس گیا اس کی چھاتی اور اس کے گلے (۱) کو اپنے ہاتھ سے مس کیا اور اسی حالت میں انزال ہو گیا تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور کفارہ لازم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ ٹوٹ گیا مگر صرف قضاء لازم ہے، کفارہ لازم نہیں۔

"أو أنزل بمجامعة أو بتفخيذ أو بطين أو عبث الكف، أو أنزل من قبلة أو لمس، لا كفارة عليه". مراقي الفلاح، ص: ۳۶۶، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء من غير كفارة" (۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ سہارنپور۔

کفارۂ روزہ میں تتابع ضروری ہے یا نہیں؟

سوال [۴۸۴۳]: ایک شخص نے کفارہ کے ساٹھ روزے مسلسل رکھے، ساٹھویں روزہ رکھنے کے دن وہ بیمار پڑ گیا تو کیا از سرِ نو ساٹھ روزے رکھے یا بعد صحت صرف ایک روزہ رکھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پھر سے ساٹھ روزے مسلسل رکھے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۹۰ھ۔

= أو يعطي قيمته". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۴۷۰، فصل في الكفارة وما يسقطها عن الذمة، قديمي)

(۱) "گلا: بجز انگال"۔ (نور اللغات، حصہ سوم، ص: ۸۱۰)

(۲) (مراقي الفلاح، ص: ۶۶۱، كتاب الصوم، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۲۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، إمداديه ملتان)

(۳) "اعلم أن الصيامات اللازمة فرضاً ثلاثة عشر، سبعة منها يجب فيها التتابع: وهي رمضان وكفارة =

کے کفارہ کا کھانا کھلایا جا سکتا ہے؟

کفارۂ صوم ادا کرنے کی آسان صورت

سوال[۴۸۶۷]: ۳... اگر دینی مدرسے کے مقیم طلباء روزہ کے کفارہ کا کھانا نہیں کھا سکتے ہیں، دیگر مساکین ہیں تو ان میں تمیز دشوار ہوگی کہ مسکین کون ہیں اور پیشہ ور فقیر کون؟ نیز وقت واحد میں جن کا اجتماع دشوار ہوگا، ساٹھ کا دشوار تر، اور اس دشواری میں اور اضافہ ہو جائے گا اگر دونوں وقت کے کھانے کی شرط ہے کہ مساکین وہی ہیں جو صبح کو کھا چکے ہیں۔ اس حالت میں آسان صورت کیا ہے روزہ کے کفارہ ادا ہونے کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلایا جائے، دونوں وقت وہی ہوں گے(۱)۔

۲... وہ مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو کھلا سکتے ہیں، مگر ان کو بٹھا کر کھلایا جائے، یہ نہ ہو کہ دو روٹی دے کر چلتا کر دیا جائے، بیٹھ کر دو روٹی کھائیں یا کم زیادہ جتنے میں سیر ہو جائیں(۲)۔

۳... مدرسہ میں ایسے ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھلانا دشوار نہیں، اس سے بھی زیادہ آسان صورت یہ ہے کہ ایک مسکین کو تجویز کر لیا جائے اس کو دونوں وقت کھانا کھلا دیا جائے، جب ساٹھ دن (ایک سو بیس وقت)

---

(۱) "أطعم ستين مسكيناً أو فقيراً، ولا يشترط اجتماعهم، والشرط أن يغديهم أو يعشيهم غداء وعشاء مشبعين، وهذا هو الأعدل، لدفع حاجة اليوم بجملته أو يغديهم غداءين من يومين أو يعشيهم عشاءين من ليلتين بشرط أن يكون الذين أطعمهم ثانياً هم الذين أطعمهم أولاً، حتى لو غدى ستين، ثم أطعم ستين غيرهم، لم يجز حتى يعيد الإطعام لأحد الفريقين". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٣٧٠، فصل في الكفارة وما يسقطها عن الذمة، قديمي)

(۲) "والشرط إذا أباح الطعام أن يشبعهم، ولو بخبز البر من غير أدم، والشعير لا بد من أدم معه لخشونته، وأكل الشبعان لا يكفي". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٣٧٠، فصل في الكفارة، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية: ٢/٣٨٦، الفصل السابع: الأسباب المبيحة للفطر، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ١/٢٠٢، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيدية)

مسلسل کھانے لگا تو کفارہ ادا ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۳ھ۔

صوم وصلوٰۃ کا فدیہ، اس کی مقدار اور اس کا مستحق

سوال [۴۸۴۸]: ۱..... ایک شخص کا انتقال ہوا جس کی چند نمازیں ایسی حالت میں قضاء ہوگئیں کہ اس کو ہوش تھا مگر طاقت اتنی نہ تھی کہ اشارہ ہی سے نماز پڑھتا، ایسی صورت میں ان نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں، اگر ضروری ہو تو کس طرح ادا کرے اور فی نماز کس مقدار میں؟

۲..... متذکرہ بالا شخص کے رمضان کے کچھ روزے بھی قضاء ہوگئے ہیں جس کے بعد بیماری نے اس کو اتنی مہلت نہ دی کہ قضاء روزہ ادا کر سکے، ان کا فدیہ کس طرح اور فی روزہ کس مقدار سے ادا کرے؟

۳..... ایک نماز کا فدیہ ایک ہی آدمی کو دے یا کئی آدمیوں کو بھی دے سکتا ہے، اسی طرح کئی نمازوں یا کئی روزوں کا فدیہ چند مساکین کو دے سکتا ہے یا ایک ہی مسکین کو دے سکتا ہے اور گیہوں وغیرہ کی قیمت بھی ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

۴..... اس فدیہ کے مستحق کون ہیں؟ مسجد کی مرمت میں خرچ کرنا یا کھانا پکا کر طلبہ کو کھلانا یا کپڑے بنا کر طلبہ کو پہنانا جائز ہے یا محض فقیروں کو دینا چاہئے؟

۵..... اگر کسی میت کے ورثاء غریب و مفلس ہوں اور وہ میت کی فوت کردہ نمازوں کا فدیہ ادا نہ کر سکتے ہوں تو میت کی براءت کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ فقط۔

عبدالکریم سوداگر، نزد جامع مسجد، معرفت حافظ عبداللہ صاحب مدرس درجہ قرآن شریف، جامع مسجد سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر ایسی حالت میں نمازیں قضاء ہوئی ہیں کہ مریض میں سر سے اشارہ کرنے کی بھی طاقت نہیں تھی اور مرض سے صحت نہیں پائی بلکہ اسی حالت میں انتقال ہو گیا تو اس پر ان نمازوں کی قضاء فرض نہیں، نہ اس کی

---

(۱) "ولو أطعم فقيراً ستين يوماً أجزأه؛ لأنه يتجدد الحاجة بكل يوم يصير بمنزلة فقير آخر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۴۷۰، فصل في الكفارة وما يسقطها عن الذمة، قديمي)

طرف سے ان نمازوں کا فدیہ بھی ضروری ہے:

"وإن تعذر الإيماء برأسه وكثرت الفوائت بأن زادت على يوم وليلة سقط القضاء عنه وإن كان يفهم في ظاهر الرواية وعليه الفتوى". در مختار: ۱/۷۹۹ (۱)۔ قال الشامي: "فلو مات ولم يقدر على الصلوة لم يلزمه القضاء حتى لا يلزمه الإيصاء بها". شامي: ۱/۵۱۰ (۲)۔

۲… ایسی حالت میں روزوں کی قضا بھی ضروری نہیں، لہٰذا فدیہ بھی ضروری نہیں: "لا قضاء للصوم على المريض والمسافر إذا ماتا قبل الصحة أو الإقامة". بحر: ۲/۲۸۳ (۳)۔

ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گیہوں ہے فطرہ کی طرح، اسی طرح ہر نماز کا فدیہ نصف صاع ہے اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے: "يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر والصوم". در مختار: ۱/۷۶۶ (۴)۔

۳… ایک نماز کا فدیہ ایک ہی کو دیا جائے، کئی کو نہ دیا جائے: "ولو أدى للفقير أقل من نصف صاع لم يجز". در مختار: ۱/۷۶۸ (۵)۔ البتہ کئی نمازوں کا فدیہ ایک کو دے سکتے ہیں: "ولو أعطاه

---

(۱) (الدر المختار، باب صلوة المريض: ۲/۹۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صلوة المريض: ۲/۲۰۳، ۲۰۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع عشر في صلوة المريض: ۱/۱۳۷، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۹۹، سعيد)

(۳) (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۵۰۳، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصوم، فصل في بيان وجوه الأعذار المبيحة للإفطار وما يتعلق بها: ۱/۲۴۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۴) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۶۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(۵) (الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، سعيد)

نمازوں کا فدیہ ہوگیا تو وہ نصف صاع اگر فقیر کو دینا تھا تب تو اسی کو دیدیں اگر کسی سے قرض لیا تھا تو اس کو واپس کردیں(۱)۔ ان شاء اللہ امید ہے کہ میت کی برأت ہوجائے گی اور ورثاء کا یہ معاملہ بطور احسان وتبرع ہوگا، کیوں کہ ان پر مفلس ہونے کی حالت میں ایسا کرنا واجب نہیں اور صورت مسئولہ میں تو میت سب کے نزدیک بالکل بری ہے، کیونکہ نماز قضاء کرنے کا اسے موقع ہی نہیں ملا، کذا فی کتب الفقہ نحو مراقی الفلاح، ص: ۲۵۹(۲)، وشامی: ۱/۷۶۷(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۷/۵۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر العلوم، ۱۲/رجب/۵۶ھ۔

نماز روزہ کا فدیہ

سوال[۴۸۲۱]: ایک شخص کی بحالت بیماری دو وقت کی نمازیں قضاء ہوئیں اور چھ رمضان کے روزے قضاء ہوگئے اور اس شخص کا انتقال ہوگیا، اب ان روزوں اور نمازوں کا کفارہ کس حساب سے ادا کرنا یعنی فی نماز روزہ کیا فدیہ دیا جاوے اور کفارہ ایک ہی محتاج کو دیا جاوے یا کئی کو؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"یعطی لکل صلوٰۃ نصف صاع من بر کالفطرۃ، وکذا حکم الوتر والصوم". درمختار: ۱/۱۰۶(۴)، وفی الشامی: ۱/۷۶۶: "أی أومن دقیق أو سویق أوصاع تمر أو زبیب أو شعیر

= ماکان یطلبہ (علی المیت من صلاۃ وصیام) ونحوھما مما ذکرنا من الواجبات، وھذا ھو المخلص لی ذلک إن شاء اللہ بمنہ وکرمہ". (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی إسقاط الصلاۃ والصوم، ص: ۴۴۰، قدیمی)

(۱) "ولو لم یترک مالاً یستقرض وارثہ نصف صاع مثلاً ویدفعہ لفقیر ثم یدفعہ الفقیر للوارث، ثم وثم حتی یتم". (الدر المختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۳، سعید)

(وکذا فی منحۃ الخالق علی البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۶۰، رشیدیہ)

(۲) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۴۳۶، فصل فی إسقاط الصلوٰۃ، قدیمی)

(۳) (راجع ص: ۱۷۷، رقم الحاشیۃ: ۱، وایضاً ص: ۱۸۹، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۴) (الدر المختار علی تنویر الأبصار: ۲/۷۲، ۷۳، باب قضاء الفوائت، سعید)

أو قيمته، وهي أفضل عندنا لإسراعها بسد حاجة الفقير"(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نماز ہر روزہ کے فدیہ میں وہی مقدار دی جاتی ہیں جو صدقۃ الفطر میں دی جاتی ہیں اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے، یہ تمام فدیہ ایک کو دینا بھی جائز ہے اور کئی کو بھی، لیکن ایک فدیہ سے کم دینا جائز نہیں: "ولو أدى إلى الفقير أقل من نصف صاع لم يجز، ولو أعطاه الكل، جاز". درمختار على الطحطاوي: ۱/۳۰۸(۲)۔ "ولو أعطى فقيراً واحداً جملةً، جاز" بحر: ۲/۹۱(۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۴/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: عبد الرحمان غفرلہ، الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ذی الحجہ/۹۰ھ۔

فدیہ صوم وصلوٰۃ

سوال [۴۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں: ہمارے یہاں عام رواج ہے کہ سن بلوغ کے بعد کسی کا انتقال ہو جائے تو آدھا من پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن شریف بطور صدقہ نکالتے ہیں، متوفی خواہ امیر ہو یا غریب فاقہ کش، سب کے لئے یہی دستور رائج ہے۔ گیہوں کے توکرے فقیر کے سر پر

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۲۵، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۱۶۰، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(۱) (رد المحتار: ۲/۷۲-۷۳، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلوة عن الميت، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۴۴۲، قديمي)

(وكذا في المحيط البرهاني ۲/۵۸۹، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر، غفاريه)

(۲) (باب قضاء الفوائت: ۲/۷۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۱۶۰، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۲۵، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۷۷۱، الفصل العشرون في قضاء الفائتة، إدارة القرآن كراچي)

(۳) (البحر الرائق: ۲/۱۶۰، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۲۵، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۷۷۱، الفصل العشرون في قضاء الفائتة، إدارة القرآن كراچي)

چڑھا کر جنازہ کے آگے کر دیتے ہیں۔ بعد نماز جنازہ گیہوں کے ڈھیر کرکے اس پر دو قرآن اور مولوی بیٹھ کر حیلہ کرتے ہیں۔ حیلہ کے وقت ملاں صاحب اس طرح فرماتے ہیں: "صوم وصلوٰۃ واجبات جو اس مردے سے قضا ہوئے ہیں اس کی طرف سے یہ گندم میں نے قبول کرکے تم کو بخش"۔

واڑے والے بھی یکے بعد دیگرے اسی طرح کہتے ہیں۔ چند دفعہ مرتبہ یہ، خواہ دائرہ سے تین دہراتے ہیں، پھر گیہوں بانٹ دیتے ہیں، ملاں صاحب کا حصہ مع قرآن شریف ان کے مکان پر پہنچا دیتے ہیں۔ حیلہ میں قرآن شریف لانا لازمی ہے، بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے، بغیر قرآن شریف کے ملاں صاحب حیلہ نہیں شروع کرتے۔ اور اس حیلے کو متوفی کے فوت شدہ صوم وصلوٰۃ وغیرہ کا کفارہ بدل مانتے ہیں۔ متوفی غریب ہو اور اس کی جانب سے گیہوں وغیرہ نہ نکالے جا سکیں تو چند قرآن معہ تسبیح کی جاتی ہے۔ پس صورت مسئولہ کا جواب مع حوالہ کتب وعبارات فقہ مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں، عند الناس مشکور ہوں تا کہ ان بدعات سے باز آئیں۔

۱۔ یہ حیلہ شرعی ہے یا اشارہ بھی کوئی ہے۔ یہ مروجہ رسم کا حیلہ کیسا ہے؟

۲۔ مروجہ شرعی حیلہ کیا جائے تو اس میں فوت شدہ صوم وصلوٰۃ کا حساب ضروری ہے؟

۳۔ کوئی میت مفلس ہے، مرنے کے بعد اس کے پاس صرف ایک ہی قرآن ہو جو پہنچایا جاتا ہے، وہ ہی حیلہ میں دیں، تو کیا یہ بہ سمجھا جاوے گا اور حیلہ درست ہوگا؟

۴۔ دینے والے کو پتہ نہیں ہوتی کہ اس قدر معافی میں پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن سے کتنی عبادات کا کفارہ ہو، بصورت ہذا کیا حیلہ صحیح ہوا کہ نہیں؟ بینوا وتوجروا۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

طریقۂ مذکورہ بدعت وناجائز ہے، اصل مقصد خلاف سول شریف ہے(۱)۔ نفس ایصالِ ثواب بغیر التزام تاریخ ودن ووقت وہیئت وغیرہ مستحسن اور باعث برکات میت ہے، خواہ کچھ قرآن کریم پڑھ کر یا نماز روزہ وعبادات

(۱) "حیلہ اسقاط مفلس کے اسقاط واسطے فرض کیا تھا، اب یہ حیلہ تحصیل چند لوگوں کا ملاؤں کے واسطے مقرر کر لیا ہے، حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے وہاں حیلہ کارگر نہیں، مفلس کے واسطے ہے، حیلہ کسب میت وارث کے لیا یہ ہے کہ میت کو مدد ہو، یہ خواہ حیلہ تحصیل زر کا حیلہ بنا لیا گیا ہے"۔ (فتاوی رشیدیہ، کتاب البدعات، ص: ۱۳۰، ادارہ اسلامیات لاہور)

کرکے، یا غربا و مساکین کو نقد غلہ کپڑا وغیرہ دیکر، یا مسجد مدرسہ کنواں وغیرہ بنا کر ہو(۱)۔ اور طریقۂ مذکورہ میں چند خرابیاں ہیں:

اول یہ کہ اس کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے حتی کہ اگر اس کو کوئی ترک کرے تو اس پر طعن تشنیع کی جاتی ہے، حالانکہ جس شی کا استحباب شریعت سے ثابت ہو اس پر بھی اصرار کرنا ممنوع ہے، اصرار سے وہ شی ممنوع ہوجاتی ہے چہ جائیکہ بدعت پر اصرار کرے:

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة"(۲)۔ "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً و لم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر. اهـ" سعاية (۳)۔

دوم یہ کہ اس میں قرآن شریف کا ہونا بھی لازم سمجھا جاتا ہے حالانکہ نفس غلہ کا ثواب پہونچنا شرعاً قرآن شریف کے ساتھ ہونے پر موقوف نہیں، بلکہ بغیر قرآن شریف ساتھ ہوئے بھی پہونچ جاتا ہے، یہ ایک حکم شرعی کی تغییر ہے۔

سوم یہ کہ یہ حیلہ بغیر ترکہ تقسیم کئے ہوتا ہے حالانکہ بسا اوقات بعض ورثا نابالغ ہوتے ہیں، نابالغ کا حصہ صرف کرنا ہرگز جائز نہیں، اگر وہ اجازت دے تو اجازت بھی معتبر نہیں (۴)۔

چہارم: اس میں قبضہ نہیں ہوتا، حالانکہ صدقہ کے لئے قبضہ شرط ہے (۵)۔

---

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا، بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) (السعاية، باب صفة الصلوٰة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيدمي لاهور)

(۳) (السعاية، المصدر السابق: ۲/۲۶۳)

(۴) "ولا وأي لا تصح الوصية) لوارثه وقاتله مباشرة ... إلا بإجازة ورثته ... وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير". (الدر المختار، كتاب الوصايا: ۶/۶۵۶، سعيد)

(۵) "و تمامها كرهن و صدقة: لأن القبض شرط تمامها". (الدر المختار، كتاب الهبة: ۵/۶۹۱، سعيد)

في شهر رمضان إن أفطر فيه المسافر والمريض وماتا قبل الإقامة والصحة، لعدم إدراكهما عدة من أيام أخر، فلا يلزمهما الإيصاء به؛ لأنهما عذرا في الأداء، فلأن يعذرا في القضاء أولى" زيلعي"(۱)۔ "وإذا لم يلزمهما القضاء لايلزمهما الإيصاء به". مراقي الفلاح مختصراً، ص: ۲۶۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مریض پر فدیۂ صوم

سوال[۴۸۵۲]: اگر کوئی شخص اختلاجی دورہ میں مبتلا ہو، کیفیت ان کی یہ ہو کہ بغیر دوا کے صحت نہ ہوتی ہو اور نماز میں بھی اس کی کیفیت یہ ہو کہ چار کی جگہ پانچ اور دو سجدوں کی جگہ تین سجدے یا چار سجدے کرتا ہو اور رمضان کے روزے میں حالت اس کی غیر ہوتی ہو حتی کہ ہوش وحواس بھی معطل ہوجاتے ہیں، اندریں صورت اس کو رمضان کے روزوں کے متعلق کیا کرنا چاہیے؟ روزے رکھنے کی طاقت بالکل نہیں ہے اور روزوں کی ادائیگی کی کیا شکل ہونی چاہیے؟ نیز کفارہ کی کیا تفصیل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص میں بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، اگر روزہ رکھے تو مرض کے زیادہ ہونے کا خوف ہے تو اس کے لئے شرعاً اجازت ہے کہ رمضان شریف میں روزہ نہ رکھے، بلکہ صحت یاب ہوکر قضاء کرے(۳)۔

---

(۱) (تبیین الحقائق، کتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۹۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، ص: ۴۳۷، فصل في إسقاط الصلوة والصوم، قدیمی)

(وکذا في رد المحتار: ۲/۷۳، کتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۴۹، کتاب الصوم، فصل في الأعذار المبیحة للإفطار ومایتعلق بها، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في البحر الرائق: ۲/۵۰۵، فصل في العوارض، رشیدیه)

(۳) "(منها المرض) المریض إذا خاف علی نفسه التلف أو ذهاب عضو، یفطر بالإجماع. وإن خاف =

اگر حالتِ مرض میں ہی مرگیا، صحت یاب نہیں ہوا تو اس پر قضا وفدیہ کچھ واجب نہیں (۱)۔ اگر صحت یاب ہوکر روزوں کی قضا نہیں کی اور مرگیا تو مرتے وقت اس پر وصیت واجب ہے، ورثاء اس کی طرف سے ایک ثلث ترکہ میں سے اس کے روزوں کا فدیہ دیں (۲)۔ ہر روزہ کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت کسی مسکین، غریب کو دیں یا پیٹ بھر کھانا کھلادیں (۳)۔ اگر وصیت نہیں کی تو ورثہ کے ذمہ کچھ

= زيادة العلة وامتدادها، فكذلك عندنا، وعليه القضاء إذا أفطر، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۴۲۲، ۴۲۳، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

(۱) "(فإن ماتوا فيه) أي في ذلك العذر (فلا تجب) عليهم (الوصية بالفدية) لعدم إدراكهم عدةً من أيام أخر". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۴۲۳، ۴۲۴، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۵۰۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۳۵۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل السابع في الأسباب المبيحة للفطر: ۲/۳۹۲، قديمي)

(۲) "(ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت) الوصية بقدر إدراكهم عدةً من أيام أخر، (وفدى) لزوماً (عنه) أي عن الميت (وليه) الذي يتصرف في ماله (كالفطرة) قدراً (بعد قدرته عليه) أي على قضاء الصوم (وفوته) بوصيته من الثلث". (الدر المختار). "(قوله: من الثلث) أي ثلث ماله بعد تجهيزه وديونه". (رد المحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۲/۴۲۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، بيان شرائطها وحرمته: ۲/۲۳۳، رشيديه)

(۳) "(فيطعم عنه وليه لكل يوم كالفطرة) أي وجب على الولي أن يؤدي فدية مافاتها من أيام الصيام كالفطرة عيناً أو قيمةً". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۱/۳۶۷، كتاب الصوم، فصل في العوارض، غفاريه كوئٹه) =

واجب نہیں (۱)۔

اور جو شخص اس قدر بوڑھا ہو گیا ہے کہ اس میں روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہیں اور یہ بھی توقع نہیں کہ آئندہ اس میں اس قدر طاقت آئے گی، بلکہ روز بروز حالت کمزور ہی ہو رہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ موت کا وقت قریب آگیا تو ایسے شخص کے لئے شرعاً حکم ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں روزوں کا فدیہ دے دے (۲)، اس کی ضرورت نہیں کہ مرتے وقت وصیت کرے اور بعد میں اس کے ورثہ فدیہ دیدیں۔ اگر اس نے اپنی زندگی میں فدیہ نہ دیا اور وصیت کی تو طریقۂ مذکورہ کے مطابق فدیہ دے دیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

= (وكذا في رد المحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۲/۴۲۳، سعيد)

(۱) "وإن لم يوص فتبرع به الورثة جاز. وإن لم يتبرعوا لم يلزمهم". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، بيان شرائط وجوبه: ۲/۲۶۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل السابع في الأسباب المبيحة للفطر: ۲/۴۹۳، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/۲۰۷، رشيديه)

(۲) "(قوله: وللشيخ الفاني، وهو يفدي فقط): أي له الفطر، وعليه الفدية، وليست على غيره من المريض والمسافر والحامل والمرضع، لعدم وُرود نص فيهم، وورده في الشيخ الفاني، وهو الذي كل يوم في نقص إلى أن يموت، ويسمى به (أي بمسمى الشيخ الفاني شيخاً فانياً) إما لأنه قرب من الفناء، أو لأنه فنيت قوته". (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۵۰۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۳۱، رشيديه)

(۳) "(أو مريض) خاف الزيادة لمرضه (الفطر) وقضوا ما قدروا بلا فدية وولاء، وقدم الأداء على القضاء، فإن ماتوا فيه فلا تجب الوصية بالفدية. ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت، وفدى عنه وليه كالفطرة بعد قدرته عليه وفوته بوصية من الثلث. وإن تبرع وليه به جاز. وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي". =

فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں؟

سوال [۴۸۵۳]: ۱... نیز ضمناً فدیہ روزہ اور فطرہ عید نرخ بازار معتبر ہے؟ یا کنٹرول ریٹ جس کو دیا جانا مقصود ہے، اس کو کنٹرول ریٹ سے گیہوں مل سکتا ہے، بازار میں گیہوں گراں ملتا ہے، گو تاجران عامۃً نہیں مقامی گردیہات سے منگائی جاتی۔

فدیہ دیندار عالم کو دینا افضل ہے

سوال [۴۸۵۴]: ۲... فدیہ یا فطرہ کسی عالم دیندار شخص کو- جو صاحب حاجت ہوں، تنگی خرچ سے پریشان ہوں- دینا انسب ہے یا بالکل مسکین کو؟

فدیہ صیام شروع رمضان میں دے یا اخیر رمضان میں؟

سوال [۴۸۵۵]: ۳... آیا فدیہ رمضان شریف شروع ہوتے ہی ادا کرنا ضروری ہے یا رمضان کے کچھ دن گذرنے پر بھی دے سکتے ہیں؟ نیت پہلے سے کرلی جائے کہ ادا ہو؟ میرے گھر میں اور والدہ دونوں بے حد کمزور ہیں اور بیمار ہیں، صحت وقوت بہت کم ہے اور رمضان کے گذرنے تک کوئی امید ہے۔

عبدالجلیل اعظم گڈھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... جس نرخ سے اپنی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اس نرخ سے فطرہ اور فدیہ دیں، ظاہر ہے کہ آجکل کنٹرول سے عدمۃً ضروریات پوری نہیں ہوتیں، اس لئے بازاری نرخ سے دیں (۱)۔

۲... دیندار حاجتمند کو دینا افضل ہے (۲)۔

= والتنویر الأبصار مع الدر المختار: ۲/۴۲۴-۴۲۷، کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم، سعید)

(۱) "وجاز دفع القیمة فی زکاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة ... ويقوم فی البلد الذی المال فیه، ولو فی مفازة ففی أقرب الأمصار إليه". (الدر المختار: ۲/۲۸۵، ۲۸۶، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، سعید)

(۲) "وكره نقلها إلا إلى قرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين ... وفی المعراج: التصدق -

۳... شیخ فانی کو فدیہ دینا شروع رمضان میں بھی درست ہے، اخیر میں بھی (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

ادائے فدیہ کا طریقہ اور مصرف

سوال [۴۸۵۹]: اگر فدیہ کی اجازت ہو تو کیا یہ ضروری ہے کہ ہر روزہ کا فدیہ روزانہ ہی ادا کیا جائے یا پورے ماہ کے روزوں کا فدیہ یکمشت ختم رمضان پر یا پیشگی ہی ادا کیا جا سکتا ہے؟ اور اگر ایسا ممکن ہو تو ختم رمضان پر پورے ماہ کے فدیہ کے لئے کس قدر غلہ دینا ضروری ہے؟ آیا بازاری بھاؤ کے اعتبار سے اس کی قیمت ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر قیمت ادا کی جا سکتی ہے تو آیا اس کا غرباء کو ہی تقسیم کرنا ضروری ہے یا کسی غریب عزیز کو بھی دیا جا سکتا ہے یا کسی مدرسہ کو بھی دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس صورت میں فدیہ کا حکم ہے تو فدیہ یکمشت قبل رمضان اور بعد رمضان اور روزانہ جس طرح دل چاہے ادا کیا جا سکتا ہے، کوئی خاص پابندی نہیں۔ ایک روزہ کا فدیہ ایک صدقۂ فطر کے برابر غلہ یا اس کی قیمت ہے، جو بازار کا عام بھاؤ ہو اس سے قیمت لگائی جائے (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۸۵ھ۔

= علی العالم الفقیر أفضل". (الدر المختار علی تنویر الأبصار: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۴۷۲، باب المصرف، قدیمی)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۹، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، رشیدیہ)

(۱) "وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوباً ولو فی أول الشہر: أی یخیر بین دفعہا فی أولہ أو آخرہ، کما فی البحر". (رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۴۲۷، فصل فی العوارض الخ، سعید)

(وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۶۸۹، فصل فی العوارض، قدیمی)

(وکذا فی الفتاوی العالمگیریۃ: ۱/۲۰۷، الباب الخامس فی الأعذار التی تبیح الإفطار، رشیدیہ)

(۲) "وفدی لزوماً عنہ: أی عن المیت ولیہ الذی یتصرف فی مالہ کالفطرۃ قدراً بعد قدرتہ علیہ، وفوتہ بوصیتہ من الثلث، الخ". (الدر المختار شرح تنویر الأبصار: ۲/۴۲۴، فصل فی العوارض المبیحۃ، سعید)

"ثم إن شاء أعطی الفدیۃ فی أول رمضان بمرۃ وإن شاء أخرہا إلی آخرہ". (الفتاوی العالمگیریۃ: =

کئی روزوں کا فدیہ ایک شخص کو دینا

سوال[۴۸۵۷]: کئی روزوں کے فدیہ کا اناج یا قیمت ایک فقیر کو دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے:"ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت، وفدى عنه وليه كالفطرة قدراً اهـ". "(قوله: قدراً): أي التشبيه بالفطرة من حيث القدر، إذ لا يشترط التمليك هنا بل تكفي الإباحة بخلاف الفطرة، وكذا هي مثل الفطرة من حيث الجنس وجواز أداء القيمة. وقال القهستاني: وإطلاق كلامه يدل على أنه لو دفع إلى فقير جملة جاز، ولم يشترط العدد، ولا المقدار، لكن لو دفع إليه أقل من نصف صاع لم يعتد به، وبه يفتى". شامی: ۱۱۶/۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/۲/۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۲/۶۶ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= ۱/۲۰۷، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، رشيدية)

"لكل يوم نصف صاع من بر أو قيمته بشرط دوام عجز الفاني .... فيعطي إن شاء أعطى في أول رمضان، وإن شاء أعطى في آخره، ولا يشترط في المدفوع إليه العدد". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۶۸۸، فصل في العوارض، قديمي)

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۲۳، فصل في العوارض، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، ص: ۶۸۸، فصل في العوارض، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۸۶، الفصل السابع الأسباب المبيحة للفطر، إدارة القرآن كراچي)

صرف دس محرم کو روزہ رکھنا

سوال [۴۸۵۹]: محرم کے دو روزے جو کہ مسنون ہیں، بجائے دو کے اگر ایک ہی رکھے تو کیا ناجائز ہے یا جائز؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ تنزیہی ہے: "وأما القسم السادس وهو المكروه فهو قسمان: مكروه تنزيهاً ومكروه تحريماً: الأول الذي كره تنزيهاً كصوم يوم عاشوراء منفرداً عن التاسع أو عن الحادي عشر اهـ". مراقي الفلاح، ص: ۳۵۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

صوم یوم عاشورا

سوال [۴۸۶۰]: عاشورہ کا ایک روزہ مکروہ ہے، لیکن مکروہ ہونے کے ساتھ ثواب بھی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عاشورہ کے فقط ایک روزہ کی نیت کرنا مکروہ ہے، لیکن ثواب اس کا بھی ملے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۱/۹۲ھ۔

یوم عرفہ وتحریم میں شک

سوال استفتاء [۴۸۶۱]: امسال ذی الحجہ میں مختلف جگہوں سے ۲۹ کے چاند کی خبر معلوم ہوئی۔

---

(۱) (مراقي الفلاح على نور الإيضاح: ص ۳۵۰، فصل في صفة الصوم، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۲، الباب الثالث فيما يكره وما لا يكره، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۳۷۵، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "وأما القسم السادس وهو المكروه فهو قسمان: مكروه تنزيهاً ومكروه تحريماً، الأول الذي كره تنزيهاً كصوم يوم عاشوراء منفرداً عن التاسع أو عن الحادي عشر". (مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۳۵۰، فصل في صفة الصوم، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۲، الباب الثالث فيما يكره وما لا يكره، رشيدية)

لیکن شرعی ثبوت نہ ہوا، پس اس صورت میں ۹/ ذی الحجہ جس کے متعلق یوم عرفہ و یوم نحر ہونے کا شک ہے، نفلی روزہ رکھنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ جائز و افضل ہے، ملمانی للفیض وغیرہ: "لو وقع الشك في أن اليوم عرفة أو يوم النحر، فالأفضل فيه الصوم". شامی: ۲/ ۸۷(۱)۔

اور عمر کہتا ہے کہ مکروہ ہے، منہا في مجالس الأبرار: "ما تردد بين البدعة والسنة يتركه؛ لأن ترك البدعة لازم وأداء السنة غير لازم". ص: ۱۲۹، مجلس ثامن عشر(۲)۔

"لو كان في شيء وجوه كثيرة يوجب الحل والجواز، ووجه واحد يوجب الحرمة وعدم الجواز، يرجح جانب الحرمة احتياطاً". مجالس، ص: ۵۵۱، مجلس: ۹۶(۳)۔

نیز عمر یہ بھی کہتا ہے کہ قربانی اس صورت میں دو دن تک کی جائے، تیسرے دن نہ کی جائے، بخلاف زید کے کہ وہ کہتا ہے کہ بلا تردد تین دن تک کی جائے اور خالد کہتا ہے: بہتر یہ ہے کہ عرفہ مشکوک میں روزہ رکھا جائے اور تیسرے دن قربانی نہ کی جائے۔ کس کا قول صحیح ہے؟ جواب مدلل مع حوالۂ کتب و عبارت عنایت ہو، فقط۔

مولوی محمد یاسین، مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زید کا قول قوی معلوم ہوتا ہے، فقہاء نے ہلالِ رمضان کے مسئلہ میں اختلافِ مطالع کو معتبر نہیں مانا۔ ذی الحجہ کے متعلق جو احکام ہیں جیسے: حج، صوم عرفہ، اضحیہ ان میں معتبر ہے، جب ثبوتِ رؤیت کے باوجود ان مسائل میں صحت کا حکم ہے تو محض شک کی صورت میں نفلی روزہ اور اضحیہ کی ممانعت نہ کی جائے گی۔

"[تنبيه]: يفهم من كلامهم في كتاب الحج أن اختلاف المطالع فيه معتبر، فلا

= (وكذا في الدر المختار: ۲/ ۳۷۵، كتاب الصوم، سعيد)

(۱) (رد المحتار: ۲/ ۳۸۱، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(۲) "إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة مع أنه يمكن الصرية قبل الشروع". (رد المحتار: ۱/ ۶۴۲، باب ما يفسد الصلاة، مطلب إذا تردد الحكم، سعيد)

(۳) "القاعدة الثانية: "إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام".

"فمن فروعها: ما إذا تعارض دليلان، أحدهما يقتضي التحريم والآخر الإباحة قدم التحريم".

(الأشباه والنظائر، ص: ۱۲۱، النوع الثاني من القواعد، القاعدة الثانية الخ، دار الفكر بيروت)

بلدهم شيء، ثم ظهر أنه رؤي في بلدة أخرى قبلهم بيوم، وهل يقال كذلك في حق الأضحية لغير الحجاج؟ لم أره، والظاهر أنها كأوقات الصلوة يلزم كل قوم العمل بما عندهم، فتجزئ الأضحية في اليوم الثالث عشر وإن كان على رؤيا غيرهم هو الرابع عشر".

شامی: ۲/۳۹۶(۱)۔

اگر کوئی شخص جانب احوط وتنزہ کو اختیار کرے اس کی ممانعت نہیں، مگر روزہ یا اضحیہ کی ممانعت کا حکم نہیں کیا جا سکتا، محض شک سے حلت وحرمت کے احکام صادر نہیں ہوتے۔ بجائے اس ہماری عبارت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر مسئلہ واحدہ میں دونوں قسم کی اصلیں موجود ہوں تب یہ حکم ہوگا، اس قسم کی عبارات شامی وبحر وغیرہ میں بھی موجود ہیں(۲)، مگر صورتِ مسئولہ میں تو عدم جواز ... پہلے سے متعین ہے اور جو دلیل حرمت میں ہے شک ہے۔

"والیقین لا یزول بالشک"(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/جمادی الاولیٰ/۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/جمادی الاولیٰ/۶۹ھ۔

ہمیشہ روزہ رکھنا

سوال[۴۸۹۲]: ایک شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے، جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو ہمیشہ رکھنے کا ثواب ہوگا یا نہیں؟

الٰہی بخش محلہ یازداران سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمیشہ روزہ رکھنا اس طرح کہ ایام منہیہ میں بھی روزہ رکھے تو یہ مکروہ تحریمی ہے(۴)، اگر ایام منہیہ میں

---

(۱) (رد المحتار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، کتاب الصوم قبیل باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده، سعید)

(۲) "إذا اجتمع الحلال والحرام رجح الحرام". (الدر المختار: ۱/۱۷۴، کتاب الطهارة، سعید)

(۳) "القاعدة الثالثة: اليقين لا يزول بالشك". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۰، دار الفكر، بيروت)

(۴) "ويكره صوم يوم العيدين وأيام التشريق، وإن صام فيها كان صائماً عندنا". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۱، الباب الثالث فيما يكره للصائم وما لا يكره، رشيديه)

"ويكره أن يصوم يومين لا يفطر بينهما، وكذا صوم الوصال، وهو أن يصوم السنة ولا يفطر

جمعہ کا دن ملا لیا جائے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جی ہاں، بعض روایات میں صرف جمعہ کا نفلی روزہ رکھنے سے ممانعت آئی ہے، اس لئے اس کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد بھی ملا لینا چاہئے (1)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/صفر/۶۸ھ۔

کیا یوم الشک کا روزہ مکروہ ہے؟

سوال [۴۸۴۴]: شعبان کے چاند کا پتہ نہ چلا کہ ۲۹/ کا ہوا یا ۳۰/ کا؟ ابر غلیظ ہونے کے باعث سے شہادت نہ ہوئی، بعض نے پیر کو ۲۹/ کا چاند شمار کر کے کیا اور بعض نے منگل کو ۳۰/ شمار کیا اور اس کی وجہ سے رمضان میں بھی اختلاف ہوا، جن کے اعتبار سے پیر کی شب برات ہوئی ان کے اعتبار سے بدھ کی ۳۰/ ہوئی اور منگل والوں کے لئے جمعرات کی ۳۰/ ہوئی، ایک عالم کے پاس گئے جمعرات کے روزہ کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے، انہوں نے کہا کہ بدھ کو روزہ رکھو، تم کو اختیار ہے چاہے روزہ رکھو یا نہ رکھو اور میں تحقیق مشتبہ ہونے کے یوم شک میں روزہ رکھوں گا۔

اب اس شخص کو اطمینان نہ ہوا اور دوسرے عالم کے پاس گیا کہ کوئی اطمینان بخش جواب دیں۔ انہوں نے شعبان کا چاند بوجہ عدم رؤیت پورے ۳۰/ دن رجب کے شمار کر کے شعبان کے ایام شمار کئے گئے تو بدھ کی ۲۹/ اور جمعرات کی ۳۰/ ہوئی اور شعبان کی رؤیت کا ۲۹/ یا ۳۰/ کا ثبوت نہیں ملا اور نہ باہر سے شعبان کے چاند کی رؤیت کی خبر ملی اس وجہ سے شعبان ۳۰/ دن شمار کئے، اب حساب سے بدھ کی ۲۹/ ہوتی ہے، اس عالم نے

---

(1) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يصوم أحدكم يوم الجمعة إلا أن يصوم قبله أو يصوم بعده". متفق عليه". (مشكوة المصابيح: ۱۷۹/۱، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الأول، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۲۶۷/۱، كتاب الصوم، باب صوم يوم الجمعة، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ۳۶۰/۱، كتاب الصيام، باب كراهة إفراد يوم الجمعة بصوم الخ، قديمي)

جمعرات کو یوم شک قرار دیکر اور اس چاند کو پورا تیس دن کا کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ چاند کا کوئی ثبوت نہیں ملا بوجہ ابر کے، لہٰذا اس وجہ سے عالم نے جمعرات کے روزے سے منع کر دیا اور اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا۔ اس نے عالم سے دلیل مانگی تو عالم نے یہ عبارت پڑھی:

"وينبغي للناس أن يلتمسوا الهلال في اليوم التاسع والعشرين من شعبان، فإن غم عليكم الهلال، فأكملوا عدة شعبان ثلاثين يوماً، ثم صاموا، لا يصام يوم الشك، لقوله عليه السلام: "من صام يوم الشك فقد عصى أبا القاسم". فإن علم نية الشك لا يصام. "لا تصوموا قبل رمضان، صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن حال بينكم وبينه سحاب، فأكملوا العدة ثلاثين، ولا تستقبلوا الشهر استقبالاً"۔

لہٰذا ان دلائل کی وجہ سے عالم نے رمضان کا روزہ جمعرات کے دن مکروہ تحریمی قرار دیا اور حکم دیا کہ لوگوں سے منادی کرائی جائے کہ جمعرات کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے اور روزہ نہیں رکھا جائے گا۔ جب عالم نمبر ۱، و عالم نمبر ۲، کے اختلاف کی بنا پر بعض نے روزہ رکھا اور بعض نے نہیں رکھا اور بعض نے روزہ رکھ کر دن میں توڑ دیا عالم دوم کے کہنے پر۔ عالم اول کا کہنا ہے کہ گناہ ہوا اور اس کی کوئی حد نہیں ہو سکتی، عالم دوم نے کہا کہ قضاء ہے کیونکہ وہ دن ہی رمضان کا تھا۔ اس حالت میں یوم الشک قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ فقط۔

خاکسار عبد الحمید ضلع بجنور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۲۹/ رجب کو ابر وغیرہ کی وجہ سے جب چاند نظر نہ آئے، نہ شرعی شہادت حاصل ہو تو مہینہ ۳۰ کا شمار کرنا چاہئے، محض احتمال کی وجہ سے اگلے روز آئندہ ماہ کی یکم قرار دینا درست نہیں، یہ حکم رجب، شعبان، رمضان وغیرہ ہر ماہ کے لئے عام ہے۔ عالم نمبر ۱، نے صورت مسئولہ میں جو مفتی ہونے کی حیثیت سے یوم الشک میں روزہ رکھا ہے درست ہے اور یہی حکم شریعت کا ہے، لیکن یہ روزہ رمضان کا نہیں، بلکہ خالص نفلی روزہ ہے۔ عالم نمبر ۱، سے دو قسم کی کوتاہی ہوئی ہے: اول یہ کہ انہوں نے عوام کو بتایا نہیں کہ یہ نفلی روزہ ہے جس سے عوام سمجھے کہ یہ رمضان کا روزہ ہے، کہ انہوں نے یوم الشک میں عوام کو روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار دیا، حالانکہ عوام کے لئے یہ حکم نہیں ہے، بلکہ عوام کے لئے یہ حکم ہے کہ دوپہر تک انتظار کریں، کہ ممکن ہے کہ کہیں سے شہادت آ جائے

پھر اگر زوال تک شہادت نہ آئے تو اس وقت کھائیں پئیں۔ نیز عالم نمبر ۱ کو اپنے روزہ کا اخفا کرنا چاہیے تھا، اگر اظہار کی ضرورت پر اظہار کرے تو رمضان ہونے کا شبہ نہ ہو۔

عالم نمبر ۲ نے یوم الشک کے روزہ کو مکروہ تحریمی فرمایا یہ صحیح ہے مگر دو قسم کی کوتاہی ان سے بھی ہوئی ہے: اول یہ کہ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ کس کا روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ عالم نمبر ۱ نے جو روزہ رکھا ہے وہ بھی مکروہ تحریمی ہے، حالانکہ حضرات کو زوال کے وقت تک انتظار کا حکم دینا چاہیے تھا، اگر شہادت نہ آتی تب کھانے پینے کا حکم دیتے۔ نیز عالم نمبر ۲ نے یہ بھی تفصیل نہیں کی کہ مفتی کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی نہیں (کیونکہ وہ خالص نفلی روزہ رکھتا ہے) اور عوام کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہ اس کو رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھتے ہیں جب کہ ثبوت رمضان کا نہیں ہوا، اور لوگوں نے روزہ توڑ دیا خواہ خود توڑ دیا یا عالم نمبر ۲ کے کہنے پر توڑا تو عالم نمبر ۱ نے ان کے ذمہ قضاء و کفارہ کا لزوم کس دلیل سے کیا؟ ان سے مطالبہ کیا جائے:

"وكره فيه، أي يوم الشك كل صوم من فرض وواجب وصوم رَدَّد فيه بين نفل وواجب، إلا صوم نفل جزم به بلا ترديد بينه وبين صوم آخر فإنه لا يكره لحديث السرار، إذا كان على وجه لا يعلم العوام ذلك لئلا يعتادوا صومه، وإن ظهر أنه من رمضان أجزأ عنه، أي عن رمضان ما صامه بأي نية كانت، وهو ما إذا ظهر أنه من رمضان فإنه يجزئ عنه، فكأنه لم يشرع ملتزماً بل مسقطاً من الوجه، فلا قضاء عليه لو أفسده، والمختار أن يأمر المفتي العامة بالتلوم: أي بالانتظار بلا نية صوم في ابتداء يوم الشك، ثم يأمر العامة بالإفطار إذا ذهب وقت إنشاء النية ولم يتبين الحال، ويصوم فيه نفلاً المفتي والقاضي" اھ. مراقی الفلاح و طحطاوی مختصراً، ص: ۳۵۵ (۱)۔

"ولا يصح صوم يوم الشك إلا نفلاً، ويكره غيره، ولو جزم أن يكون عن رمضان كره تحريماً، والتنفل فيه أحب إن وافق صوماً يعتاده، ولا يصومه العوام، ويفطر غيرهم بعد

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۶۴۲-۶۵۰، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمي)

فرمادیں؛ کیونکہ اس مسئلہ میں ابوتراب کا کوئی کی ایک کتاب دیکھنے میں آئی ہے، انہوں نے بغیر حوالہ کے لکھا ہے جس سے تشویش ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲۷/رجب، ۲۵/ذی قعدہ، ۸/ذی الحجہ، ۲۲/محرم، ۱۲/ربیع الاول، ان پانچ دن کے روزوں کے متعلق کوئی صحیح حدیث کتب حدیث میں مذکور نہیں، نہ فقہاء نے ان ایام میں روزہ رکھنے کی فضیلت بیان کی ہے۔ عوام میں ۲۷/رجب کے متعلق بہت بڑی فضیلت مشہور ہے، مگر وہ غلط ہے، اس فضیلت کا اعتقاد بھی غلط ہے، اس نیت سے روزہ رکھنا بھی غلط ہے، "ماثبت بالسنۃ" وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ۔

گرمی کے روزہ کا ثواب زیادہ ہے

سوال[۴۸۶۸]: کیا روزہ دار اس رمضان میں جس میں روزہ گرمیوں میں پڑے زیادہ ثواب کی امید رکھتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گرمی کے ایام میں روزہ کا ثواب زیادہ ملتا ہے، اس کلیہ سے بھی معلوم ہوتا ہے: "أجرك على قدر نصبك" نیز افطار کے وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان الفاظ کا فرمانا ثابت ہے: "كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إذا أفطر قال: "ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الأجر إن شاء الله تعالى" ابوداؤد شریف(۲)۔

---

(۱) "اعلم أنه لم يوجد في كتب الأحاديث لا إثباتاً ولا نفياً ما اشتهر بينهم من تخصيص الخامس عشرين من رجب بالتعظيم والصوم والصلوة وتسميته صوم الاستفتاح وتسميته بهزاري روزه" (ماثبت بالسنة، ص: ۲۲)

(۲) (سنن أبي داود: ۱/۳۲۱، كتاب الصوم، باب القول عند الإفطار، مكتبه إمداديه ملتان)

(فيض القدير: ۵/۲۹۳۲، رقم الحديث: ۶۸۸۹، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

روزہ میں جس قدر پیاس کی شدت ہوگی، رگیں خشک ہوجائیں گی اسی قدر اجر زیادہ ملے گا (ان شاء اللہ)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بعد عصر نہ کھانے سے روزہ کا ثواب

سوال [۲۸۶۹]: کچھ آدمی عصر ومغرب کے درمیان بالکل کھانا پینا بند کردیتے ہیں، حالانکہ دنیا کے اور کام کرتے ہیں، یہ خیال کرتے ہیں کہ نفل روزہ کا ثواب ملے گا، یہ کہاں تک صحیح ہے اور اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بالکل جہالت ہے شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

پندرہ شعبان کو روزہ رکھنا

سوال [۲۸۷۰]: ہمارے یہاں گزشتہ سال پندرہویں شعبان کا روزہ نہیں رکھا گیا اور کہا گیا کہ یہ روزہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ علاوہ ازیں آپ روزہ کو بدعت قرار دیتے ہیں، کیا فضائل میں ضعیف حدیثوں کا اعتبار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"عن علي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا كانت ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها، وصوموا يومها، فإن الله تعالى ينزل فيها لغروب الشمس إلى السماء الدنيا، فيقول الله تعالى: (ألا من مستغفر فأغفر له، ألا من مسترزق فأرزقه، ألا من مبتلى فأعافيه، ألا كذا ألا كذا)، حتى يطلع الفجر". رواه ابن ماجه". مشكوة

---

(۱) "هو (أي الصوم): إمساك عن المفطرات حقيقة أو حكماً في وقت مخصوص وهو اليوم، من شخص مخصوص مع النية المعهودة". (الدر المختار). "(قوله: وهو اليوم): أي اليوم الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب". (رد المحتار، كتاب الصوم: ۳۷۱/۲، سعيد)

شریف، ص: ۱۱۵(۱)۔ ابن ماجہ میں یہ روایت صفحہ: ۱۰۰ پر ہے(۲)۔

سند کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے، فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال درست ہے:

"ویجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد ورواية ما سوى من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالى والأحكام كالحلال والحرام وغيرهما، وذلك كالقصص وفضائل الأعمال والمواعظ وغيرهما مما لا تعلق له بالعقائد والأحكام" اهـ

تدریب الراوی، ص: ۱۹۶(۳)۔

پس اس روزہ کو بدعت کہنا درست نہیں جبکہ اس کے متعلق حدیث شریف موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۲/۹۲ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---
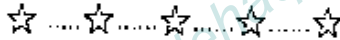
(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، باب قیام شہر رمضان، الفصل الثالث، ص: ۱۱۵، قدیمی)

(۲) (ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی صلوۃ التسبیح، ص: ۱۰۰، میر محمد کتب خانہ)

(۳) (تدریب الراوی، ص: ۱۹۶، قدیمی)

دف، یا نقارہ، یا ڈھول، یا بارود کا گولہ، یا گھنٹہ بجانا درست ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو تمام باجے یا کوئی خاص باجا مثلاً دف اور جملہ امور شادی بیاہ بارات نکاح کے لئے جائز ہے، یا صرف انہی امور مثل مذکورہ بالا کے لئے جائز ہے؟ اور مسجد کی چھت یا مسجد کے فرش یا مینار یا برج پر بھی جائز ہے اور افطاری کے وقت قبل اذان یا بعد اذان بجانا چاہیے؟ بعض مقام ایسے ہی ہیں جس جگہ اہلِ ہنود بوجہ عظمت کے منع کرتے ہیں یعنی اذان بلند آواز سے نہیں ہونے دیتے، اس جگہ یہ نقارہ وغیرہ بجا دیا جائے یا عام جگہ؟ اور اس سے شبہ ہوتا ہے کہ جو موافقت کرے غیر قوم کی وہ انہیں میں سے ہے۔ تمام باجوں کے ساتھ شیطان ہے، تمام کاموں کے واسطے فرمایا منادی ہونی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سحری کا یا افطاری کا وقت معلوم نہ ہوتا ہو اور روزہ داروں کے فساد کا اندیشہ ہو تو نقارہ بجانا، یا گھنٹہ بجانا، بارود کا گولہ بجانا درست ہے(۱)، لیکن مسجد یا اس کی چھت پر نہیں چاہیے، بلکہ مسجد سے ہٹ کر کسی دوسرے مکان یا بلند مقام پر چاہیے، کیونکہ یہ چیز احترامِ مسجد کے خلاف ہے(۲)۔ نماز کے لئے شریعت نے اذان مقرر فرما دی

---

(۱) "بسحر بقول عدل، وكذا بضرب الطبول، واختلف في الديك. وأما الإفطار، فلا يجوز بقول الواحد بل بالمثنى، وظاهر الجواب أنه لا بأس به إذا كان عدلاً صدقه ... وبالأولى سماع الطبل أو المدفع الحادث في زماننا، لاحتمال كونه لغيره، ولأن الغالب كون الضارب غير عدل، فلابد حينئذ من التحري ليجوز". (رد المحتار: ۲/۴۰۷، مطلب: جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

"وقد يقال: إن المدفع في زماننا يفيد غلبة الظن وإن كان ضاربه فاسقاً؛ لأن العادة أن الموقت يذهب إلى دار الحكم آخر النهار فيعين له وقت ضربه ويعينه أيضاً للوزير وغيره، وإذا ضربه يكون ذلك بمراقبة الوزير وأعوانه للوقت المعين، فيغلب على الظن بهذه القرائن عدم الخطأ وعدم قصد الإفساد، وإلا لزم تأثيم الناس وإيجاب قضاء الشهر بتمامه عليهم، فإن غالبهم يفطر بمجرد سماع المدفع من غير تحر ولا غلبة ظن. والله تعالى أعلم". (رد المحتار، مطلب في جواز الإفطار بالتحري: ۲/۴۰۷، سعيد)

(۲) قال القرطبي: "وتصان المساجد أيضاً عن البيع والشراء وجميع الاشتغال، لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم للرجل الذي دعا إلى الجمل الأحمر: "لا وجدت، إنما بنيت المساجد لما بنيت له" ..... —

ہے لہٰذا اس کے لئے ان چیزوں کی ضرورت نہیں (۱)۔ نمازِ عید کے وقت کا پہلے سے اعلان کر دیا جائے جب کہ اذان کی ممانعت اس وجہ سے ہے تو اس قدر بلند آواز سے نہ کہی جائے جس سے ناقابلِ برداشت فتنہ پیدا ہو لیکن بالکل ترک کرنا بھی نہیں چاہیے، بلکہ کسی قدر درست آواز سے کہہ لیا کریں، آخر تکبیر بھی تو کہتے ہی ہوں گے، پس بے تکلف اور بلند آواز سے کہہ لیں۔ نکاح کے اعلان کے لئے دف بجانا بغیر جھانجھ کے درست ہے (۲) اور کسی باجے کی کسی کام کے لئے قطعاً اجازت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم، ۲۰/ ربیع الثانی/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۲۰/ ربیع الثانی/ ۱۳۶۰ھ۔

= "وهذا يدل على أن الأصل ألا يعمل في المسجد غير الصلوات والأذكار وقراءة القرآن". (الجامع لأحكام القرآن: ۳/ ۲۷۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"السادس أن لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية ۵/ ۳۲۱، رشيدية)

(۱) قال العلامة النووي رحمه الله: "لقد صح في حديث عبد الله بن زيد بن عبد ربه في سنن أبي داؤد والترمذي وغيرهما أنه رأى الأذان في المنام، فجاء إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يخبره به، فجاء عمر رضي الله تعالى عنه فقال: يا رسول الله! والذي بعثك بالحق! لقد رأيت مثل الذي رأى -وذكر الحديث- فهذا ظاهر أنه كان في مجلس آخر، فيكون الواقع الإعلام أولاً، ثم رأى عبد الله بن زيد الأذان فشرعه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بعد ذلك إما بوحي وإما باجتهاده صلى الله تعالى عليه وسلم على مذهب الجمهور في جواز الاجتهاد، وليس هو عملاً بمجرد المنام، وهذا مما لا شك فيه". (شرح النووي على صحيح مسلم: ۱/ ۱۶۳، كتاب الصلوة، باب الأذان، قديمي)

(۲) قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالى في شرح حديث عائشة رضي الله تعالى عنها: "واضربوا عليه بالدفوف":

"قال الفقهاء: المراد بالدف ما لا جلاجل له، كذا ذكره ابن الهمام". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط ۶/ ۳۱۲، (رقم الحديث: ۳۱۵۲)، رشيدية)

(۳) قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالى: "وما ذكرنا يعلم ما في الاستدلال بها على حرمة الملاهي كالرباب والجنك والطنبور والكمنجة والمزمار وغيرها من الآلات المطربة ..... أنه صلى الله =

سحر وافطار کی اطلاع بذریعہ سائرن

سوال[۴۸۷۲]: شہر سہارنپور میں عرصۂ دراز سے رمضان المبارک میں سحر وافطار کے وقت گولے چھوڑے جاتے ہیں، اب تقریباً آٹھ دس جگہ گولے چھوڑے جاتے ہیں اور ان میں تھوڑا لیٹ ٹائم میں فرق ہوجاتا ہے اور تقریباً چالیس روپے روزانہ خرچ ہوتے ہیں، جامع مسجد میں تین سوروپے ہر سال خرچ آتا ہے۔ اور گولا سبزی منڈی میں چھوڑا جاتا ہے، ایسی صورت میں کسی کو چوٹ آجانے کا بھی خطرہ ہے جس سے ناحق جھگڑا کھڑا ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر جامع مسجد کی طرف سے ایک سائرن خرید لیا جائے تو تمام شہر کو آواز پہونچ جائے اور سحر وافطار صحیح طریقہ پر ہوجائے اور رقم بھی بچ جائے۔ شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہاں سحر وافطار کی اطلاع جامع مسجد کے ذمہ ہے تو موجودہ انتشار کا دفعیہ، جھگڑے سے تحفظ سائرن سے ہوجائے تو ذمہ داران جامع مسجد کے مشورہ سے سائرن خرید سکتے ہیں، اس کو مسجد سے باہر کسی سہ دری وغیرہ میں رکھا جائے، اگر رائے متفق نہ ہو تو اہلِ وسعت اس کا انتظام کرلیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۱۳۹۰ھ۔

جس لاؤڈ اسپیکر پر گانے گائے جائیں اس سے سحری کے لئے جگانا

سوال[۴۸۷۳]: لاؤڈ اسپیکر پر فحش گانے ہوتے ہیں، بعض قوالیاں بھی ہوتی ہیں، اس طرح سحری کے لئے جگانا جائز ہے یا نہیں؟ شادی بیاہ کے موقع پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر اس طرح گانے بجانا جائز ہے یا نہیں؟ اور

= تعالیٰ علیہ وسلم قال: "لیکونن فی أمتی قوم یستحلون الخز والخمر والمعازف" وھو صریح فی تحریم جمیع آلات اللہو المطربۃ". (روح المعانی: ۲۱/۷۶، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۱) "یتسحر بقول عدل، وکذا بضرب الطبول. واختلف فی الدیک. وأما الإفطار فلا یجوز بقول الواحد بل بالمثنی، وظاهر الجواب أنہ لا بأس بہ إذا کان عدلاً صدقہ ...... وبالأولی سماع الطبل أو المدفع الحادث فی زماننا، لاحتمال کونہ لغیرہ، ولأن الغالب کون الضارب غیر عدل. فلا بد حینئذ من التحری فیجوز". (رد المحتار: ۲/۴۰۶، مطلب: جواز الإفطار بالتحری، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ: ۱/۱۹۵، کتاب الصوم، الباب الأول فی تعریفہ، رشیدیہ)

لاؤڈ اسپیکر سے جو روپیہ کمایا جاتا ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ کوئی عالم فاضل اگر ایسے شخص کے یہاں ٹھہرے یا کھانا کھاوے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

لاؤڈ اسپیکر پر اس طرح نظمیں گا کر سحری کے لئے جگانا ممنوع ہے، احترام رمضان کے بھی خلاف ہے، فی نفسہ بھی ناجائز ہے، شادی بیاہ میں بھی یہ چیز منع ہے (۱)، اس طرح روپیہ کمانا بھی منع ہے۔ اہل علم کو ایسے روپیہ سے دعوت قبول نہیں کرنا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۹۰ھ۔

غروب شمس کی علامت کیا ہے؟

سوال [۵۷۰۹]: افطار غروب شمس کے بعد فوراً ہونا چاہئے، لیکن غروب شمس ہے کیا؟ کیا شمس کی طرف اعلیٰ کا آنکھ سے غائب ہونے کا نام ہے، یا کہ غروب شمس کے لئے ظلمت من المشرق بھی ضروری ہے جس طرح شامی جلد ۲، میں شرط لگائی ہے؟

---

(۱) "اختلفوا في التغني المجرد، قال بعضهم: إنه حرام مطلقاً، والاستماع إليه معصية، وهو اختيار شيخ الإسلام..... قال رحمه الله تعالى: السماع والقول والرقص الذي يفعله المتصوفة في زماننا حرام لا يجوز القصد إليه والجلوس عليه، وهو والغناء والمزامير سواء..... وسئل أبو يوسف رحمه الله تعالى عن الدف أتكرهه في غير العرس بأن تضرب المرأة في غير فسق للصبي؟ قال: لا أكرهه، وأما الذي يجيء منه اللعب الفاحش للغناء، فإني أكرهه، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي والأمر بالمعروف: ۵/۳۵۱، ۳۵۲، رشيدية)

(۲) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثه أو استقرضه من رجل، كذا في الينابيع. ..... آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل ولا يأكل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، ۳۴۳، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت جرم شمس غائب ہوتا ہے جب ہی مشرق سے ظلمت ظاہر ہوتی ہے، چونکہ ہر شخص کی نظر جرم شمس پر نہیں پڑتی اس لئے ظہور ظلمت کو اس کی علامت قرار دیا گیا ہے کہ یہ ایک حسی چیز ہے جس کو ہر شخص پہچان لیتا ہے، شامی کی عبارت کا مطلب بھی یہی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ذی الحجہ/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ذی الحجہ/۶۷ھ۔

روزہ کس چیز سے افطار کیا جائے؟ اور نمک واورک سے افطار کرنا

سوال [۴۸۷۵]: ہمارے یہاں لوگ نمک واورک سے یا چاول، اورک ونمک سے افطار کرتے ہیں اور اس کو شریعت سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کہیں جاتے ہیں اور روزہ کھولنے میں راستہ میں افطار کرنا ہو تو، یہ سمجھ کر تھوڑا چاول ونمک باندھ لیتے ہیں۔ اسے ایک صاحب نے بے بنیاد اور بدعت کہا ہے اور کہا ہے کہ افضل خرما ہے، پھر میٹھی چیز سے، پھر پانی سے افطار کرتے ہے۔ ان صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمک یا اورک یا چاول سے افطار کو سنت یا مستحب سمجھنا اور اس کو حکم شرعی تصور کرنا غلط اور بے اصل ہے، ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور سے افطار کرنا سنت سے ثابت ہے اور اگر کھجور میسر نہ آئے تو خشک چھوارے سے، وہ بھی نہ ہو تو پانی سے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۸/۹۱ھ۔

---

(۱) "ويستحب السحور وتأخيره وتعجيل الفطر" (الدر المختار) "أي إلا في يوم غيم، ولا يفطر ما لم يغلب على ظنه غروب الشمس، وإن أذن المؤذن. بحر عن الزيلعي. وفيه عن شرح الجامع لقاضيخان: التعجيل المستحب قبل اشتباك النجوم. قال في الفيض: ومن كان على مكان مرتفع كمنارة إسكندرية، لا يفطر ما لم تغرب الشمس عنده، ولأهل البلدة الفطر إن غربت عندهم قبله".

(رد المحتار: ۲/۴۱۹، ۴۲۰، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "عن سلمان بن عامر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا كان =

بازار میں فروخت ہونے والے پھلوں سے افطار

سوال [۴۸۷۷]: ہمارے شہر میں یہ رواج ہوگیا ہے کہ اکثر و بیشتر آم، امرود، بیر وغیرہ کی بیع پھول اور پھل آنے سے قبل کردی جاتی ہے، اس قسم کے پھل کھانا حرام یا مکروہ ہے، حضرت تھانوی کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اس قسم کے پھل نہیں کھاتے تھے، مگر دور حاضر کے علماء و صلحاء و اتقیاء اکثریت اس قسم کے کھانے سے قطعاً احتراز نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام اس کو بے تکلف کھاتے ہیں اور ناجائز نہیں سمجھتے ہیں، تو کیا اس کی وجہ سے کچھ گنجائش نکل آئی ہے، اور حرمت میں کچھ تخفیف ہوئی ہے؟ نیز رمضان المبارک میں اس قسم کے پھلوں سے افطار کرنا کیسا ہے؟

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہ "رب صائم لیس له من صیامه الا الجوع" (۱) کے تحت فضائل رمضان المبارک میں تحریر فرماتے ہیں کہ: "اس سے مراد وہ ہے جو حرام سے افطار کرتا ہے" (۲)۔ کیا ثمرات مذکورہ سے روزہ افطار کرنا تو اس میں داخل نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ بیع باطل ہے (۳)، جس پھل کے متعلق یہ معلوم ہو کہ اس کی بیع باطل ہوئی ہے، اس کا کھانا جائز

= أحدكم صائماً فليفطر على التمر، فإن لم يجد التمر فعلى الماء، فإن الماء طهور". (سنن أبي داود: ۱/۳۲۸، كتاب الصوم، باب ما يفطر عليه، إمدادية ملتان)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من وجد تمراً فليفطر عليه، ومن لا، فليفطر على ماء، فإن الماء طهور". (جامع الترمذي: ۱/۱۴۹، كتاب الصوم، باب ما يستحب عليه الإفطار، سعيد)

(۱) (سنن ابن ماجة، باب ما جاء في الغيبة والرفث للصائم، كتاب الصيام: ۱/۱۲۱، قديمي)

(۲) (فضائل اعمال، فصل اول، ص: ۶۶۰، کتب خانہ فیضی لاہور)

(۳) قال ابن عابدين: "قال في الفتح: لا خلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر، ولا في عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح". (رد المحتار: ۴/۵۵۵، فصل فيما يدخل في البيع تبعاً وما لا يدخل، سعيد)

وفي التكملة: "أن بيع الثمار قبل ظهورها ... لم يقل أحد بجوازه، سواء جرى به التعامل =

نہیں نہ افطار میں نہ بغیر رمضان کے۔ حضرت تھانوی کے متعلق یقین ہے کہ وہ ایسا پھل نوش نہیں فرماتے تھے، مگر یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ پھل بالکل ہی نوش نہیں فرماتے تھے۔ اگر کاشت کی زمین کو سال دو سال کے لئے اجارہ پر لے لیا جائے تو اس کی پیداوار درست ہے(۱)، بہت سے لوگ یہ معاملہ کرتے ہیں، اس لئے پھل کو کلیۃً ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۸/۹۰ھ۔

نمازِ مغرب افطار کے کتنے منٹ بعد

سوال [۴۸۶۸]: رمضان المبارک میں روزہ افطار کرنے کے بعد مغرب کی نماز کی جماعت میں کتنی دیر کی تاخیر کی جاسکتی ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے لئے افطار کے فوراً بعد کھڑا ہونا چاہیے، کچھ کہتے ہیں کہ محلے کے لوگوں کے آنے کے بعد دس منٹ تک انتظار کیا جاسکتا ہے۔ براہِ مہربانی جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان وجماعت میں اتنا فصل کیا جائے کہ بآسانی جماعت افطار سے فارغ ہوکر کلی وغیرہ کرلیں اور شروعِ جماعت سے شریک ہوسکیں۔ جو لوگ اپنے مکان پر افطار کرتے ہیں، ان کو بھی چاہیے کہ افطار میں زیادہ وقت خرچ نہ کریں اور اپنے انتظار میں تمام حاضرینِ مسجد کو نہ روکے رہیں، آپس کی مصالحت سے وہاں کے

= أولاً". (تکملة فتح الملهم ۱/ ۳۹۳)

"عن زيد بن ثابت رضي الله تعالى عنه قال: كان الناس ... فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لما كثرت عنده الخصومة في ذلك: "فإما لا، فلا تبايعوا حتى يبدو صلاح الثمر". (إعلاء السنن: ۱۴/ ۳۹، كتاب البيوع، باب بيع الثمار قبل بدو الصلاح)

(و) قال الشيخ المفتي كفایت الله رحمه الله تعالى: "اس کے جائز ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس معاملہ کو زمین کے اجارہ کے طور پر کیا جائے، یعنی مثلاً پھلوں کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے تو آٹھ سو روپے پھلوں کی قیمت قرار دیں اور دو سو روپے میں زمین کو اجارہ پر دے دیں اور پھلوں کی جو آخری مدت ہے وہ اجارہ کے لئے متعین کی جائے تو اس طرح پھلوں کا درخت پر رکھنا جائز ہوگا"۔

(کفایت المفتی ۸/ ۴۳، کتاب البیوع، باب بیع باطل و فاسد، دار الاشاعت)

اختیار ہے کہ دونوں میں جیسا مناسب ہو تجویز کرلیں، اس میں نزاع نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۸ھ۔

افطار کے وقت اجتماعی دعا ثابت نہیں ہے

سوال [۴۸۷۹]: بعض لوگ ماہِ رمضان المبارک میں افطار سے قبل ایک جگہ مسجد میں اکٹھے ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک روزہ دار دعا کراتا ہے اور سب لوگ آمین کہتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں رائج تھا، یا بعد کے بزرگوں نے رائج کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ کہ ایسے وقت اس طرح اجتماعی دعا کی جائے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور فقہائے مجتہدین سے ثابت نہیں۔ اگر امام صاحب تعلیم کے لئے ایک دو دفعہ دعا کرادیں پھر روزہ دار اپنی اپنی جداگانہ دعا کیا کریں تو بہتر ہے اور اس اجتماعی کو ترک کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۰ھ۔

افطار کے وقت اجتماعی دعا کرنا

سوال [۴۸۸۰]: حضرت شیخ الحدیث صاحب اپنی کتاب فضائل رمضان ص: ۲۰ پر لکھتے ہیں کہ

---

(۱) مغرب کی نماز زیادہ دیر تک مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر کوئی عذر ہو مثلاً کھانا حاضر ہو یا سفر کی حالت میں ہو تو فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، البتہ افطار کے وقت پانچ دس منٹ کا وقفہ بطریق اولیٰ جائز ہے:

"وأخر المغرب إلى اشتباك النجوم، أي كثرتها (كره)، أي التأخير لا الفعل؛ لأنه مأمور به (تحريماً) إلا بعذر كسفر، وكونه على أكل" (الدر المختار).

"قوله: وكونه على أكل، أي لكراهة الصلاة مع حضور طعام تميل إليه نفسه، ولحديث: "إذا أقيمت الصلاة وحضر العشاء، فابدؤوا بالعشاء". رواه الشيخان". (رد المحتار، كتاب الصلاة: ۱/۳۶۸، سعيد)

بعض روایت میں آتا ہے کہ افطار کے وقت دعاء قبول ہوتی ہے" اس وقت کی بعض دعاء مخصوص لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "کسی دعاء کی تخصیص نہیں، اجابت دعاء کا وقت ہے، اپنی اپنی ضرورت کے لئے دعاء فرمائیں، یاد آجائے تو اس سیہ کار کو بھی شامل فرمالیں کہ سائل ہوں اور سائل کا حق ہوتا ہے"(۱)۔

اب یہاں پر سوال یہ ہے کہ ہم لوگ پورے گاؤں کے ۶۰-۷۰/آدمی ہیں جو ایک ساتھ جمع ہو کر مسجد میں ایک دسترخوان پر روزہ افطار کرتے تھے، اکثریت جاہلوں کی ہے جن کو صحیح طریقہ پر آداب رمضان بھی نہیں معلوم ہیں، روزہ افطار کی دعاء بھی سوائے دو چار آدمی کے کسی کو نہیں معلوم ہے اور سب اپنا اپنا افطار لے کر ٹھیک افطار کے وقت مسجد میں پہنچتے تھے۔ ایسی حالت میں امام صاحب نے یہ سمجھتے ہوئے کہ ایسے متبرک وقت دعاء کی مقبولیت کا ضائع ہو جائے، عوام سے یہ کہہ کر کہ بھائی یہ وقت بہت متبرک ہے دعاء کرو، اور دسترخوان بچھا ہوا ہے، امام صاحب نے دعاء کے لئے ہاتھ اٹھایا اور دل ہی دل میں دعاء مانگا اور عوام نے بھی آمین کہا، اس کے بعد روزہ افطار کیا۔ امام صاحب نے محض اس خیال سے کیا تاکہ عوام کے ذہن نشین ہو جائے کہ اس وقت دعاء مانگنے کی بڑی فضیلت ہے، لہذا تفصیل سے جواب دیا جائے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسئلہ بتلانے کے لئے امام صاحب نے دعاء کرادی ٹھیک کیا ہے، مگر اجتماعی حیثیت سے اس دعاء کی پابندی نہ کریں، بلکہ وقتاً فوقتاً ان کو متنبہ کرتے رہا کریں کہ اس وقت دعاء قبول ہوتی ہے، ہر شخص اپنی اپنی حاجت کے لئے دعاء مانگے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) فضائل اعمال، ص: ۲۵۳، کتب خانہ فیضی لاہور)

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "ثلاثة لا ترد دعوتهم الصائم حتى يفطر ... الخ". (سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب في الصائم لا ترد دعوته: ۱۲۶/۱، مير محمد كتب خانه كراچي)
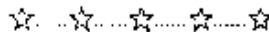
باب المتفرقات

تارکِ صوم کو کتے اور سور کی طرح سمجھنا

سوال [۵۸۸۱]: ایک اشتہار ارسال ہے (جس کو دیکھ کر فتویٰ عطا کریں) شریعتِ محمدیہ میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ جو مسلمان ہو کر رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھے اور نماز نہ پڑھے وہ ہرگز مسلمان نہیں، وہ کتے اور سور سے بدتر ہے، ایسے لوگوں پر لعنت کرنا چاہیے، ان سے تعلقات منقطع کرنا چاہیے۔ اس اشتہار کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رمضان المبارک کا روزہ اسلام کا عظیم الشان رکن ہے، اس کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے: ﴿كتب عليكم الصيام﴾ (۱) ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾ (۲) بلا عذرِ شرعی کے بغیر رمضان المبارک میں کھانا پینا بڑی انتہائی جسارت اور رمضان المبارک کی توہین اور اللہ پاک کی نافرمانی ہے جس کا وبال دنیا میں بھی سخت ہے اور آخرت میں بھی عذاب سخت ہے (۳)۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو قرآن پاک اور حدیث شریف کے بیان فرمودہ ارشادات سنائے جائیں اور نہایت شفقت ونرمی سے خوف دلایا جائے۔ البتہ

---

(۱) (سورة البقرة: ۱۸۳)

قال الجصاص: "فالله تعالى أوجب علينا فرض الصيام بهذه الآية، لأن قوله تعالى: ﴿كتب عليكم﴾ معناه فرض عليكم". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۲۲۲، باب فرض الصيام، قديمي)

(۲) (سورة البقرة: ۱۸۵)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من أفطر يوماً من رمضان من غير رخصة رخصها الله له، لم يقض عنه صيام الدهر". (سنن أبي داود: ۱/۳۳۴، كتاب الصوم، باب التغليظ فيمن أفطر عمداً، إمدادية ملتان)

(وجامع الترمذي: ۱/۱۵۳، كتاب الصوم، باب ما جاء في الإفطار متعمداً، سعيد)

ہو کوئی تفریق ہے؟ کیونکہ روزہ تو فجر پر کافی ہے۔

فقط محمد رفیق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا روزہ اس صورت میں صحیح ہے کوئی خرابی نہیں، نماز فجر سے پہلے پہلے دونوں نہا لیں، نماز قضا نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

سحری کھانے کے بعد تاخیر سے غسلِ جنابت

سوال [۴۸۸۴]: زید نے رمضان شریف میں سحری کھانے سے قبل اپنی اہلیہ سے قربت کی اور ۸ بجے دن کو غسل کیا اور روزہ رکھا، کیا روزہ میں کوئی خامی ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ درست ہو گیا (۲)، لیکن نماز قضا کرنے کا گناہ بہت بڑا ہوا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۰/۱/۹۱ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "أو أمنى ... أو ذكره في بهيمة من غير إنزال أو مس فرج بهيمة أو قبلها ... أو أصبح جنباً وإن بقي كل اليوم ... لم يفطر". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۹۹، ۴۰۰، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

وكذا في مراقي الفلاح، باب في بيان ما لا يفسد الصوم، ص: ۶۶۰، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۷۵، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، رشيدية)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان "صبح صادق کے بعد غسل جنابت"۔

(۳) "عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه ذكر الصلوة يوماً، فقال: من حافظ عليها، كانت له نوراً وبرهاناً ونجاةً يوم القيامة، ومن لم يحافظ عليها لم يكن له نور ولا برهان ولا نجاة، وكان يوم القيامة مع قارون وفرعون وهامان وأبي بن خلف". (مشكوة المصابيح، ص: ۵۹، كتاب الصلوة، قديمي)

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

اعتکاف واجب، سنت اور نفل کب ہے؟

سوال[۴۸۸۵]: فرض اعتکاف، سنت اعتکاف، نفل اعتکاف کی وضاحت فرمایئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض اعتکاف کوئی نہیں، نذر ماننے سے واجب ہوتا ہے، رمضان میں ایک عشرہ کا اعتکاف سنت ہے، بقیہ جب دل چاہے نفل ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں روزہ ضروری ہے؟

سوال[۴۸۸۶]: رمضان شریف کے آخری عشرہ کا اعتکاف مستحب ہے یا سنتِ مؤکدہ، اگر سنتِ مؤکدہ ہے تو اس میں روزہ رکھنا شرط ہے یا نہیں؟ اگر شرط ہے تو اب دریافت طلب یہ ہے کہ اگر معتکف نے رات سمجھ کر سحری کھائی، پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ اس روز کا روزہ نہ ہوگا، اب جب کہ روزہ نہ ہوا تو کیا اعتکاف بھی فاسد یا ختم ہو جائے گا، اس پر اعتکاف کی قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) "وینقسم إلی واجب وهو المنذور تنجیزاً أو تعلیقاً، وإلی سنة مؤکدة وهو في العشر الأخیر من رمضان، وإلی مستحب وهو ما سواهما". (الفتاوی العالمکیریة: ۲۱۱/۱، الباب السابع في الاعتکاف، رشیدیة)

(وکذا في البحر الرائق: ۵۲۳/۲، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، رشیدیة)

(وکذا في مراقي الفلاح علی نور الإیضاح، ص: [illegible]، باب الاعتکاف، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے(۱) اگر بغیر روزہ کے یہ اعتکاف کیا تو یہ اعتکاف مسنون نہیں ہوگا، بلکہ نفل بن جائے گا، البتہ اگر ایک دن روزہ نہ رکھا تو صرف ایک دن کے اعتکاف کی قضاء لازم ہوگی، شامی ۲/۴۲۹، ۲/۴۳۱ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

اعتکاف کے لئے شرائط جمعہ کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال [۴۸۸۷]: جس گاؤں میں جمعہ کے شرائط نہیں وہاں اعتکاف اخیر عشرہ میں علی الکفایہ مؤکدہ ہے یا نہیں؟ اگر مؤکدہ ہے تو جمعہ کے لئے جس قصبہ میں جمعہ ہوتا ہے معتکف وہاں جاکر جمعہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں، اعتکاف فاسد تو نہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف کے لئے جمعہ کی شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ وہ ہر جگہ شہر ہو یا گاؤں میں مسنون علی الکفایہ ہے، البتہ مسجد ایسی ہو جس میں جماعت ہوتی ہو(۳) گاؤں والوں پر نہ جمعہ فرض ہے نہ سنت مؤکدہ ہے، لہذا ان

(۱) "وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان: أي سنة كفاية، كما في البرهان". (الدر المختار: ۲/۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(۲) "ومقتضى ذلك أن الصوم شرط أيضاً في الاعتكاف المسنون؛ لأنه مقدر بالعشر الأخير، حتى لو اعتكفه بلا صوم لمرض أو سفر ينبغي أن لا يصح عنه، بل يكون نفلاً، فلا تحصل به إقامة سنة الكفاية ... أما على قول غيره، فيقضي اليوم الذي أفسده؛ لاستقلال كل يوم بنفسه". (رد المحتار: ۲/۴۴۲، ۴۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، ۲۱۳، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(۳) "هو لبث ذكر في مسجد جماعة، هو ما له إمام ومؤذن أديت فيه الخمس أو لا، وعن الإمام اشتراط أداء الخمس فيه". (الدر المختار: ۲/۴۴۰، باب الاعتكاف، سعيد)

کو جمعہ کے لئے شہر میں تو جانا جائز نہیں، اگر آوے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا اعتکاف ہر مسجد، ہر شہر میں ضروری ہے؟

سوال[۴۸۸۸]: کتنی آبادی پر ایک آدمی کا اعتکاف کافی ہوگا، مثلاً: جیسے مدراس، بنگلور، دہلی، بمبئی وغیرہ میں ایک آدمی کا اعتکاف کافی ہوگا یا کئی آدمیوں کو بیٹھنا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل بات یہ ہے کہ ہر مسجد میں کم از کم ایک آدمی اعتکاف کرے(۲)، اس سنت کی طرف سے بہت غفلت ہے جو کہ بہت بڑی محرومی ہے، اگر محلہ یا شہر میں ایک بھی معتکف ہے تو کافی ہو جائے گا(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۱۹۹، باب الاعتكاف، قديمي)

(۱) "معتکف صرف حاجت شرعیہ اور حاجت طبعیہ کے لئے نکل سکتا ہے، جیسے جمعہ اگر فرض ہے تو جمعہ کے لئے نکل سکتا ہے … حاجت کے بغیر اور بغیر حاجت کے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔"

(۲) اس سنت کے متعلق دو طرح کی تعبیریں ہیں، روایت عامہ تو یہی ہے کہ یہ سنت علی الکفایہ ہے … اعتکاف ہر مسجد میں سنت ہے، انہوں نے اعتکاف کو اذان کے ساتھ تشبیہ دی ہے، لہٰذا جیسے اذان ہر مسجد میں ہوتی ہے ایسے ہی اعتکاف ہونا چاہیے

"(وسنة مؤكدة) أي سنة كفاية". (الدر المختار) "(قوله: أي سنة كفاية) نظيرها إقامة التراويح بالجماعة، فإذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين". (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

وقال تحت قوله: "والجماعة فيها سنة على الكفاية": أفاد أن أصل التراويح سنة عين … ولعل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أو مسجد واحد منها من [illegible]، ظاهر كلام الشارح الأول … حتى لو ترك أهل محلة كلهم الجماعة فقد تركوا السنة وأساؤوا".

(الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۵، باب التراويح، سعيد)

(۳) "الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، وقيل: سنة على الكفاية حتى لو ترك في بلدة لأساؤوا". (مجامع —

عورت کا اعتکاف گھر پر نفل ہے یا سنت؟

سوال [۴۸۶۹]: گھر پر عورت کا اعتکاف نفل ہوگا یا سنت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ نفل اعتکاف بھی کر سکتی ہے، سنت بھی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ترکِ اعتکاف سے کیا عورت بھی گنہگار ہے؟

سوال [۴۸۷۰]: اگر کسی بستی سے کوئی صاحب معتکف نہ ہوئے تو صرف بالغ مرد گناہگار ہوں گے یا مرد، عورت، بالغ، نابالغ سب ہی گنہگار ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ مکلف نہیں (۲)، ان پر گناہ نہیں۔ عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے، بلکہ اپنے مکان میں ایک جگہ متعین کر کے وہیں اعتکاف کرے (۳)۔ کسی نے بھی نہ کیا تو سب بستی والے ترکِ سنت کے وبال میں گرفتار

= [illegible]: ۲/۷۴۰، فصل في الاعتكاف، مطبع كريميه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۵، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "والمرأة تعتكف في بيتها، وهو محل عينته المرأة للصلاة فيه" (مراقي الفلاح، ص: [illegible]، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۲۲۲، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) "أما شروطه: ومنها الإسلام والعقل والطهارة عن الجنابة والحيض" (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۵، كتاب الاعتكاف، فصل في شرائط صحته، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۲۵، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۳) "والمرأة تعتكف في بيتها، وهو محل عينته المرأة للصلاة فيه" (مراقي الفلاح، ص: [illegible] =

ہوں گے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

نابالغ کا اعتکاف

سوال [۴۸۹۱]: نابالغ بچہ معتکف ہوا، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ اعتکاف کرے گا تو اس کو بھی ثواب ملے گا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

اعتکافِ مسنون میں ایک روز کا استثناء

سوال [۴۸۹۲]: زید رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف مسنون کرتا ہے، اگر اعتکاف کرنے سے قبل یہ نیت کرلے کہ رمضان کی فلاں تاریخ کو ایک روز یا ایک شب کے لئے باہر سفر میں چلا جاؤں گا اور جائے

= باب الاعتکاف، قدیمی)

(وکذا في الفتاوی العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتاوی قاضي خان: ۱/۲۲۲، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(۱) "الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، وقيل: سنة على الكفاية حتى لو ترك في بلدة لأساؤا" (جامع الرموز: ۱/۳۶۷، فصل الاعتكاف، مطبع كريميه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۵، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وأما البلوغ فليس بشرط لصحة الاعتكاف، فيصح من الصبي العاقل؛ لأنه من أهل العبادة، كما يصح منه صوم التطوع". (بدائع الصنائع: ۳/۵، فصل: شرائط صحته، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۰۰، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۴۳، باب الاعتكاف، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف موقوفہ مسجد ہی میں کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۰ھ۔

ویران مسجد اور عیدگاہ میں اعتکاف

سوال [۴۹۹۸]: ویران مسجد یا عیدگاہ میں ایک صاحب نے اعتکاف کیا، مسجد میں کوئی نہ جیتا، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جاتا ہے جہاں اذان، جماعت وغیرہ کا اہتمام ہو، اگر ویران مسجد میں بھی

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأنتم عاکفون في المساجد﴾ (سورة البقرة: ۱۸۷)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالى: "وفي تقييد الاعتكاف بالمساجد دليل على أنه لا يصح إلا في المسجد، إذ لو جاز شرعاً في غيره، لجاز في البيت، وهو باطل بالإجماع .... ويروى عن الإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه مختص بمسجد له إمام ومؤذن راتب". (روح المعاني: ۲/۶۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما: أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان يعتكف العشر الأواخر من رمضان. قال نافع: وقد أراني عبد الله رضي الله تعالى عنه المكان الذي كان يعتكف فيه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من المسجد". (أبو داود، كتاب الصيام، باب أين يكون الاعتكاف: ۱/۳۴۳، دار الحديث)

"وأما شرطه ... فمنها مسجد الجماعة، فيصح في كل مسجد له أذان وإقامة، هو الصحيح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۱/۲۱۱، رشيدية)

"أما حقيقته الشرعية، فهي اللبث المخصوص ... في المسجد". (رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۱، سعيد)

دوسرے محلہ کے آدمی کے ذریعہ اعتکاف کی ادائیگی

سوال[۴۱۰۱]: ۱.....ایک محلہ کا کوئی آدمی اگر دوسرے محلہ کی مسجد میں عشرۂ اخیرۂ رمضان کا اعتکاف کرے تو کیا اس کے اعتکاف کرنے سے اس مسجد کے محلہ والوں سے اعتکاف مسنون ادا ہو جائے گا، یا اس مسجد کے محلہ والوں ہی میں سے کسی کو معتکف بننا ضروری ہے؟

امام کے ذریعہ سنت اعتکاف کی ادائیگی

سوال[۴۱۰۲]: ۲.....ایک محلہ کا کوئی آدمی دوسرے محلہ کا امام ہو تو ان امام صاحب کو اپنی امامت کے محلہ والوں میں سے شرعاً شمار کیا جائے یا نہیں؟ نیز ان کے لئے امامت کی مسجد میں اعتکاف کرنے سے اس محلہ والوں سے اعتکاف مسنون ادا ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....جس محلہ کی مسجد میں اعتکاف کرے گا اس مسجد سے متعلق سنت اعتکاف ادا ہو جائے گی، مگر اہل محلہ کو چاہئے کہ خود ہی اعتکاف کریں، دوسرے محلہ سے بلا کر اعتکاف کرا کے خود محروم نہ رہیں(۱)۔

۲.....یہ امام صاحب جس محلہ کی مسجد کے امام صاحب ہیں، بحق اعتکاف اسی محلہ کے شمار ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۹۲ھ۔

---

(۱) "الاعتکاف سنة مؤكدة مطلقاً. وقيل: سنة على الكفاية، حتى لو ترك في بلدة، لأساؤا". (جامع الرموز: ۱/۳۷۶، فصل الاعتكاف، مطبع كريمي)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۵، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "هذا كله لبيان الصحة . . . وأما أفضل الاعتكاف ففي المسجد الحرام، ثم في مسجده صلى الله تعالى عليه وسلم، ثم في المسجد الأقصى، ثم في الجامع قيل: إذا كان يصلي فيه بجماعة، فإن لم يكن ففي مسجده أفضل، لئلا يحتاج إلى الخروج، ثم ما كان أهله أكثر، نهر". (رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۱، سعيد)

سنت مؤکدہ کی ادائیگی کی کیا شکل ہوگی؟ معتکف کا انتقال ہوگیا، پاگل ہوگیا، پولیس پکڑ لے گئی، مسجد میں آگ لگ گئی، منہدم ہوگئی، دشمن کے خوف سے مسجد سے بھاگ گیا، جمعیت خراب ہوگئی، پیش مقدمات کی، بیوی یا بچہ کا انتقال ہوگیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہر مسجد ومحلہ میں اعتکاف کا اہتمام ہو اور کسی ایک کو اس قسم کا عارضہ پیش آجائے تو بقیہ کا اعتکاف تو ہوتا رہے گا اور سنت کی ادائیگی ہوجائے گی۔ مسجد میں آگ لگنے یا منہدم ہونے سے اگر وہاں سے نکل کر فوراً دوسری مسجد میں چلا گیا تو اعتکاف فاسد نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

معتکف کا ضرورت کے لئے مسجد سے نکل کر کسی سے بات چیت کرنا

سوال [۵۰۱۰]: معتکف بیت الخلاء کے لئے گھر جارہا تھا، راستہ میں دوستوں سے ہنسی مذاق کی بات چیت کھڑے ہوکر کی، یا چلتے چلتے کی، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لغو ہنسی مذاق کہیں بھی نہ کرے، ضروری بات چلتے ہوئے کرلے۔ خارج مسجد بات کرنے کے لئے کھڑا نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فإن خرج من المسجد بعذر بأن انهدم المسجد أو أخرج مكرهاً فدخل مسجداً آخر من ساعته، لم يفسد اعتكافه استحساناً". (الفتاوى العالمكيرية: [illegible]، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/[illegible]، فصل في ركن الاعتكاف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/[illegible]، باب الاعتكاف، إمدادية ملتان)

(۲) "وأما التكلم بغير خير، فلا يجوز لغير المعتكف ... والظاهر أن المباح عند الحاجة إليه خير لا =

تراویح کو مسجد میں پڑھنا سنت علی الکفایہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۹/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

معتکف کا وضو کے لئے گھر جانا

سوال[۴۹۰۸]: اگر معتکف کا وضو ٹوٹ جائے اور پانی مسجد سے باہر ہو، اور کوئی شخص بھی موجود نہ ہو تو کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گھر جا کر وضو کرے اور فوراً واپس آجائے: "ولا بأس بأن يخرج منه للوضوء، ولا يمكث بعد الفراغ". مجمع الأنهر(۲) لیکن یہ حکم واجب اعتکاف کا ہے، مستحب میں وضو کے لئے نکلنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وأما سنتها: فسنتها الجماعة والمسجد، لأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قدر ما صلى من التراويح صلى بجماعة في المسجد، فكذا الصحابة رضي الله تعالى عنهم صلوها بجماعة في المسجد، فكان أداؤها بالجماعة في المسجد سنة.

ثم اختلف المشايخ في كيفية سنة الجماعة والمسجد أنها سنة عين أم سنة كفاية؟ قال بعضهم: إنها سنة على سبيل الكفاية، إذا قام بها بعض أهل المسجد في المسجد بجماعة، سقط عن الباقين". (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، صلوة التراويح: ۱/۶۴۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، مبحث صلوة التراويح: ۲/۴۵، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، تراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكيدمي، لاهور)

(۲) (مجمع الأنهر: ۱/۳۷۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"لا بأس بأن يخرج منه، ويرجع إلى المسجد كما فرغ من الوضوء". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

جت کے لئے اگر اپنے گھر ہی کا عادی ہو تو وہاں چلا جایا کرے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں وضو کا انتظام نہ ہو تو معتکف ندی پر وضو کرلے

سوال [۶۱۱۰]: مسجد میں وضو کے لئے پانی کا انتظام نہیں، قریب ۵۰۰ قدم پر ندی ہے، سب لوگ ندی سے وضو کرکے آتے ہیں۔ معتکف بھی ہر نماز کا وضو کرنے، غسل کرنے، کپڑے دھونے جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک دفعہ جائے، آئندہ کے لئے پانی منگا لے، فرشِ مسجد کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کرلیا کرے، جب پانی ختم ہوجائے اور کوئی لانے والا نہ ہو تو خود چلا جائے، کپڑے بھی فنائے مسجد کے کنارے بیٹھ کر دھولے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وحرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعية كبول وغائط وغسل". (الدر المختار) "لأن الإنسان قد لا يألف غير بيته، فإذا كان لا يألف غيره بأن لا يتيسر له إلا في بيته، فلا يعد التجوز بلا خلاف". (رد المحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(۲) "وأكله وشربه ونومه ومبايعته فيه يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه، لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه ... وقيل يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط". (البحر الرائق: ۲/۵۳۰، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۳، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

۲۔ مسجد میں اس طرح وضو کرنے کے متعلق "لا بأس به" کا لفظ مذکور ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واجب نہیں، بلکہ باہر بھی جاسکتا ہے(۱)۔

۳۔ اگر بغیر سگریٹ کے گذارہ نہیں تو اس کے لئے بھی جاسکتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ پیشاب پاخانہ کے لئے جائے تو یہ کام بھی کرے، پھر منہ خوب مسواک سے صاف کرکے آجائے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۲/۲ھ۔

بار بار بیت الخلاء جانے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا

سوال[۴۱۱۲]: معتکف کو دست لگنے لگے اس وجہ سے دو، تین دن میں گھر جانا پڑتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فلو أمكنه من غير أن يلوث المسجد، فلا بأس به". (رد المحتار: ۲/۴۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۳، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۳۹۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوة المصابيح: ۱/۶۹، باب المساجد ومواضع الصلوة، قديمي)

"ويحرم فيه السؤال ... وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب، وأكل نحو ثوم ويمنع منه". (الدر المختار). "ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولاً أو غيره وكذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة". (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۶۶۱، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، سعيد)

(۳) "أو حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعية كبول وغائط وغسل أو شرعية كعيد" ... —

معتکف کا جنازہ میں شرکت کرنا یا عیادت کرنا

سوال[۴۹۱۲]: معتکف کو شرکت جنازہ وعیادت مریض کے لئے اگر ضرورت ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر آنتشردگی ہو تو اس کو بھی: جب کہ اپنے گھر کے جلنے کا بھی خوف ہو تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

واجب اعتکاف میں شرکت جنازہ اور عیادت مریض کے لئے اگر مسجد سے نکلے گا تو اعتکاف باقی نہیں رہے گا، البتہ بغیر اس کے جائے کام نہ چلے تو گنہگار نہیں ہوگا۔ "فيفسد لو لعيادة مريض أو شهود جنازة وإن تعين عليه، إلا أنه لا يأثم كما في الفرض". شامی: ۲/۱۳۲(۱)۔

اس کی مثال اس طرح سمجھئے جیسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ سامنے کوئی نابینا ہے جو کنویں میں گرنے کے قریب ہے اور کوئی خبردار کرنے والا نہیں تو یہ نمازی فوراً نماز توڑ کر بچائے یا آواز دے کر کہہ دے تو یہ گنہگار نہیں ہوگا، البتہ نماز فاسد ہو جائے گی وہ باقی نہیں رہے گی(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۹۲ھ۔

= (الدر المختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(۱) (رد المحتار: ۲/۴۴۴، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

"ولو خرج لجنازة يفسد اعتكافه، وكذا صلاتها ولو تعينت عليه". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۲۲۲، كتاب الصوم، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۶، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وكذا الأجنبي إذا خاف أن يسقط من سطح أو تحرقه النار أو يغرق في الماء واستغاث بالمصلي، وجب عليه قطع الصلاة". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۰۹، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة، رشيدية)

دیہاتی معتکف کو نمازِ جمعہ کے لئے شہر جانا

سوال [۴۱۱۴]: جس گاؤں میں جمعہ کے شرائط نہیں وہاں اعتکاف اخیر عشرہ میں علی الکفایہ مؤکدہ ہے یا نہیں؟ اگر مؤکدہ ہے تو جمعہ کی نماز کے لئے معتکف جس قصبہ میں جمعہ ہوتا ہے وہاں جا کر نمازِ جمعہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ مؤکدہ اعتکاف ساقط تو نہیں ہوگا؟

فرزند علی سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف کے لئے شہر یا شرائطِ جمعہ کا پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ وہ ہر جگہ شہر ہو یا گاؤں مسنون علی الکفایہ ہے، البتہ مسجد ایسی ہو جس میں جماعت ہوتی ہو(۱)۔ گاؤں والے پر نہ جمعہ فرض ہے نہ سنتِ مؤکدہ، لہٰذا ان کو جمعہ کے لئے شہر میں آنا جائز نہیں، اگر آئے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/ذی قعدہ/۵۷ھ۔

معتکف کو نمازِ جنازہ کے لئے باہر نکلنا

سوال [۴۱۱۵]: معتکف مسجد میں اعتکاف کر رہا ہے، اتفاقاً جنازہ حاضر ہوا، اب محلہ والے بوجہ تبرک معتکف صاحب سے نماز پڑھوانا چاہتے ہیں، ان میں سے کوئی اچھی طرح نماز پڑھانا نہیں جانتا۔ شرعی اعتبار سے معتکف نمازِ جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

محمد یونس سنبھلی، ۲۸/رجب/۱۳۵۶ھ۔

---

(۱) "(وهو لبث) ذكر (في مسجد جماعة) هو ما له إمام ومؤذن أديت فيه الخمس أو لا، وعن الإمام اشتراط أداء الخمس فيه". (الدر المختار على التنوير: ۲/۴۴۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۶۹۹، باب الاعتكاف، قديمي)

(۲) تقدم تخریجہ تحت عنوان "اعتکاف کے لئے شرائط جمعہ"۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صلوٰۃِ جنازہ کے لئے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے: "ولو خرج لجنازۃ یفسد اعتکافہ، وکذا لصلاتہا ولو تعینت علیہ". ہندیہ، ص: ۲۱۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ رجب/ ۵۲ھ۔

جمعۃ الوداع میں معتکف کہاں تک جاسکتا ہے؟

سوال [۴۰۹۰]: جمعۃ الوداع میں بعض جگہ عیدین کی نماز الا فانوں، چوکوں، چھتوں اور سڑکوں تک پر ہوتی ہے، معتکف کہاں کہاں تک کہاں پھر کر جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز کے لئے مخصوص کردی گئی ہے وہ مسجد ہے، معتکف کو اسی جگہ میں رہنے کا حکم ہے(۲) اور عید کی نماز سے تو پہلے ہی اعتکاف ختم ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریۃ: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیہ)

وکذا فی فتاوی قاضی خان: ۱/۲۲۳، کتاب الصوم، فصل فی الاعتکاف، رشیدیہ)

(وکذا فی مجمع الأنہر: ۱/۲۵۵، باب الاعتکاف، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(۲) "ثم الاعتکاف لایصح إلا فی مسجد الجماعۃ لقول حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "لااعتکاف إلا فی مسجد جماعۃ" وعن أبی حنیفۃ رحمہ اللہ أنہ لایصح إلا فی مسجد یصلی فیہ الصلوات الخمس؛ لأنہ عبادۃ انتظار الصلوۃ فیختص بمکان تؤدی فیہ" (الہدایۃ: ۱/۲۲۹، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، شرکۃ علمیہ ملتان)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ: ۱/۲۱۱، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیہ)

غسلِ سنت و تبرید کے لئے معتکف کا خروج

سوال [illegible]: معتکف کو غسلِ سنت یا غسلِ تبرید کے لئے مسجد سے نکلنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ سمجھ کر جواب تحریر فرمایا جائے۔

ناکارہ خلائق کمترین محمد الحسن غفرلہ از قنوج ۲۲/ جمادی الثانیہ/ ۹۶ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ جزئیہ صراحۃً نہیں ملا، "اشعۃ اللمعات" (۱) میں "شرح اورادِ احسانی" سے مطلقاً خروج للغسل کو نقل کیا ہے، غسل واجب ہو یا سنت ہو، لیکن "اورادِ احسانی" بذاتِ خود ایک مجموعہ موضوعات ہے، بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسلِ تبرید یا غسلِ مسنون کے لئے مستقلاً نہ نکلے، بلکہ قضائے حاجت کے لئے نکلے تو استنجا کرتے وقت غسل بھی کرلے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/ جمادی الثانیہ/ ۹۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ جمادی الثانیہ/ ۹۶ھ۔

اعتکاف میں غسل

سوال [illegible]: حالتِ اعتکاف میں آرام و ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ غسل کرے تو مسجد کے اندر یا باہر؟

(الف) کنواں، غسلخانہ، وضو کی جگہ مسجد کے حدود میں ہے یا نہیں؟

---

(۱) "و کان لا یدخل البیت إلا لحاجة الإنسان" و بود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ در نمی آمد از مسجد، مگر برائے حاجت انسانی از بول و غائط، و همچنین غسل جنابت از جهت وجوب خروج از مسجد نزد جنابت. و همچنین برائے نماز جمعه، غسل جمعه روایتی صریح در آن از اصول نمی یابم جز آنکه در شرح اوراد گفته است که بیرون می آمد برائے غسل فرض باشد یا نفل متفق علیه"
(أشعة اللمعات، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/ ۲۰۰، مکتبه نوریه رضویه)

بحالتِ اعتکاف اخراجِ ریاح

سوال [۲۴۲۰]: مجھے خروجِ ریح کا مرض ہے، اخراجِ ریح آواز اور بغیر آواز دونوں طرح سے ہوتا ہے تو اس حالت میں کیا میں اعتکاف کر سکتا ہوں؟ اگر میری بستی میں ایسے شخص کے سوا کوئی اور شخص اعتکاف سنت علی الکفایہ میں معتکف ہونے والا نہ ہو تب بھی مجھ کو اعتکاف کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس چیز سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے(۱)، مسجد میں اخراجِ ریح مکروہ ہے(۲)، جس کا یہ حال ہو کہ اس کو ریاح سے نجات نہ ہو تو اس کو حرمتِ مسجد کے پیشِ نظر اعتکاف سے احتیاط چاہئے، خصوصاً جب کہ کوئی دوسرا اعتکاف کرنے والا موجود ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۸۹ھ۔

معتکف کا اخراجِ ریح کے لئے بیت الخلاء جانا

سوال [۲۴۲۱]: معتکف اگر خروجِ ریح کرنے کے لئے بیت الخلاء جائے تو کیا اعتکاف فاسد ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف فاسد نہیں ہوگا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۲ھ۔

— الشرعية، نحو الفقه والحديث والعقائد، يتطهر بها تعظيماً. قال الحلواني: إنما نلت هذا العلم بالتعظيم، فإني ما أخذت الكاغد إلا بطهارة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۸۴، فصل في أوصاف الوضوء، قديمي)

(۱) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوة المصابيح: ۱/۶۸، باب المساجد ومواضع الصلاة، قديمي)

(۲) "أما الفساء في المسجد فلم ير بعضهم به بأساً، وقال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، وهو الأصح". (رد المحتار: ۱/۱۶۴، كتاب الطهارة، مطلب يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۲۱، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في آداب المسجد، رشيدية)

(۳) "أما الفساء في المسجد فلم ير بعضهم به بأساً، وقال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، وهو

سگریٹ) بھی پوری کرتا آئے (۱) وضو اور مسواک وغیرہ سے منہ خوب صاف کرے بدبودار منہ لے کر مسجد میں نہ آئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۲ھ۔

معتکف کے لئے امور مباحہ

سوال [۴۶۴۴]: معتکف کو بھی پردہ سے باہر یعنی مسجد کے جماعت خانہ میں بھی نماز سنت ونفل و تلاوت قرآن یا کسی کتاب کا دیکھنا کیسا ہے اور جماعت خانہ میں کتاب کا ساتھ، اذان دینا، تکبیر کا کہنا، وعظ کہنا، عمدہ اخبار کا دیکھنا اور دینی مضامین کا تحریر کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب درست ہے، البتہ اذان بلند مقام پر کہنا مستحب ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وحرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعية كبول وغائط، وغسل لو احتلم ... وشرعية كعيد وأذان". (الدر المختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(۲) "وأكل، ونوم (أي يكره) إلا لمعتكف وغريب، وأكل نحو ثوم ويمنع منه" (الدر المختار).

"ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولاً أو غيره ... وكذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر، أو به جرح له رائحة" (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۶۶۱، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، سعيد)

"عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوة المصابيح: ۱/۶۸، باب المساجد ومواضع الصلوة، قديمي)

(۳) "ويكره تحريماً صمت وتكلم إلا بخير كقراءة قرآن وحديث وعلم وتدريس في سير الرسول عليه السلام وقصص الأنبياء عليهم السلام وحكايات الصالحين وكتابة أمور الدين" (الدر المختار مع

ہڈی یا کھجور کی گٹھلی پھینکنے کے لئے مسجد سے نکلنا

سوال [۶۱۲۵]: اعتکاف کی حالت میں ہاتھ دھونے کا پانی اور دسترخوان پر ہڈی یا کھجور کی گٹھلی وغیرہ مسجد کے باہر پھینک سکتا ہے، اسی طرح بوریا بستر وغیرہ دھوپ میں رکھ سکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسجد ہی سے گٹھلی پانی وغیرہ باہر پھینک سکتا ہے اور مسجد ہی سے بوریا بستر وغیرہ دھوپ میں رکھ سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

معتکف کا ملاقاتیوں سے بات چیت اور خیریت دریافت کرنا

سوال [۶۱۲۶]: باہر کے حضرات ملاقات کے لئے آئیں تو ان سے بات چیت خیریت اور دوسرے غائب حضرات کے حالات معلوم کر سکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کر سکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال [۶۱۲۷]: بیت الخلاء جاتے ہوئے کسی کی خیریت پوچھ سکتے ہیں، اگر کوئی بیچ خیریت معلوم

۲/ ۴۵۰، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/ ۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح: ص: ۷۰۸، باب الاعتکاف، قدیمی)

(۱) "ویکره تحریماً صمت وتکلم إلا بخیر وهو ما لا إثم فیه، ومنه المباح عند الحاجة إلیه لا عند عدمها، الخ". (الدرالمختار: ۲/ ۴۵۰، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/ ۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۰۵، باب الاعتکاف، قدیمی)

کرے سلام کا اشارہ کرے تو جواب دینا وغیرہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آتے جاتے سلام کرنا جواب دینا خیریت پتا پوچھنا سب درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

معتکف کا صحنِ مسجد میں حجامت بنوانا

سوال [۴۲۰۸]: معتکف مسجد کے فرش پر بیٹھ کر حجامت بنوا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بنوا سکتا ہے، البتہ بال وہاں نہ گرنے پائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۹/۹۰ھ۔

اعتکاف کی حالت میں تقبیل وجہ

سوال [۴۲۰۹]: معتکف نے محض دلداری کی خاطر بلاشہوت اپنی بیوی کے رخسار کو چوم لیا تو مطلق بوسہ لینا مفسد اعتکاف ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا کرنا درست نہیں، لیکن اس سے نہ اعتکاف فاسد ہوا نہ روزہ فاسد ہوا، قضا بھی واجب نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۸۹ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۲۴۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) قال المفتی رشید احمد رحمة الله علیه: "اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے، حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل ہے: اگر وہ بلا اجرت کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں"۔ (احسن الفتاوی: ۴/۵۰۱، باب الاعتکاف، سعید)

(۳) "أو حرم الوطء و دواعیه، لقوله تعالیٰ: ﴿ولا تباشروهن وأنتم عاکفون فی المساجد﴾ فالتحق به –

عورت کا حالتِ اعتکاف میں کھانا پکانا

سوال [۲۱۲۱]: امرأۃ معتکفہ مسجد بیت میں کھانا پکا سکتی ہے یا نہیں؟ اذان اور وضو کے لئے باہر جانے کی اجازت ہے تو ”کان“ کی اس عبارت کے خلاف ہے ”ویخرج لغائط أو بول أو جمعة“۔ شامی، ج: ۲۔ جواب مع حوالہ دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کا کوئی کھانا پکانے والا نہ ہو تو مسجد بیت میں کھانا پکا سکتی ہے، مسجد بیت پر تمام احکام مسجد کے جاری نہیں ہوتے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۸۸ھ۔

معتکف کا حوض سے پانی لینا

سوال [۲۱۲۲]: اگر حمام مسجد کے فرش سے الگ ہو تو معتکف وضو کے لئے حوض سے پانی لے سکتا ہے یا نہیں، جب کہ مسجد کے اندر کوئی آدمی نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی پانی لانے والا نہیں ہے تو لے سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۹/۹۰ھ۔

---

(۱) چونکہ مسجد بیت دوسرے احکام میں مسجد شرعی کے حکم میں نہیں ہے اور چونکہ مسجد شرعی میں سونا، کھانا پینا غیر معتکف کے لئے جائز ہے، اسی طرح اگر مسجد بیت میں کھانا پکایا جائے تو اس میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں۔

"وأكله وشربه ونومه ومبايعته فيه، يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد".

(البحر الرائق، ۲/۵۳۰، باب الاعتكاف، رشيدية)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، امدادية ملتان)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(۲) "ويخرج للوضوء والاغتسال فرضاً كان أو نفلاً". (الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثاني عشر في =

معتکف کا مسجد میں بذریعۂ مائک باہر مجمع کو خطاب کرنا

سوال [۴۱۴۲]: کیا معتکف مائک کے ذریعہ باہر کے جلسۂ عام میں مسجد میں بیٹھے بیٹھے خطاب کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کرسکتا ہے جب کہ وہ خطاب دینی واصلاحی مضامین سے متعلق ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں کاروبار اور طبیب کا مریضوں کو نسخہ لکھنا

سوال [۴۱۴۳]: کیا وجہ ہے کہ معتکف اگر کاروباری یا دنیاوی باتیں کرتا ہے تو اعتکاف نہیں ٹوٹتا، لیکن حکیم صاحب مریضوں کی نبض دیکھ کر نسخے لکھتے ہیں تو ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد دنیاوی باتوں، کاروبار، معاملات کے لئے نہیں بنائی گئی، اس مطلب کے لئے بنائی گئی ہے، اس لئے یہ سب چیزیں مسجد میں مکروہ ہیں، مگر ان سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا، ضرورت کے موقعہ پر کوئی دوسرا آدمی کام کرنے والا نہیں، اور مثلاً دوکاندار مسجد میں نماز کے لئے آیا، اس سے معتکف نے کہہ دیا کہ فلاں چیز اپنی دکان سے ہمارے مکان پر بھجوادو تو اس کی اجازت ہے، اسی طرح کوئی مریض اتفاقیہ آیا، اس کو حکیم صاحب نے دوا تجویز

— الاعتكاف: ۱/۲۱۳، قديمي)

(۱) "لكنه يلازم قراءة القرآن والذكر والحديث والعلم وتدريسه وسير النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وقصص الأنبياء عليهم السلام وحكايات الصالحين". (مراقي الفلاح، ص: ۷۰۳، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۹، ۴۵۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۳، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

کروں جوان کے مطلب سے مل گئی تو مضائقہ نہیں، مگر مستقل یہ مشغلہ وہاں اختیار نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معتکف کا خارج مسجد بات چیت کرنا

سوال [۵۰۹۳]: کیا معتکف کا مسجد میں پیشاب یا پاخانہ کی جگہ تک راستہ میں بات کرنا جائز نہیں، اگر بات کرے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا اور اسی طریقہ پر سلام کا جواب دینا بھی جائز نہیں، مگر ایک آدھ بات کرلی تو کیا اس صورت میں بھی اعتکاف کا بطلان لازم آئے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔ "ولا يخرج من معتكفه إلا لحاجة شرعية، أو طبعية أي يدعو إليها طبع الإنسان، ولو ذهب بعد أن خرج إليها لعيادة مريض، أو صلوة جنازة من غير أن يكون لذلك قصد، جاز، بخلاف ما إذا خرج لحاجة الإنسان ومكث بعد فراغه، فإنه ينتقض اعتكافه عند الإمام رحمه الله". طحطاوي على مراقي الفلاح: ۲/۳۳۲ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۹ھ۔

---

(۱) "والكلام المباح، وقيده في الظهيرية بأن يجلس لأجله، فإنه حينئذ لا يباح بالاتفاق، لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا. وفي صلاة الجلالي: الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله تعالى" (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۶۶۲، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۳۸، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إمدادية ملتان)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۳۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۷۴۴، المبحث الخامس آداب المعتكف، رشيديه)

معتکف کا قرآن پاک پڑھانا

سوال [۴۱۲۲]: معتکف قرآن مجید ناظرہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں جب کہ بچے پیسے سے بھی پڑھتے ہوں؟

محمد ناصر، مکتبہ صاحب زادہ کمپیوٹر کچہری، کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پڑھا سکتا ہے(۱) لیکن اگر بچے اتنے چھوٹے ہوں کہ پاکی ناپاکی کو نہ سمجھتے ہوں تو ان کو مسجد میں نہ بٹھایا جائے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اعتکاف مسنون توڑ دینے سے اس کی قضاء

سوال [۴۱۲۳]: رمضان المبارک میں بالخصوص عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف شروع کر دینے کے بعد لازم ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر چھوڑ دے تو قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟ صلوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے کہ نوافل شروع کر دینے کے بعد لازم ہو جاتا ہے، چھوڑ دینے پر قضاء لازم ہوتی ہے یا نہیں؟ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل کہ عشرۂ اخیرہ میں جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وحضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اعتکاف کے لئے خیمے مسجد میں لگا دیئے تو آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام خیموں کو مسجد سے باہر کروا دیا اور توڑ دیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ما أنا بمعتكف"۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شوال میں دس دن اعتکاف کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء لازم ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر تفسیر کا یہی تقاضہ ہے جو آپ نے لکھا ہے، "الأشباہ والنظائر" سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت مؤکدہ

---

(۱) "وأما آدابه ... ولا بأس بالقراءة والتحديث والعلم وتدريسه وسير النبي صلى الله عليه وسلم ... إلخ". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۵۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۳، باب الاعتكاف، قديمي)

(۲) "ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (الدر المختار: ۱/۶۵۶، ...

کو شروع کرکے اگر توڑ دے تو اس کی قضاء لازم نہیں (۱)، عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف بھی سنت مؤکدہ ہے، کذا فی الکفایہ ہے:

"ومقتضی النظیر أنه لو شرع في المسنون أعني العشر الأواخر بنية، ثم أفسده أن یجب قضاؤه تخریجاً علی قول أبي یوسف رحمه الله تعالی في الشروع في نفل الصلوة ناویاً أربعاً لا علی قولهما". فتح القدیر: ۲/۸۱-۱۰۶ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۸ھ۔

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کو توڑنے کی وجہ سے قضاء اور ادا اعتکاف ایک ساتھ

سوال [۴۹۲۸]: زید نے رمضان شریف میں آخری عشرہ کا اعتکاف کیا، تین دن اعتکاف کے بعد اچانک خبر آگئی کہ حج بیت اللہ کے لئے قرعہ میں نام آگیا ہے جس کی وجہ سے مجبوراً اعتکاف توڑ کر جانا پڑا، تو اب اس عشرہ کی قضاء کرنا لازم ہے یا نہیں؟ نیز قضاء کی کیا صورت ہوگی؟ اور اگر اسی سال رمضان کے اخیر عشرہ میں قضاء و ادا کو جمع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احوط تو یہی ہے کہ بعد رمضان پورے عشرہ کا اعتکاف کرے اور اس عشرہ کے روزے بھی رکھے، یعنی

= کتاب الصلوۃ، باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیها، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة: ۵/۳۲۱، کتاب الکراهیة، الباب الخامس في آداب المسجد، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق: ۵/۴۰۹، کتاب الوقف، فصل في أحکام المساجد، رشیدیه)

(۱) "إذا شرع في صلوة وقطعها قبل إکمالها، فإنه یقضیها إلا الفرض والسنن" (الأشباه والنظائر).

قال الحموی: "وأما في السنة، فلأنها وإن وجبت بالشروع إلا أنه أفسدها في الوقت ألزم بها ... أنه لو شرع في سنة من السنن أو التراویح، لا یلزمه المضي ولا القضاء إذا أفسده". (شرح الحموی ۲/۹، کتاب الصلوۃ، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (فتح القدیر: ۲/۳۹۴، باب الاعتکاف، مصطفی البابي الحلبي مصر)

مستقل کرلیں، اس میں روزہ بھی رکھیں، حالات اس کی اجازت نہ دیں تو جس روز وہاں جانا ہوا صرف ایک روز کا اعتکاف اور روزہ رکھ کر کرلیں(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۹۱ھ۔

نفلی اعتکاف

سوال[۴۹۲۰]: رمضان المبارک کے مہینہ کے علاوہ دوسرے ایام میں نفل اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفلی اعتکاف بغیر رمضان کے بھی ہوسکتا ہے اور ایسے معتکف کو بھی مسجد میں قیام کرنا درست ہے، شامی: ۲/۱۲۹(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نفلی اعتکاف کے حقوق اور پابندیاں

سوال[۴۹۲۱]: اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ میں جو پابندی یا حقوق ہیں وہ مستحب اعتکاف میں بھی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ پابندیاں نفلی اعتکاف میں بھی ہیں مگر ایک تو اس میں روزہ کی قید نہیں، اور اعتکاف مسنون رمضان

= يأثم، بل يجب عليه الخروج ... فالظاهر أن العذر الذي لا يغلب مسقط للإثم لا البطلان". (النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، إمدادية ملتان)

(وكذا في رد المحتار: ۲/۴۴۴، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۲۲۲، كتاب الصوم، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۵، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان "عشرۂ اخیرہ کے علاوہ اعتکاف کی نیت سے قیام")

(۲) "هو لبث ذكر في مسجد جماعة بنية، وهو ثلاثة أقسام ... مستحب في غيره من الأزمنة، هو =

نفلی اعتکاف مسجد میں نہ کہ گھر میں

سوال[۶۹۳۳]: کیا اعتکاف نفل بھی ہوتا ہے؟ اگر کوئی آدمی مسجد میں جاوے اور یہ نیت کرے کہ میں جب تک مسجد میں رہوں گا میرا اعتکاف ہے، کیا اس کو نفل اعتکاف کا ثواب ملے گا؟ کیا نفل اعتکاف گھر میں بھی کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں اس طرح نیت کرنے سے نفل اعتکاف کا ثواب ملے گا(۱)، مرد کو اس طرح گھر میں ثواب نہیں ملے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

فجر کی سنت پڑھ کر اعتکاف کی نیت کرکے لیٹنا

سوال[۶۹۳۴]: میں کبھی کبھی کھانا کھا کر اور کبھی فجر تھوڑی دیر جب جماعت میں دیر ہوتی ہے تو بوجہ کمزوری لیٹ جاتا ہوں مسجد میں اعتکاف کی نیت سے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کے انتظار میں سنتیں پڑھ کر یا پہلے مسجد میں جب کہ کمزوری کی وجہ سے نشست دشوار ہو، تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جانے میں مضائقہ نہیں (۳)، خاص کر اعتکاف کی نیت کرکے، مگر اس طرح سو کر نمازیوں کو تکلیف نہ دے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (وكذا في مراقي الفلاح ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق ۲: ۵۲۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، امدادیہ ملتان)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "نفل اعتکاف تھوڑی دیر کے لئے مسجد میں اعتکاف کی نیت")

(۳) (وينبغي أنه يندب للرجل أيضاً أن يخصص موضعاً من بيته لصلاته النافلة، أما الفريضة والاعتكاف فهو في المسجد كما لا يخفى. الخ" (رد المحتار ۲: ۴۴۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(۴) ... في ذلك أي الاضطجاع بعد ركعتي الفجر ... قول مالك ... ان هذا الاضطجاع [illegible]

اعتکاف کے چند ضروری مسائل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ:

معتکف ایک ہی جگہ بیٹھے یا کسی دوسری جگہ بھی بیٹھ سکتا ہے؟

سوال[۴۹۲۵]: ۱... معتکف مسجد میں مخصوص ایک ہی جگہ بیٹھے یا ہر جگہ بیٹھ سکتا ہے؟

معتکف کا خارج مسجد اذان پڑھنا

سوال[۴۹۲۶]: ۲... معتکف مسجد میں یا خارج مسجد اذان پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا نمازِ جمعہ کے لئے شہر جانا

سوال[۴۹۲۷]: ۳... معتکف ایسے گاؤں میں ہے جس میں شرعاً جمعہ درست نہیں تو وہ نمازِ جمعہ کے لئے شہر جا سکتا ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۴۹۲۸]: ۴... اگر کوئی شخص شہر میں ایک جگہ معتکف ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو اسی شہر میں دوسری جگہ نمازِ جمعہ کے لئے جا سکتا ہے یا نہیں؟

اعتکاف ہر مسجد میں ہو یا کسی ایک مسجد میں کافی ہے؟

سوال[۴۹۲۹]: ۵... گاؤں اور شہر کی ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے یا فقط ایک ہی مسجد میں کافی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... ایک جگہ بیٹھنا لازم نہیں، مسجد کے کسی بھی حصہ میں جانے کی اجازت ہے، مثلاً اندر گرمی ہو تو صحن

= سنن العادة له صلی اللہ علیه وسلم لا من سنن العبادة، فلا نری به باساً لمن فعله راحةً، ولو فعله القضاة بعادته الشریفة صلی اللہ علیه وسلم، رجونا له الأجر في ذلک، کما هو حکم سائر عاداته صلی اللہ علیه وسلم انه لو فعله أحد اقتداءً به في عاداته کان ماجوراً، وتکرهه لمن فعله استناناً وتحتیماً" (إعلاء السنن: ۷/۲۳، کتاب الصلوة، باب النوافل والسنن، تتمة في حکم الاضطجاع بعد رکعتي الفجر، إدارة القرآن کراچی)

ایضاً

سوال [۴۹۵۳]: ۴... معتکف مسجد میں دیاسلائی سے چراغ روشن کرے یا چراغ جلانے کو باہر جائے؟

معتکف کا کھانا کھانے کے لئے گھر جانا

سوال [۴۹۵۴]: ۵... معتکف اپنا کھانا مکان پر جاکر کھاسکتا ہے یا نہیں جب کہ لانے والا موجود نہ ہو؟

گرم پانی لینے کے لئے معتکف کا باہر جانا

سوال [۴۹۵۵]: ۶... اگر گرم پانی دور ہے اور سرد پانی نزدیک تو گرم پانی لینے جاسکتا ہے یا نہیں؟

گرمی یا سردی کی وجہ سے وضو کے لئے معتکف کا خارج مسجد جانا

سوال [۴۹۵۶]: ۷... احاطۂ مسجد میں گرمی زیادہ ہے یا سردی زیادہ ہے تو وضو کے لئے باہر سایہ میں جاسکتا ہے یا نہیں؟

۸... مسجد کی چٹائی یا دیواروں پر تیمم کرسکتا ہے یا نہیں؟

پانی لانے کے لئے معتکف کا خارج مسجد جانا

سوال [۴۹۵۷]: ۹... اگر پاس موجود ہو تو پھر بھی خود پانی لاسکتا ہے یا نہیں؟

حالتِ اعتکاف میں حجامت بنانا

سوال [۴۹۵۸]: ۱۰... کیا حالتِ اعتکاف میں حجامت بنواسکتا ہے یا نہیں؟

ابتدائے اعتکاف کا وقت

سوال [۴۹۵۹]: ۱۱... ۲۰/ تاریخ کو اذانِ مغرب ہوجائے تب بھی اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟

سعید احمد خان کھیڑوی۔

۵... نکل سکتا ہے، کذا فی البحر: ۲/۳۰۳، شرط مذکور کے ساتھ(۱)۔

۶... اگر سرد پانی سے وضو کرنے میں زیادہ دقت ہوتی ہے اور حدوثِ مرض یا ازدیادِ مرض کا اندیشہ ہے تو جا سکتا ہے(۲)۔

۷... زیادہ دقت کی حالت میں جا سکتا ہے جب کہ تحمل نہ ہو(۳)۔

۸... چٹائی پر اگر غبار ہو تو اس سے تیمم درست ہے(۴)، دیوارِ مسجد سے بعض کتب فقہ میں مکروہ لکھا ہے(۵)۔

۹... نہیں، کذا یفہم مما فی البحر: ۲/۳۰۳۔ اگر دوسرے سے منگا سکتا ہے تو خود جانا جائز نہیں(۶)۔

---

(۱) "وفي الفتاوى الظهيرية: وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط". (البحر الرائق: ۲/۵۳۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۳۳، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۲) "فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً ولا نهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعة، فسد اعتكافه". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۲۲۱، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۷۵، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۴) "ويجوز التيمم بالتراب والرمل والسبخة المنعقدة من الأرض ... وبالحجر عليه غبار". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۶، الباب الرابع في التيمم، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۶۱، فصل فيما يجوز به التيمم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۸، باب التيمم، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۵) "ويكره مسح الرجل من طين والردغة باسطوانة المسجد أو بحائطه". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/۶۵، باب التيمم، فصل في المسجد، رشيديه)

(۶) "وأكله وشربه ونومه ومبايعته فيه، يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج —

۱۰... ہاں جوا سکتا ہے(۱) حجامت بنوانا - جس میں خون نکلتا ہے - منع ہے(۲)۔

۱۱... غروب آفتاب سے کچھ پہلے اعتکاف کی جگہ میں آجانا چاہیے، کیونکہ عین غروب کے وقت بیسہ ختم ہونے پر اعتکاف ختم ہو جائے گا، پس اگر کوئی ۲۰/تاریخ کو بعد غروب بہ نیت اعتکاف مسجد میں آیا تو جس قدر دیر کر کے آیا ہے، تنا وقت ایک عشرہ میں سے کم ہو جائے گا اور ایک عشرہ کا اعتکاف مسنون ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲/رجب/۵۷ھ۔

اعتکاف کے ۲۳/مسائل

برائے کرم حسب ذیل مسائل میں شرعی حکم سے آگاہ کریں، تمام سوالات ماہِ رمضان المبارک کے

= لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه ..... وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط". (البحر الرائق: ۲/۳۰۵، باب الاعتكاف، رشيدية)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۳۸۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۳۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۱) قال المفتي رشيد احمد رحمة الله عليه: "اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے۔ حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بدون عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے، مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں"۔ (احسن الفتاوی: ۴/۵۰۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(۲) "فلا يجوز الاستصباح بالنجس فيه ولا البول والفصد". (الدر المختار). "وأما الفصد فيه في إناء، فلم أره، وينبغي أن لا فرق اهـ: أي لا فرق بينه وبين البول". (رد المحتار: ۱/۶۵۶، باب ما يفسد الصلاة، سعيد)

(۳) "وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان: أي سنة كفاية". (الدر المختار: ۲/۴۴۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۰، باب الاعتكاف، قديمي)

آخری عشرہ کے اعتکاف کے بارے میں ہیں۔

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کا حکم

سوال [۴۹۶۰]: ۱ ... رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف فرض ہے یا سنت؟

معتکف کون کون ہوسکتا ہے؟

سوال [۴۹۶۱]: ۲ ...... معتکف، نیچے لکھے آدمیوں میں سے کون کون ہوسکتا ہے؟ ۱- نوم۔ ۲- کوڑھی۔ ۳- اندھا۔ ۴- اجنبی۔ ۵- مخنث (ہیجڑا)۔ ۶- سدا بیمار۔ ۷- بے نمازی۔ ۸- بے روزہ دار۔ ۹- گونگا بہرہ۔ ۱۰- نیم پاگل۔ ۱۱- فقیر۔ ۱۲- مجذوب۔ ۱۳- مقروض۔ ۱۴- فاسق وفاجر۔ ۱۵- صاحب نصیب کہ دن قریب ہوں۔

معتکف کا گھر میں بیٹھنے کا حکم

سوال [۴۹۶۲]: ۳ ... معتکف کا مسجد میں بیٹھنا ضروری ہے یا مسجد ہوتے ہوئے گھر میں بھی بیٹھ سکتا ہے؟

عورت کے اعتکاف سے مردوں سے متعلق اعتکاف

سوال [۴۹۶۳]: ۴ ... کوئی صاحب مسجد میں معتکف نہ ہوئے، ایک عورت گھر میں معتکف ہوگئی۔ کیا حکم ہے؟

مسجد میں عورتوں کے لئے مخصوص کی گئی جگہ میں عورت کا اعتکاف

سوال [۴۹۶۴]: ۵ ... مسجد میں عورتوں کی نماز پڑھنے کی جگہ ایک مقرر ہے، اس حصہ میں ایک عورت معتکف ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کے اعتکاف سے بستی کا بوجھ اتر جائے گا یا نہیں؟

کیا اعتکاف کے لئے مسجد، اذان اور جماعت شرط ہیں؟

سوال [۴۹۶۵]: ۶ ... اعتکاف کیلئے مسجد، اذان، نماز، جماعت شرط ہے یا جس مقام میں نہ ہو یا چند مسلمان نمازی روزہ دار ہوں یا گاؤں میں چند مکان مسلمانوں کے ہوں، نہ نماز پڑھتے ہوں، نہ روزہ رکھتے

ہوں، وہاں بھی اعتکاف ضروری ہے یا نہیں؟

۲۴/ رمضان کو معتکف کا انتقال ہو جائے

سوال[۴۹۶۶]: ۷... معتکف کا ۲۴/ رمضان المبارک کو انتقال ہو گیا، کیا حکم ہے؟

دو آدمیوں کے پانچ پانچ دن اعتکاف سے ادائے سنت

سوال[۴۹۶۷]: ۸... بغرض مجبوری دو صاحب پانچ پانچ یوم معتکف ہوئے کیا حکم ہے؟

معتکف کی چہل قدمی کے لئے احاطۂ مسجد میں حدود

سوال[۴۹۶۸]: ۹... مسجد کا احاطہ کافی لمبا چوڑا ہے، معتکف کہاں تک چل پھر سکتا ہے؟

قضائے حاجت کے لئے نکلتے وقت معتکف کی بات چیت

سوال[۴۹۶۹]: ۱۰... پاخانہ آتے جاتے معتکف لوگوں سے بات چیت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو کتنی دیر تک اور کس قسم کی بات چیت کرسکتا ہے؟

معتکف کا احاطۂ مسجد میں پھول، سبزیوں کی دیکھ بھال کرنا

سوال[۴۹۷۰]: ۱۱... مسجد کے احاطہ میں پھل، پھول، سبزی لگی ہے معتکف اس کی دیکھ بھال کرسکتا ہے یا نہیں؟

مسجد سے ملحق باغ کی نگرانی کرنا

سوال[۴۹۷۱]: ۱۲... مسجد سے ملحق باغ ہے، معتکف مسجد میں بیٹھے بیٹھے چلتے پھرتے باغ کی نگرانی کرسکتا ہے؟ پرندوں کو بھگانے کے لئے ڈوری کھینچ یا چلا سکتا ہے یا نہیں؟

مسجد کی تعمیر میں معتکف کا کام کرنا

سوال[۴۹۷۲]: ۱۳... تعمیر مسجد کا کام مسجد میں جاری ہے، معتکف مزدوری سے یا فی سبیل اللہ کام کرسکتا ہے یا نہیں؟

حالتِ اعتکاف میں ماہواری یا شوہر کی ہمبستری کا حکم

سوال [۲۷۷۳] : ۱۴... عورت گھر پر معتکف تھی، ماہواری خون جاری ہو گیا یا شوہر نے جبراً صحبت کرلی، تو اب کر پھر معتکف ہوئی کیا حکم ہے؟

قضائے حاجت کے لئے گھر جا کر ہمبستری سے اعتکاف کا حکم

سوال [۲۷۷۴] : ۱۵... معتکف گھر پاخانہ کرنے گیا، پاخانہ میں اس کی عورت تھی، اس کو دیکھ کر ذہنی توازن کھو بیٹھا اور صحبت کرلی، بعد فراغت غسل کر کے معتکف ہو گیا، کیا حکم ہے؟ جب کہ دوسرا کوئی معتکف نہیں ہے۔

حالتِ اعتکاف میں بیوی کا بوسہ لینا

سوال [۲۷۷۵] : ۱۶... معتکف کی بیوی کھانا لے کے مسجد میں آئی، معتکف نے بوسہ لیا، کیا حکم ہے؟

حالتِ اعتکاف میں پاگل ہو جانے اور مسجد سے مجبوری نکلنے کا حکم

سوال [۲۷۷۶] : ۱۷... معتکف ۲۲/ رمضان کو پاگل ہو گیا کیا حکم ہے؟ معتکف پاخانہ، پیشاب کے علاوہ بحالتِ مجبوری کن کن حالات میں مسجد سے نکل سکتا ہے؟

حالتِ اعتکاف میں نمازِ جنازہ میں شرکت

سوال [۲۷۷۷] : ۱۸... معتکف کے قریبی عزیز کا انتقال ہو گیا جنازہ میں شرکت کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا نمازِ جنازہ مسجد کے باہر ہو رہی ہے شرکت کر سکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا بیوی یا بچے کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا

سوال [۲۷۷۸] : ۱۹... معتکف کی بیوی یا بچے کا انتقال ہو گیا، تجہیز و تکفین کا انتظام معتکف کرتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

معتکف کا شادی میں شرکت کرنا

سوال[۴۹۷۹]: ۲۰..... معتکف کسی عزیز کی یا لڑکی کی شادی میں شرکت کر سکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا پانی لینے تالاب، ندی یا کنویں پر جانا

سوال[۴۹۸۰]: ۲۱..... مسجد میں پانی نہیں، معتکف وضو کرنے یا پانی پینے تالاب، ندی یا کنویں پر جا سکتا ہے یا نہیں؟

پانی نہ ہو تو غسلِ جنابت میں تیمم کرے یا باہر جا کر غسل کرے؟

سوال[۴۹۸۱]: ۲۲..... معتکف کو غسل کی حاجت ہوگئی، مسجد میں پانی نہیں ہے، کیا حکم ہے، تیمم کرے یا باہر جا کر غسل کرے؟

معتکف کا سحری یا افطاری کے لیئے گھر جانا

سوال[۴۹۸۲]: ۲۳..... معتکف کا ایک دن سحر وافطار نہیں آیا، کھانا لینے گھر جا سکتا ہے یا نہیں؟

کیا معتکف مقدمہ کے لئے جا کر اپنی جگہ دوسرے کو بٹھا سکتا ہے؟

سوال[۴۹۸۳]: ۲۴..... ۲۸/رمضان کو معتکف کی مقدمہ میں پیشی آگئی، کیا حکم ہے؟ کسی دوسرے کو بٹھا کر جا سکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا علاج کے لئے باہر جانا

سوال[۴۹۸۴]: ۲۵..... معتکف سخت بیمار ہوگیا، علاج کو باہر جاتا ہے، کیا حکم ہے؟

حافظ معتکف کا تراویح پڑھانے کے لئے دوسری مسجد جانا

سوال[۴۹۸۵]: ۲۶..... مولانا صاحب معتکف ہوگئے، تراویح پڑھانے دوسری مسجد میں جا سکتے ہیں یا نہیں؟

دور دراز کتنی دیر میں جا سکتا ہے؟

معتکف کا دم کرانے کے لئے دوسرے گاؤں جانا

سوال [۹۹۹۴]: ۳۵... معتکف سانپ کے کاٹے کو جھاڑنے کا عمل جانتا ہے، پاس والے گاؤں میں کسی کو سانپ نے کاٹ لیا، لوگ بلانے آئے، جا سکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا روزانہ دوا لینے شفاخانہ جانا

سوال [۹۹۹۵]: ۳۶... معتکف روزانہ صبح اپنی بیوی کی دوا لینے شفاخانہ جا سکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا مسجد کے پڑوس میں لگی ہوئی آگ بجھانے جانا

سوال [۹۹۹۶]: ۳۷... مسجد کے پڑوس میں آگ لگ گئی، معتکف آگ بجھانے جا سکتا ہے یا نہیں؟

مسجد میں لگی آگ بجھانے کے لئے معتکف کا کنویں پر پانی لینے جانا

سوال [۹۹۹۷]: ۳۸... مسجد میں آگ لگ گئی، معتکف پانی ڈھونے، آگ بجھانے کو کنویں پر جا سکتا ہے یا نہیں؟

مسجد شہید ہونے پر معتکف بقیہ دن کہاں گذارے؟

سوال [۹۹۹۸]: ۳۹... مسجد کسی حادثہ میں شہید ہوگئی، معتکف باقی دن دوسری مسجد یا مسجد نما گھر پورے کر سکتا ہے؟

گم شدہ چیز کو تلاش کرنے مسجد سے واپس نکلنا

سوال [۹۹۹۹]: ۴۰... معتکف پاخانہ کرنے گیا، راستہ میں گھڑی یا ضروری کاغذات گر گئے، تلاش کرنے جا سکتا ہے؟

معتکف کا جوتے اٹھانے مسجد سے باہر جانا

سوال [۱۰۰۰۰]: ۴۱... معتکف نے جوتے مسجد سے باہر اتار دیئے، چوری کئے جانے کا ڈر ہے

اب اٹھانے باہر جاسکتا ہے؟

معتکف کا ہوٹل یا گھر چائے پینے جانا

سوال [۵۰۰۱]: ۷۲... معتکف چائے کا شدت سے عادی ہے، ایک دن گھر سے نہیں آئی، ہوٹل یا گھر چائے پینے جاسکتا ہے؟

معتکف کا وعظ سننے کسی مجلس میں جانا

سوال [۵۰۰۲]: ۷۳... معتکف علمائے کرام کا وعظ سننے دوسری مسجد یا دینی مجلس یا شارع عام پر جاسکتا ہے؟

معتکف کا سبق سنانے مدرسہ جانا

سوال [۵۰۰۳]: ۷۴... معتکف طالب علم ہے، سبق سنانے مدرسہ جاسکتا ہے؟

معتکف کا رپورٹ لکھوانے کے لئے مسجد سے نکلنا

سوال [۵۰۰۴]: ۷۵... معتکف کے گھر چوری ہوگئی، رپورٹ لکھانے جاسکتا ہے؟

بیڑی پینے کے لئے بار بار نکلنے کا حکم

سوال [۵۰۰۵]: ۷۶... معتکف کثرت سے بیڑی پیتا ہے، بار بار جانا پڑتا ہے، کیا حکم ہے؟

معتکف کا کپڑے اٹھانے باہر نکلنا

سوال [۵۰۰۶]: ۷۷... معتکف نے کپڑے سوکھنے ڈالے، ہوا میں اڑ گئے، اٹھانے جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا روزہ نہ رکھنا اور نماز نہ پڑھنا

سوال [۵۰۰۷]: ۷۸... معتکف نہ تو روزہ رکھتا ہے نہ نماز پڑھتا ہے، کیا حکم ہے؟

کاروبار کے سلسلہ میں معتکف کا بات چیت کرنا

سوال [۵۰۰۸]: ۷۹... معتکف دن بھر اپنے کاروبار کے سلسلہ میں لوگوں سے مسجد میں بات چیت

کرتا ہے، ویسے نماز روزہ کا پابند ہے۔ کیا حکم ہے؟

معتکف کا کاروبار سے باخبر رہنے کے لئے مسجد میں فون لگانا

سوال [۵۰۰۹]: ۵۰... معتکف نے مسجد میں فون لگوالیا ہے، دن بھر اپنے کاروبار وغیرہ بچوں سے باخبر رہتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت بالٹی بھر کر گھر لے جانا

سوال [۵۰۱۰]: ۵۱... معتکف گھر پاخانہ جاتے ہوئے دو بالٹی پانی گھر لے جاتا ہے اور واپسی پر بالٹی مسجد میں لیتا آتا ہے؟

قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت معتکف کا دوکان کا تالا کھولنا

سوال [۵۰۱۱]: ۵۲... معتکف صبح پاخانہ کرنے جاتا ہے تو راستہ میں اپنی دوکان کا تالا کھول دیتا ہے اور پاخانہ کرکے مسجد آجاتا ہے، نوکر دن بھر کاروبار چلاتے ہیں، شام کو جب پاخانہ کرنے جاتا ہے تو نقدی سنبھال کر تالا لگا دیتا ہے اور پاخانہ کرکے مسجد آجاتا ہے۔

معتکف کا پڑھانے کے لئے مدرسہ جانا

سوال [۵۰۱۲]: ۵۳... مولانا صاحب معتکف ہیں لیکن بچوں کو عربی سبق دینے روزانہ مدرسہ ایک گھنٹہ کو جاتے ہیں۔

معتکف کا مسجد میں بیٹھ کر مریضوں کو نسخے لکھوانا

سوال [۵۰۱۳]: ۵۴... حکیم صاحب معتکف ہیں لیکن مسجد میں روزانہ ایک گھنٹہ کے قریب مریضوں کو دیکھ کر نسخے لکھتے ہیں۔

ٹیوشن پڑھانے کے لئے معتکف کا نکلنا

سوال [۵۰۱۴]: ۵۵... ماسٹر صاحب معتکف ہیں، دو بچوں کو ٹیوشن پڑھانے ایک گھنٹہ کو جاتے تھے۔

معتکف کا مسجد میں بچوں کو انگریزی پڑھانا

سوال [۵۰۱۵]: ۵۶... ماسٹر صاحب معتکف ہیں، مسجد میں چند بچوں کو ہندی یا انگریزی پڑھاتے ہیں۔

معتکف کا قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت بیلوں کی دیکھ بھال کرنا

سوال [۵۰۱۶]: ۵۷... معتکف صبح پاخانہ کر کے گھر سے واپس آیا تو بیلوں کو کھولتا لے آیا اور کھلیان میں رات میں بند کر کے مسجد آگیا، شام کو پاخانہ جاتے وقت کھلیان سے لے گیا اور گھر بند کر کے پاخانہ کر کے مسجد آگیا، کیا حکم ہے؟

مسجد کے بیت الخلاء کے باوجود قضائے حاجت کے لئے گھر جانا

سوال [۵۰۱۷]: ۵۸... مسجد میں پاخانہ ہے، معتکف کا کہنا ہے کہ مجھے اپنے گھر کے پاخانہ کے علاوہ کہیں پاخانہ نہیں اترتا، کیا معتکف اپنے گھر پاخانہ کرنے جا سکتا ہے؟

قضائے حاجت سے واپسی پر ہر مرتبہ دعا پڑھے یا ایک مرتبہ کافی ہے؟

سوال [۵۰۱۸]: ۵۹... معتکف پاخانہ پیشاب کو جب جب مسجد سے باہر نکلے، واپسی پر ہر مرتبہ اعتکاف کی دعا پڑھے یا پہلے دن داخل ہوتے وقت کی دعا آخر تک کافی ہے؟

بھول کر معتکف کے نکلنے کا حکم

سوال [۵۰۱۹]: ۶۰... معتکف بھول سے مسجد سے باہر چلا گیا، کیا حکم ہے؟

معتکف کا نماز جمعہ کے لئے نکلنا

سوال [۵۰۲۰]: ۶۱... معتکف اپنے محلہ کی مسجد میں بیٹھ گیا، نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے دوسری مسجد جا سکتا ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال [۵۰۲۱]: ۶۲... معتکف اپنے گاؤں کی مسجد میں بیٹھ گیا، یہاں جمعہ نہیں ہوتا، بعد جمعہ...

والے دوسرے گاؤں میں ہوتا ہے نماز جمعہ ادا کرنے جا سکتا ہے یا نہیں؟

پولیس کا معتکف کو جبراً لے جانے سے اعتکاف کا حکم

سوال[۵۰۲۲]: ۹۳... معتکف کو پولیس یا کوئی آدمی کسی چکر میں جبراً پکڑ لے گیا، بعد دو گھنٹہ کے چھوڑ دیا، کیا حکم ہے؟

جان کے خوف سے مسجد کو چھوڑ کر فرار اختیار کرنے سے اعتکاف کا حکم

سوال[۵۰۲۳]: ۹۴..... مسجد کے قریب میں جھگڑا ہوگیا، معتکف کو جان کا خوف ہے، مسجد چھوڑ کر بھاگ سکتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرے دن امن ہوگیا تو معتکف اب معتکف رہا یا اعتکاف ٹوٹ گیا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے(۱)۔

۲... بدن سے اگر بدبو نکلتی یا بدبو آتی ہے یا لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں تو اس کو مسجد میں نہیں آنا چاہئے، نہ وہ مسجد میں اعتکاف کرے(۲)۔

۵- اپنی حاجت جس کو تو یہ کرے تو اعتکاف بھی مسجد میں کرے(۳)۔ ۶- کا بھی یہی حکم ہے۔

---

(۱) "وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان، أي سنة كفاية، كما في البرهان". (الدر المختار: ۴۴۲/۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۱۱/۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(۲) قال العلامة الحصكفي: "ويحرم فيه السؤال ... ورفع صوت بذكر وأكل ونوم ... وأكل نحو ثوم، ويمنع منه". (الدر المختار). قال الشامي: "وكذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة، وكذلك القصاب والسماك والمجذوم، والأبرص أولى بالإلحاق". (رد المحتار: ۶۶۱/۱، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مطلب الغرس في المسجد، سعيد)

"فيفهم منه حكم النبات الذي شاع في زماننا المسمى بالتتن فتنبه، وقد كرهه شيخنا العمادي في هديته إلحاقاً له بالثوم والبصل بالأولى". (الدر المختار: ۴۶۰/۶، كتاب الأشربة، سعيد)

(۳) "هل يصح الاعتكاف من الخنثى في بيته؟ لم أره، والظاهر لا، لاحتمال ذكورته؛ لأنه على تقدير =

۸۔ اس طرح سخت اونچی نہ ہوں(۱)۔

۹۔ جو حصہ نماز کے لئے متعین ہے وہاں تک اجازت ہے، بلا وجہ وہاں بھی تفریح کرتا نہ پھرے(۲)۔

۱۰۔ جب ضرورت ہو بات کرسکتا ہے، بات کرنے کے لئے نہ نکلے، نہ ٹھہرے، اور کوئی بات بھی نہ کرے جو مقصدِ اعتکاف کے خلاف ہو(۳)۔

۱۱۔ جو حصہ نماز کے لئے ہے وہ مسجد ہے وہاں سے پانی وغیرہ دیدے تو مضائقہ نہیں باہر

= تبارک وتعالیٰ: "إن ربكم عزوجل رحيم، من هم بحسنة فلم يعملها، كتبت له حسنة، فإن عملها كتبت له عشرا إلى سبعمائة أضعاف كثيرة، ومن هم بسيئة فلم يعملها كتبت له حسنة، فإن عملها كتبت له واحدة أو يمحوها الله عزوجل، ولا يهلك على الله إلا هالك". (تفسير ابن كثير: ۲/۲۴۳، جمعية إحياء التراث، ومكتبة دار الفيحاء دمشق)

(۱) "ويسن (أي الاعتكاف) إلى واجب ... وإلى سنة مؤكدة، وهو في العشر الأخير من رمضان". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۳۴۷، ۳۴۸، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "(ولا يخرج منه) من معتكفه، فيشمل المرأة المعتكفة (إلا لحاجة شرعية كالجمعة والعيدين أو حاجة طبعية كالبول والغائط)". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۲۷، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "وأما التكلم بغير خير، فلا يجوز لغير المعتكف، وللمعتكف أمنع، مكروه ... والظاهر أن المباح عند الحاجة إليه خير لا عند عدمها". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۰۵، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۵۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۸۲، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

نہ لگے(۱)۔

۱۲…… مسجد میں جانا منع ہے(۲)، بغیر جائے نگرانی کرسکتا ہے(۳)۔

۱۳…… اگر مسجد سے باہر نہ جانا پڑے تو کرسکتی ہے(۴)۔

۱۴…… پہلا اعتکاف ختم ہوگیا(۵)، دوسرا شروع ہوا، اگر عشرۂ اخیرہ میں ایسا ہوا تو سنت ادا نہ ہوئی(۶)۔

۱۵…… یہ بھی نمبر:۱۴ ہی کی طرح ہے۔

۱۶…… ایسا کرنا ممنوع ہے، مگر صرف اتنی بات سے اعتکاف ختم نہیں ہوا(۷)۔

۱۷…… وہ معتکف نہیں رہا، اللہ تعالیٰ اس کو عقل دے(۸)۔

---

(۱) "وأكل المعتكف وشربه ونومه وعقده البيع لما يحتاجه لنفسه أو عياله، لا تكون إلا في المسجد لضرورة الاعتكاف، حتى لو خرج لهذه الأشياء يفسد اعتكافه". (مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، ۷۰۳، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/ ۴۴۸، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۱۳، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۲۷۷، رقم الحاشية: ۲)

(۳) (راجع، ص: ۲۷۷، رقم الحاشية: ۳)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۵) "يحتمل أن تكون الزوجة معتكفة في مسجد بيتها، فيأتيها فيه زوجها، فيبطل اعتكافها" (رد المحتار: ۲/ ۴۵۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۵۳۲، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۶) (راجع، ص: ۲۷۹، رقم الحاشية: ۱)

(۷) "وحرم الوطء ودواعيه ... فالتحق به اللمس والقبلة". (مراقي الفلاح، ص: ۷۰۵، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۵۳۲، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۸) "وأما شروطه ... ومنها: الإسلام والعقل والطهارة عن الجنابة والحيض". (الفتاوى العالمكيرية —

۲۴... گر جائے گا تو اعتکاف باقی نہ رہے گا اور دوسرے شخص کے بٹھانے سے اس کے اعتکاف میں پیوند نہیں لگے گا(۱)۔

۲۵... باہر جانے سے اعتکاف ختم ہو جائے گا(۲)۔

۲۶... ان کا بھی اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

۲۷... ان کا بھی یہی حال ہے۔

۲۸... اس کا اعتکاف بھی ختم ہو جائے گا۔

۲۹ مثل نمبر: ۲۸۔

۳۰... ایضاً

۳۱... ایضاً

۳۲... ایضاً

۳۳... ایضاً

۳۴... ایضاً

۳۵... ایضاً

"للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط" (البحر الرائق ۲/۵۳۰، باب الاعتكاف، رشيدية)

(وكذا في النهر الفائق ۲/۳۵، باب الاعتكاف، امدادية ملتان)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۳، باب الاعتكاف، قديمي)

(۱) "وأما مفسداته: فمنها الخروج من المسجد، فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً ونهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعة، فسد اعتكافه" (الفتاوى العالمكيرية ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۳، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الدر المختار ۲/۴۴۷، باب الاعتكاف، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

کتاب الحج

باب فرضية الحج وشرائطه وأركانه

(حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان کا بیان)

بیوی پر حج فرض ہے یا شوہر پر؟

سوال [۵۰۲۴]: بیوی پر حج فرض ہے یا نفل؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شرائط موجود ہیں تو بیوی پر بھی حج فرض ہے (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۸ھ۔

شوہر پر حج فرض ہونے سے عورت پر فرض نہیں ہوتا

سوال [۵۰۲۵]: کیا عورتوں پر حج کرنا فرض ہے کیا اپنے شوہر کے ساتھ یا نہیں؟

---

(۱) "شرائط الوجوب، وهي التي إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا ... الإسلام، و بقاؤه إلى الموت، والعقل، والحرية، والبلوغ، والأداء بنفسه إن قدر، وعدم نية النفل، وعدم الفساد، وعدم النية عن الغير" (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

"فرض مرة على الفور بشرط حرية وبلوغ وعقل وصحة وإسلام وقدرة زاد وراحلة فضلت عن مسكنه". (كنز الدقائق، كتاب الحج، ص: ۷۳، رشيديه)

"وشرائط الوجوب وهي التي إذا وجدت جميعها وجب الحج على صاحبها، وإذا فقد واحد منها، لا يجب أصلاً" (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الحج، النوع الأول، ص: ۲۱، مكتبه مصطفى محمد مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر پر حج فرض ہونے سے عورت پر حج فرض نہیں ہوتا، جب وہ خود مالدار ہوگی تب حج فرض ہوگا، شوہر اس کو حج کرا دے تو اس کا احسان ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۵/۲۳ھ۔

ضعیف العمر پر بھی بوقتِ استطاعت حج فرض ہے

سوال [۵۰۲۲]: زید ایک چھوٹا زمیندار تھا، زمینداری ختم ہونے کے بعد معاوضہ میں اس کو کچھ روپیہ کے بونڈ ملے تھے، جس کو اس نے فروخت کرکے نقد روپے کی صورت میں اپنے پاس محفوظ کرلیا ہے۔ اس کے پاس چند بیگھے کاشتکاری بھی ہے، جس کی پیداوار اس کے خورد ونوش کے لئے بمشکل کفایت کرتی ہے، بقیہ تمام ضروریاتِ زندگی کے اخراجات کے لئے نقد روپیہ میں سے کفایت اور تنگی ترشی کے ساتھ خرچ کرتا رہتا ہے۔ زید ضعیف آدمی ہے، اس کے لڑکے پاکستان میں ہیں، جو اس کی کچھ مدد نہیں کرسکتے۔ اس کی بیوی اور یہ دونوں اپنے مکان میں رہتے ہیں۔ فی الحال زید کے پاس اس قدر رقم ہے کہ وہ حج کے اخراجات کو برداشت کرسکتا ہے اور زکوۃ

---

(۱) "قال المزني: قال الشافعي: فرض الله تبارك وتعالى الحج على كل حر بالغ استطاع إليه سبيلاً بدلالة الكتاب والسنة". (الحاوي الكبير، كتاب الحج: ۳/۵، المكتبة التجارية مصطفى أحمد الباز)

"شروط الوجوب: وهي التي إذا وجدت بتمامها وجب الحج، وإلا فلا". (رد المحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۸، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: ۲۱، مكتبة مصطفى محمد صاحب المكتبة التجارية الكبرى بمصر)

"ويجوز الدفع بزوجة الغني الفقيرة الخ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب المصرف من كتاب الزكوة، ص: ۷۲۰، قديمي)

"ويدفع إلى امرأة غني إذا كانت فقيرة". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۹، رشيدية)

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غنائے زوج کی وجہ سے زوجہ غنی نہیں ہوتی، لہذا شوہر کے غنی ہونے سے عورت پر حج فرض نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بھی ادا کرسکتا ہے اگر اس کے اوپر عائد ہوتی ہے مگر یہ بات کہ اس کے پاس جو رقم ہے اس کی مثال ایک ایسے حوض کی سی ہے کہ جس میں پانی آنے کا راستہ نہ ہو مگر نکلنے کا راستہ ہو، ظاہر ہے کہ جس قدر جلد پانی باہر خارج ہو جائے گا اتنا ہی جلد حوض خشک ہو جائے گا۔

پیری کی ضعیف العمری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کی امید نہیں کہ وہ کوئی کمائی کرسکتا ہے، بس یہ پسماندہ رقم اس کی زندگی کا ظاہری سہارا ہے، اگر موت نے اسے جلد یاد نہ کیا تو جس قدر روپیہ جلد ختم ہو جائے گا اتنا ہی جلد وہ قوم و ملت پر ناخوشگوار بوجھ بن کر رہ جائے گا اور اگر روپیہ ختم ہونے سے پہلے انتقال کر گیا تو بقیہ روپیہ اس کے ورثاء کے حصے میں آ جائے گا، دونوں صورتوں کا امکان ہے، معلوم نہیں کیا پیش آئے۔ بہر حال ان احوال میں کیا زید پر حج فرض ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان حالات میں اس پر حج فرض ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۹۰ھ۔

صاحبِ وسعت پر حج فرض ہے

سوال [۵۰۲۷]: زید کے گھر میں کافی دولت ہے مگر حج کو نہیں جاتا اور جب اس سے کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے اوپر تو ذمہ داری بہت ہے، یہ کیسا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وللہ علی الناس حج البیت من استطاع إلیه سبیلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"ومن کان صحیح البدن، قادراً علی المشي، وله زاد، فقد استطاع إلیه سبیلاً، فیلزمه فرض الحج" (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضیته: ۳/۳۰، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

"الحج واجب علی الأحرار البالغین العقلاء الأصحاء إذا قدروا علی الزاد والراحلة فاضلاً عن مسکن وما لا بد منه، وعن نفقة عیاله إلی حین عوده". (اللباب في شرح الکتاب، کتاب الحج: ۱/۱۶۳، قدیمي)

(وکذا في الهدایة، کتاب الحج، ص: ۱/۲۳۱، ۲۳۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کے پاس اتنی دولت ہے جس سے اس کے اوپر حج فرض ہے تو وہ گناہگار ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

روپیہ حج کے لئے تھا اس سے مکان بنالیا، کیا اب بھی حج فرض ہے؟

سوال[۵۰۲۸]: کہ ایک شخص کے پاس اتنا روپیہ تھا کہ وہ حج بیت اللہ کرسکے مگر پھر بعض وقتوں کی وجہ سے اپنی سکونت دوسری جگہ اختیار کرلی، اب وہاں چونکہ مکان بنانا تھا اس لئے وہ روپیہ خرچ ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس شخص پر اس وقت جب کہ اس کے پاس کافی روپیہ موجود تھا اس وقت اس کے ذمہ حج فرض ہوگیا تھا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مکان کی ضرورت حج سے پہلے پیش آگئی اور اس مجبوری کی وجہ سے مکان بنانا پڑا تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں ہوا تھا، اگر وقتِ حج یعنی جس وقت کہ لوگ اپنے یہاں سے حج کے لئے جارہے تھے اس وقت تو مکان کی ضرورت نہ تھی، بلکہ بعد میں ضرورت پیش آئی اور اس میں روپیہ خرچ کرلیا تو اس کے ذمہ حج فرض ہوچکا تھا۔

قال في الخانية: "[illegible] المسكن ولا خادم وعنده مال يبلغ ثمن [illegible] ولا يكفي [illegible] ما يحج به، قالوا: لا يجب عليه الحج، لأن هذا المال مشغول بالحاجة الأصلية [illegible]

---

(۱) "وعن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من لم يمنعه من الحج حاجة ظاهرة أو سلطان جائر أو مرض حابس، فمات ولم يحج، فليمت إن شاء يهودياً وإن شاء نصرانياً". (مشكوة المصابيح: ۱/۲۲۲، كتاب المناسك، الفصل الثالث، قديمي)

وعن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ملك زاداً وراحلةً تبلغه إلى بيت الله ولم يحج، فلا عليه أن يموت يهودياً أو نصرانياً". (مشكوة المصابيح: ۱/۲۲۲، كتاب المناسك، الفصل الثاني، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۱/۱۶۷، باب ما جاء من التغليظ في ترك الحج، سعيد)

أشار في الخلاصة، اهـ". بحر: ۲/ ۳۱۳ (۱)۔ "هذا محمول على ما قبل حضور الوقت الذي يخرج فيه أهل بلده، فلو حضر تعين أداء النسك عليه، فليس له أن يصرفه إلى غيره، كما ذكره ملا علي قاري في شرحه على باب المناسك". منحة الخالق: ۲/ ۳۱۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔ صحیح: عبد اللطیف، ۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

لڑکی کی شادی مقدم ہے یا حج؟

سوال[۵۰۲۹]: ایک شخص پر حج فرض ہو چکا مگر اس کی لڑکی شادی کے قابل ہو چکی ہے تو اس صورت میں پہلے حج کرے یا لڑکی کی شادی؟ جب کہ شادی کرنے میں حج کو ملتوی کرنا پڑے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی وجہ سے حج کو مؤخر یا ملتوی نہ کرے، آج کل کے رسم ورواج نے شادی کے لئے جو پابندیاں

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۳۹، رشيدية)

(۲) (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۳۹، رشيدية)

"ثم ما ذكر من الشرائط لوجوب الحج من الزاد والراحلة وغير ذلك، يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلى مكة، حتى لو ملك الزاد والراحلة في أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن يخرج أهل بلده إلى مكة، فهو في سعة من صرف ذلك إلى حيث أحب، وإذا صرف ماله ثم خرج أهل بلده، لا يجب عليه الحج. فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده، فيلزمه التأهب، فلا يجوز له صرفه إلى غيره، فإن صرفه إلى غير الحج أثم، وعليه الحج. كذا في البدائع" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه الخ: ۱/ ۲۱۹، رشيدية)

"والذي رأيته في الخلاصة هكذا: وإن لم يكن له مسكن ولا شيء من ذلك، وعنده دراهم تبلغ به الحج وتبلغ ثمن مسكن وخادم وطعام وقوت، وجب عليه الحج، وإن جعلها في غيره أثم اهـ. لكن هذا إذا كان وقت خروج أهل بلده، كما صرح به في اللباب. أما قبله، فيشتري به ما شاء؛ لأنه قبل الوجوب" (رد المحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/ ۴۶۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۳/ ۵۳، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

لازم کر رکھی ہیں وہ اکثر ایسی ہیں جو شرعاً لازم نہیں بلکہ شرعاً ناجائز ہیں۔ شادی کا مسنون طریقہ تحفۃ الزوجین وغیرہ رسائل میں دیکھنا چاہئے، اگر طریقۂ مسنونہ پر شادی کی جائے تو حج کو ملتوی یا مؤخر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

ایضاً

سوال [۵۰۰۳]: بالغ لڑکی بغیر شادی شدہ گھر میں موجود ہو اور والدین حج کو جانا چاہتے ہیں تو لڑکی کی شادی کرنا افضل ہے یا حج کو جانا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حج فرض ہے اور لڑکی کی حفاظت کا انتظام بھی ہے تو اس کی شادی کی وجہ سے حج کو مؤخر نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۸ھ۔

استطاعت سے پہلے حج کا حکم

سوال [۵۰۰۴]: ایک شخص نے مشقت کی حالت میں قبل استطاعت حج کرلیا ہے، وہ مالدار ہوگیا تو

---

(۱) "وفي الينابيع: إن كان له مقدار ما يحج به وعزم على التزوج، ذكر في سير الأصل عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه يحج ولا يتزوج". (التاتارخانية: ۲/۴۳۳، كتاب الحج، الفصل الأول في شرائط الوجوب، إدارة القرآن كراچی)

قال العلامة الحصكفي: "وفي الأشباه: معه ألف وخاف العزوبة، إن كان قبل خروج أهل بلده، فله التزوج، ولو وقته لزم الحج". (الدر المختار: ۲/۴۶۲، كتاب الحج، سعيد)

"إذا وجد ما يحج به وقد قصد التزوج، يحج به ولا يتزوج؛ لأن الحج فريضة أوجبها الله تعالى على عبده، كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۷، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان: "لڑکی کی شادی مقدم ہے یا حج؟"

حج فرض دوبارہ ادا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اپنی طرف سے حج کیا ہے تو اب مالدار ہوجانے کی وجہ سے دوبارہ حج فرض نہیں (۱)۔ اگر حج بدل کیا ہے تو اب مالدار ہوکر اپنا حج کرنا ضروری ہے، البحر: ۲/۳۳۰، ۳/۲۷۱ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "وقد قدمنا من الشرائط: الوقت، أعني أن يكون مالكاً لما ذكر في أشهر الحج، حتى لو ملك ما به الاستطاعة قبلها، كان في سعة من صرفها إلى غيره، و أفاد هذا أيضاً في صيرورته ديناً إذا افتقر، من أن يكون مالكاً في أشهر الحج، فلم يحج. والأولى أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون قبلها، و لم يحج حتى افتقر، تقرر ديناً. وإن ملك في غيرها و صرفها إلى غيره، لا شيء عليه، كذا في فتح القدير". (البحر الرائق: ۲/۵۵۰، كتاب الحج، رشيديه)

"ثم ما ذكر من الشرائط لوجوب الحج: من الزاد والراحلة وغير ذلك، يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلى مكة، حتى لو ملك الزاد والراحلة في أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن يخرج أهل بلده إلى مكة، فهو في سعة من صرف ذلك إلى حيث أحب. وإذا صرف ماله ثم خرج أهل بلده، لا يجب عليه الحج. فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده فيلزمه التأهب، فلا يجوز له صرفه إلى غيره، فإن صرفه إلى غير الحج، أثم، وعليه الحج. كذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۹، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۴۰۹، كتاب الحج، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ثم الصحيح من المذهب فيمن حج عن غيره أن أصل الحج يقع عن المحجوج عنه. و لهذا لا يسقط به الفرض عن المأمور، و هو الحاج. كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۵۷، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۲۴، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، دار الكتب العلمية بيروت)

"لو حج الفقير نفلاً، يجب عليه أن يحج ثانياً". (البحر الرائق: ۳/۱۰۳، باب الحج عن الغير، رشيديه)

ہے، اسی سے ایام حج میں عمرہ منع ہے۔

جس دن پر قرآن پاک میں "یوم الحج الاکبر" کا اطلاق کیا گیا ہے مفسرین کی بڑی جماعت اس کی قائل ہے کہ وہ جمعہ کا دن تھا، مگر اس کا یہ مطلب کہ ہر وہ حج جو جمعہ کے روز ہو وہ حج اکبر ہے جیسا کہ مشہور ہے، میں نے ائمہ مجتہدین کے اقوال میں نہیں پایا، البتہ جو حج جمعہ کے روز ہو اس کی فضیلت کسی اور دن کے حج پر ستر گنا زیادہ ہے اس کی تصریح طحطاوی، ص: ۴۰۲ (۱) زیلعی: ۲/۲۹۲ (۲) اوجز، ص: ۲۲۷ (۳) وغیرہ میں مذکور ہے۔ عوام جمعہ کے روز والے حج کو حج اکبر کہتے ہیں، العرف الشذی، ص: ۱۴۰ میں اس کی تردید موجود ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

حج مبرور اور مقبول میں فرق

سوال [۵۰۳۳]: حج مبرور اور حج مقبول میں کیا فرق ہے؟ اور حج نفل مقبول یا مبرور ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقبول ومبرور کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے، مبرور وہ ہے کہ جس حج میں کوئی جنایت نہ

= (احکام القرآن للجصاص، سورة براءة: ۳/۱۰۴، قدیمی)

(۱) "وأفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم الجمعة، وهو أفضل من سبعين حجةً في غير جمعة" الخ.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل العمرة سنة، ص: ۷۴۰، قديمي)

(۲) "عن طلحة بن عبيد الله أنه عليه الصلاة والسلام قال: "أفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم جمعة، وهو أفضل من سبعين حجةً في غير جمعة". (تبيين الحقائق، باب الإحرام: ۲/۲۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "وأفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق الجمعة، وهو أفضل من سبعين حجةً في غير جمعة". (أوجز المسالك، باب حج يوم الجمعة هل له مزية: ۳/۲۲۷، المكتبة اليحيوية سهارنپور يوپی هند)

(۴) "الحج الأكبر في عرف الحديث هو الحج، وأما الحج الأصغر فالعمرة، لا ما هو متعارف في عامة الناس من أن الحج الأكبر الذي يكون يوم عرفة فيه يوم الجمعة". (العرف الشذي على جامع الترمذي: ۱/۱۹۹، سعيد)

کی جس سے دم یا کفارہ لازم آئے (۱) مقبول وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے (۲)۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنایت کے باوجود قبول ہو جائے تو وہ مقبول ہے مبرور نہیں ہے، کبھی جنایت سے پاک وصاف ہونے کے باوجود قبول نہیں ہوتا ہے مثلاً ناجائز روپیہ سے حج کیا تو وہ مبرور ہے مقبول نہیں (۳)۔ مقبول ومبرور کا جمع ہونا ظاہر ہے کبھی ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۹۳ھ۔

بیوی کو حج کے لئے ساتھ لیجانا کب ضروری ہے؟

سوال [۵۰۳۴]: زید حج بیت اللہ کے لئے جارہا ہے اس کی بیوی کے پاس ایک ہزار روپے نقد موجود ہیں جو کرایہ وغیرہ کے لئے کافی ہوگا مگر زادِ راہ کا روپیہ ان کے پاس نہیں ہے، اس کی بیوی زید سے تقاضا

---

(۱) "وهو (أي الحج المبرور) ما لا جناية فيه". (فيض الباري، باب فضل الحج المبرور: ۳/۱۶۲، خضر راه بک ڈپو دیوبند الهند)

"فعلى هذا يخرج الحج من أن يكون مبروراً بارتكاب الجناية عمداً مرةً بعد أخرى وإن كفّر عنه صاحبه ... ومن فعل شيئاً مما يحكم بتحريمه، فقد أخرج حجه أن يكون مبروراً". (البحر الرائق، باب الجنايات: ۳/۴۲، رشيديه)

(۲) "والقبول المترتب عليه الثواب يبتني على أشياء: كحل المال والإخلاص كما لو صلى مرائياً أو صام واغتاب، فإن الفعل صحيح لكنه بلا ثواب". (رد المحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

(۳) "ولذا قال في البحر: ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كما ورد في الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول". (رد المحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

"ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام مع أنه يسقط الفرض معها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(۴) "المبرور المقبول، وقال غيره: الذي لا يخالطه شيء من الإثم، وقال القرطبي: الأقوال التي ذكرت في تفسيره متقاربة المعنى". (فتح الباري، باب فضل الحج المبرور: ۳/۴۸۲، دار المعرفة بيروت)

حج کو جاتے وقت والد، والدہ، بیوی کس کو ساتھ لیجائے؟

سوال [illegible]: میں حج کو جا رہا ہوں دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں اپنی والدہ، بیوی اور والد میں سے کس کو اپنے ہمراہ لے جانے کا پہلے حق حاصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والدہ صاحبہ کو اپنے ساتھ لے جائیں تو بہتر ہے، خدا جانے پھر ان کو ساتھ جانے کے لئے کب میسر آئے یا نہ آئے (۱)۔ ویسے آپ والد صاحب اور اہلیہ میں سے جس کو دل چاہے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۰ھ۔

بیوی سے کیا گیا حج کا وعدہ کیا شوہر کے حق میں مانع ہے؟

سوال [illegible]: سائل نے اپنی بیوی سے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کو حج کرادے گا، لیکن بیوی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ موجودہ قانون کے مطابق اس کو اجازت مل جائے تو کیا یہ امر سائل کے حج میں مانع ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کا اس پوزیشن میں نہ ہونا آپ کے لئے حج سے مانع نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۴/۹۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله من أحق بحسن صحابتي؟ قال: "أمك" قال: ثم من؟ قال: "أمك" قال: ثم من؟ قال: "ثم أمك" قال: ثم من؟ قال: "ثم أبوك"

(صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة: ۲/۸۸۳، قديمي)

(وكذا في الصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب بر الوالدين وأنهما أحق به: ۲/۳۱۲، قديمي)

(۲) "قال المزني: قال الشافعي رحمه الله تعالى: فرض الله تبارك وتعالى الحج على كل حر بالغ استطاع إليه سبيلاً بدلالة الكتاب والسنة" (الحاوي الكبير، كتاب الحج: ۵/۳، المكتبة التجارية، مصطفى أحمد الباز)

"شروط الوجوب: وهي التي إذا وجدت بتمامها وجب الحج وإلا فلا" (رد المحتار ...

کیا مال ضائع ہونے سے حج ساقط ہو جائے گا؟

سوال [۵۰۲۶]: ایک شخص پر حج فرض ہو چکا تھا مگر کسی طرح اس کا مال ضائع ہو گیا جس سے حج کو جانے کی طاقت جاتی رہی تو اب حج اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کے پاس مال بقدر حج ایسے وقت تھا کہ لوگ حج کو نہیں جارہے تھے بلکہ ابھی وقت حج میں دیر تھی اور وقت حج آنے سے پہلے ہی وہ مال ضائع ہو گیا تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں۔ اگر زمانہ حج میں مال تھا اور اس نے ارادہ کر لیا تھا مگر بغیر اس کے اختیار کے مال ضائع ہو گیا تب بھی اس کے ذمہ حج نہیں، اگر اس نے خود اپنے اختیار سے ایسی جگہ خرچ کر دیا جہاں شریعت کی طرف سے خرچ کرنے کا امر نہیں تھا تو اس کے ذمہ حج لازم ہو گیا، بحر: ۲/۳۳۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۸، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: ۲۰، مكتبه مصطفى محمد صاحب المكة)

(۱) "ولقدمنا أن من شرائط الوقت أعني أن يكون مالكاً لما ذكر في أشهر الحج، حتى لو ملك ماله الاستطاعة قبلها، كان في سعة من صرفها إلى غيره. وأفاد هذا قيداً في صيرورته ديناً إذا افتقر: هو أن يكون مالكاً في أشهر الحج فلم يحج. والأولى أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج أهل البلدة إن كانوا يخرجون قبل أشهر الحج لبعد المسافة، أو كان قادراً في أشهر الحج إن كانوا يخرجون فيها ولم يحج حتى افتقر، تقرر ديناً. وإن ملك في غيرها وصرفها إلى غيره، لا شيء عليه. كذا في فتح القدير". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۰، رشيدية)

"ثم ما ذكر من الشرائط لوجوب الحج من الزاد والراحلة وغير ذلك يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلى مكة، حتى لو ملك الزاد والراحلة في أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن أهل بلده لا يجب عليه الحج. فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده، فيلزمه التأهب، فلا يجوز له صرفه إلى غيره. فإن صرفه إلى غير الحج، أثم وعليه الحج. كذا في البدائع" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۱/۲۱۷، رشيدية)

روپیہ ضائع ہونے سے فرضیتِ حج ساقط نہیں ہوتی

سوال [۵۰۳۸]: عرصہ ۱۲/ سال کا ہوا جب زید پر حج فرض ہوا، اس رقم سے زید نے کھانڈ (چینی) خریدی، چونکہ حج کے جانے میں زیادہ دن تھے فرصت کی بات کہاں، دوران میں کچھ تو سرکاری گرفت میں آگئی اور جو روپیہ تھا وہ سب ختم ہوگیا اور زید حج سے محروم ہوگیا۔ اب قدرت نے پھر موقع عنایت فرمایا ہے، لڑکے اپنے پیسے سے حج بیت اللہ کو بھیج رہے ہیں، اب آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ جو زید پر حج کی فرضیت پہلی میں ہوچکی تھی وہ روپیہ ختم ہونے کے بعد فرضیت ختم ہوگئی یا باقی رہ گئی؟ اور اگر باقی رہی تو کیا لڑکوں سے حج کرانے سے وہ فرضیت ختم ہوجائے گی یا نہیں؟ تو پھر کیا صورت اختیار کیا جائے کہ جس سے حج بھی ہوجائے اور فرضیت بھی نہ رہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روپیہ محفوظ نہیں رکھا، تجارت میں لگا دیا جس کی وجہ سے وہ ضائع ہوگیا، اس لئے فریضۂ حج ختم نہیں ہوا، بلکہ ذمہ میں باقی ہے، لڑکے اگر پیسے دے رہے ہیں وہ اس سے حج کرکے فریضۂ حج ادا ہوجائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الحج: ۲/۴۱۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "وقد قدمنا أن من الشرائط الوقت، أعني أن يكون مالكاً لما ذكر في أشهر الحج، حتى لو ملك ما به الاستطاعة قبلها، كان في سعة من صرفها إلى غيره. وأفاد هذا قيداً في صيرورته ديناً إذا افتقر، وهو أن يكون مالكاً في أشهر الحج فلم يحج، والأولى أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون قبل أشهر الحج لبعد المسافة، أو كان قادراً في أشهر الحج إن كانوا يخرجون فيها، ولم يحج حتى افتقر تقرر ديناً. وإن ملكه في غيرها وصرفها إلى غيره لا شيء عليه، كذا في فتح القدير". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۵، رشيدية)

"بخلاف ما لو ملكه مسلم فلم يحج حتى افتقر، حيث يتقرر الحج في ذمته ديناً عليه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۱/۲۱۷، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحج: ۲/۴۱۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

حج کے بعد مالی پوزیشن صفر ہونے کی حالت میں حج

سوال[۵۰۳۹]: سائل کی مالی حیثیت اتنی ہے کہ بیوی کا مہر ادا کرنے کے بعد اور اہل وعیال کے خرچہ کے بعد سفر حج کے اخراجات پورے ہو سکتے ہیں، تو کیا حج فرض ہو جاتا ہے، جبکہ حج کے بعد مالی پوزیشن صفر ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں حج فرض ہوگا:

"تملك القدرة فاضلاً عن نفقته ونفقة عياله إلى حين عوده، وقيل: بعده بيوم، وقيل: بشهر". طحطاوی(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۸۹ھ۔

قحط کی حالت میں حج

سوال[۵۰۴۰]: عبدالرشید کی ایک لڑکی شادی شدہ ہے، لیکن ناداری کی وجہ سے پریشان رہتی ہے، ہر چند سمجھایا مگر باز نہیں آتا، اب عبدالرشید حج کو جانا چاہتا ہے، عزیزوں کا کہنا ہے کہ قحط میں اگر حج کو گئے تو لڑکی تباہ ہو جائے گی اور اس کی زندگی بھیانک ہو جائے گی، اسی طرح اس وقت قحط پڑ رہا ہے تو پھر حج کو جانا چاہئے یا اس وقت لڑکی کی مدد کرے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کی مذکورہ حالت کی بنا پر حج فرض کو ترک نہ کرے، اسی طرح بارش نہ ہونے کی وجہ سے ترک نہ کرے(۲)، ہاں! اگر وقت حج سے پہلے پہلے اپنا روپیہ لڑکی پر صرف کردے، یا قحط زدہ لوگوں کی مدد

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الحج، ص: ۷۲۳، قديمي)

"لأن التوفر في وجوب الحج بالزاد والراحلة ونفقة أهله في ذهابه وعوده، ولا اعتبار بما بعده". (الحاوي الكبير، كتاب الحج: ۵/۳، المكتبة التجارية، مصطفى أحمد الباز)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الحج: ۱۸۱/۱، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

مشترکہ تجارت میں حج کس پر ہے؟

سوال[۵۰۴۲]: ۱... چند بھائی مشترکہ زندگی گزارتے ہیں اور سب کماتے ہیں کوئی تجارت سے، کوئی زراعت سے مگر تجارت کرنے والے بھائی زیادہ کماتے ہیں کہ سب کا اخراجات مشترکہ اٹھانے کے بعد بھی اتنا روپیہ بچ رہتا ہے کہ گھر کا ہر فرد حج کر سکتا ہے۔ اور مشترکہ گھر جس میں نصاب سے کم کماتے ہیں حسب ذیل قسم کے لوگ شامل ہیں: اس تاجر کے بھائی اور ان کی بیویاں اور اس کے والدین اور اس تاجر کے بالغ لڑکے غیر شادی شدہ، تو شرعاً ان میں کس پر حج فرض ہوگا اور کس پر نہیں؟

ایضاً

سوال[۵۰۴۳]: ۲... خاندان مشترک میں سوال نمبر۱ کی نوعیت کے لوگ شامل ہوں اور روپیہ صرف تین یا چار آدمی کے حج کے لئے متکفل ہوتا ہو اور سب کے لئے کفایت نہیں کرتا تو کیا ان میں چار آدمیوں پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں خاندان کے کن لوگوں کو پہلے جانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... جب سب بھائی الگ الگ کماتے ہیں تو ہر ایک اپنی کمائی کا مالک ہے، جس کے پاس حوائج اصلیہ سے زائد بقدرِ حج روپیہ ہو اس پر حج فرض ہے(۱)۔ ان کا ایک ساتھ مشترکہ زندگی گزارنا اور ایک دوسرے کی اعانت کرنا یہ آپس کی ہمدردی ہے۔ جس کا کمایا ہوا روپیہ ہے اگر وہ پہلے حج کرلے پھر نمبروار دوسروں کو حج

= مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ۲/۴۶۲، ۴۶۳، سعيد)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك أو الإجارة، دون الإعارة والإباحة ... وتفسير ملك الزاد والراحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته، وهو ما سوى مسكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدر ما يبلغه إلى مكة ذاهباً وجائياً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الفصل الأول: ۱/۲۱۷، رشيديه)

"الحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلاً عن المسكن وما لابد منه". (اللباب في شرح الكتاب، كتاب الحج: ۱/۱۹۳، قديمي)

کرائیں تو سب کو یہ سعادت حاصل ہو جائے گی۔ نابالغ پر حج فرض نہیں، اگر وہ حج کرلیں تو ثواب کے وہ بھی مستحق ہوں گے مگر بالغ ہونے پر اگر فرض ہوا ہو تو پھر ادا کرنا ہوگا(۱)۔

۲... نمبر ۱ سے ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۱۰۷ھ۔

کیا اپنے حج کے لئے پہلے والد کو حج کرانا ضروری ہے؟

سوال[۵۰۲۴]: ایک شخص نے اپنی کمائی سے حج کے لئے روپیہ اکٹھا کیا اور وہ حج کو جانا چاہتا ہے، مگر لوگ کہتے ہیں پہلے والد کو حج کرانا چاہئے، بعد میں خود کرے۔ اب اس کو کیا کرنا چاہئے جب کہ اس کے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ والد کو بھی ساتھ لے جا سکے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو خود اپنا حج کرنا چاہئے، پھر اگر کسی وقت وسعت ہو اور اپنے والد کو بھی حج کرادے تو عین سعادت ہے۔ یہ بات کہ "جب تک والد کو حج نہ کرائے اپنا حج بھی نہ کرے" شرعی مسئلہ نہیں، بلکہ بے علم عوام میں غلط مشہور ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "فمنها البلوغ، ومنها العقل، فلا حج على الصبي والمجنون؛ لأنه لا خطاب عليهما، فلا يلزمهما الحج، حتى لو حجا، ثم بلغ الصبي وأفاق المجنون، فعليهما حجة الإسلام، وما فعله الصبي قبل البلوغ يكون تطوعاً، وقد روي عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: "أيما صبي حج عشر حجج، ثم بلغ، فعليه حجة الإسلام"". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۳۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۷، كتاب المناسك، الفصل الأول، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۸، ۴۵۹، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا﴾ (آل عمران: ۹۷)

"(والقدرة زاد وراحلة) ..... ولو لم يكن له زاد ولا راحلة، لا يجب عليه". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۲/۲۳۵، كتاب الحج، دار الكتب العلمية بيروت)

حج کے ارکان

سوال[۵۰۲۵]: اگر کسی مسلمان نے حج کی نیت سے احرام کی چادریں باندھ کر عرفات میں وقوف کیا اور طواف زیارت بھی کر لیا تو کیا اس کا حج ہو گیا؟ اور اس کو حج کا پورا پورا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج کے دو رکن ہیں: وقوف عرفات اور طواف زیارت، ان کے بعد احرام ادا کر لینے سے حج ادا ہو جائے گا(۱)۔ بقیہ امور حج میں واجب، سنت اور مستحب ہیں جن کے ترک سے صدقہ وغیرہ لازم ہوتا ہے یا تو ثواب میں کمی آتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حکومتِ سعودیہ کے حکم پر دو دن پہلے حج

سوال[۵۰۲۶]: اس سال ۲۹/ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ کو رویت ہلال بروز چہارشنبہ اور یکم ذی الحجہ جمعہ کو ہوئی، اس حساب سے یوم عرفہ جمعہ کو تھا لیکن وقوف عرفات بدھ کو تھا، کیا یہ حج صحیح ہے؟ ۱۰/ ذی الحجہ کو منیٰ میں

---

(۱) "قال الإمام ابن الهمام: الظاهر أنه عبارة عن الأفعال المخصوصة من الطواف والوقوف في وقته محرماً بنية الحج سابقاً: أي على الأفعال". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: ۴۰، مكتبه مصطفى محمد مصر)

"(منها الإحرام) وهو شرط لصحة الحج من وجه، ولذا يجوز قبل الوقت، وركن له من وجه"

"وهو شرط للحج أي عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وعند الأئمة الثلاثة ركن"

"(والوقوف بعرفة) أي في وقته ولو ساعة (وأكثر طواف الزيارة) أي في محله وهما ركنان للحج"

"قوله: وهما ركنان، لأن الوقوف أقوى من الطواف ... فإنه لا وجود للحج إلا بوجود ركنيه". (مناسك الملا علي القاري، فصل في فرائضه، ص: ۶۶، مكتبه إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۳۸، رشيديه)

جو قربانیاں وہاں کی گئیں صحیح ہوئیں؟ کیا ان حجاج کا فریضۂ حج جو ان پر فرض تھا ادا ہوگیا؟ یا درست ہے کہ بہ نیت حج ابتدائے قربانی سے یہ حجاج ثواب کے مستحق ہوگئے؟ اگر یہ حج نہیں ہوا کیونکہ حکومت سعودیہ کے حکم پر عرفہ میں یوم حج سے ایک دن پہلے ہوا تو کیا یہ مداخلت فی الدین نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکومت سعودیہ میں جہاں تک مجھے علم ہے رؤیت ہلال کا خاص کر حج سے متعلق بہت اہتمام کیا جاتا ہے، جہاں بھی رؤیت ہوئی فوراً ملک میں شہرت ہو جاتی ہے اور تمام علاقے کے قضاۃ ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، پھر اس ثبوت وشہادت پر پوری جرح اور گفتگو ہوتی ہے، پھر سب کو سامنے رکھ کر علماء فیصلہ کرتے ہیں اور باضابطہ اس کی اطلاع دی جاتی ہے اور اعلان کیا جاتا ہے، خطبات دیئے جاتے ہیں، منیٰ، عرفات، مزدلفہ کے انتظامات کئے جاتے ہیں، اس اہم فریضہ کی اس کی شان کے مطابق اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۸/ذی الحجہ کو منیٰ کو روانگی ہوتی ہے، ۹/ذی الحجہ کو عرفات میں وقوف ہوتا ہے، آفتاب غروب ہونے پر وہاں سے واپسی ہوتی ہے، مزدلفہ میں مغرب وعشاء پڑھتے ہیں، پھر ۱۰/ذی الحجہ کو فجر بھی وہیں غلس میں ادا کی جاتی ہے، پھر منیٰ میں رمی کرکے، اضحیہ، حلق کرتے ہیں پھر طواف زیارت ۱۰ کو یا ۱۱ کو یا ۱۲ کو حسب موقع ادا کرتے ہیں، اضحیہ کا سلسلہ بھی تین دن جاری رہتا ہے، یہ عام نظم ہے، اپنے کسی ملک کی رؤیت اگر اس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے تمام حجاج کے حج اور قربانی کو غلط کہنا یا اس کو مداخلت فی الدین قرار دینا غلط ہے(۱)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "ولا عبرة باختلاف المطالع، وقيل: يعتبر، والأشبه أن يعتبر؛ لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم. وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار، كما أن دخول الوقت وخروجه يختلف باختلاف الأقطار، حتى إذا زالت الشمس في المشرق لا يلزم منه أن تزول في المغرب، بل كلما تحركت الشمس درجة، فتلك طلوع فجر لقوم، وطلوع شمس لآخرين، وغروب لبعض، ونصف ليل لغيرهم" (تبيين الحقائق، كتاب الصوم: ۱/۳۲۱، مكتبه امداديه ملتان)

"وقيل: يختلف ثبوته باختلاف المطالع، واختاره صاحب التجريد وغيره، كما إذا زالت -

سرکاری روپیہ سے حج

سوال[۵۰۲۰]: حکومت ہند موسم حج میں حاجیوں کی دیکھ بھال کے لئے ویلفیئر آفیسر بنا کر کسی کو منتخب کر کے اس کے تمام مصارف برداشت کرتی ہے اور اس کے لئے بقدر ضرورت تمام رقم پیشگی دے دیتی ہے، وہ منتخب آفیسر اپنے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ حج بیت اللہ بھی ادا کر لیتے ہیں۔ اس کا یہ حج کیسا ہوگا؟ اس کا وہ حج فرضیت حج میں شمار ہوگا یا نفل؟ کیا حکومت نے جب رقم دی اس وقت وہ صاحب نصاب شمار نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کوئی شخص خود صاحب نصاب نہیں جس سے اس پر حج فرض ہو یعنی زاد راہ پر قدرت نہیں، مگر وہ پیدل مکہ پہنچ جائے، یا کوئی شخص اس کو اپنے ساتھ لے جائے یا کسی نے اس کو روپیہ دے دیا جس سے وہ وہاں پہنچ گیا اور حج ادا کر لیا تو اس کا حج ادا ہو جائے گا (۱)، پھر غنی ہو جانے پر اس کے ذمہ دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا (۲)۔

= الشمس عند قوم و غربت عند غيرهم، فالعبرة على الأولى لا المغرب، لعدم انعقاد السبب في حقهم".

"(قوله: واعتبره صاحب التجريد) وهو الأشبه وإن كان الأول أصح، كذا في السيد. قوله: (كما إذا زالت، الخ) قال في شرح السيد: لأن انفصال الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار كما في دخول الوقت وخروجه، حتى إذا زالت الشمس في المشرق، لا يلزم منه أن تزول في المغرب، وكذا طلوع الفجر وغروب الشمس، بل كلما تحركت درجة، فتلك طلوع الفجر لقوم وطلوع الشمس لآخرين، وغروب لبعض ونصف ليل لآخرين، وهذا مثبت في علم الأفلاك والهيئة، عيني". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب، فصل فيما يثبت به الهلال، ص: ۴۵۱، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصوم، رؤية الهلال: ۲/۳۵۵، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

(۱) "والثاني: أن الفقير إذا وصل إلى المواقيت، صار حكمه حكم أهل مكة، فيجب وإن لم يقدر على الراحلة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۲، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۲/۲۹۵، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲) "والفقير إذا حج ماشياً ثم أيسر، لا حج عليه". (التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۲۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي)

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ کسی فرض کی ادائیگی کے لئے جو شرائط ہوں ان کی تحصیل مقصود نہیں، بلکہ جب ان کا حصول ہو جائے خواہ کسی طریقے سے ہو تو بھی کافی ہے، مثلاً: نماز کے لئے طہارت شرط ہے، ایک شخص یا اتفاقیہ نہر میں گر گیا، پانی اس کے بدن پر پہونچ گیا اور بہہ گیا، پھر اس نے نماز پڑھی تو اس کی نماز ہو جائے گی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے اپنے قصد سے وضو نہیں کیا، اس لئے اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اسی طرح یہاں بھی اس کا حج ادا ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۱/۱۴۰۲ھ۔

والدہ کے روپیہ سے حج

سوال [۵۰۴۸]: میں خیریت سے رہ کر اس سال فریضۂ حج کے لئے اپنی والدہ محترمہ کا محرم بن کر ان کے ساتھ جانا چاہتا ہوں، میری عمر تقریباً ۱۸ سال ہے، مجھ سے بڑے ایک بھائی ہیں جن کی عمر تقریباً ۲۱ سال ہے۔ میرے اس مسئلہ کا حل فرما کر مجھ پر احسان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خرچ کا روپیہ آپ کی ملک کر دیا جائے، یا پہلے سے آپ کے پاس اتنا ہو کہ جس میں آپ حج کر سکیں تو پھر والدہ محترمہ کے ساتھ جانے اور حج کرنے سے آپ کا حج ادا ہو جائے گا۔ اگر والدہ محترمہ اپنے روپیہ سے آپ کو ساتھ لے جائیں اور حج کرلیں تب بھی حج ادا ہو جائے گا۔ اس فکر میں نہ رہیں کہ بڑے بھائی نے حج نہیں کیا تو میں کیسے حج کروں، آپ کا حج ہر حال میں ادا ہو جائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۱۴۰۹ھ۔

= وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۱۷، رشيديه)

(۱) "إنما يراعى حصولها (أي شرائطها) لا تحصيلها". (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها: ۱/۱۳۵، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

"أما إذا كان شرطاً لحكم، لا نشترط النية في هذا الشرط، لأن الشرط يراعى وجوده مطلقاً، لا وجوده قصداً ... أنه لو سال عليه المطر، فغسل أعضاء وضوءه، أو جميع البدن، أجزأه عن الوضوء والغسل". (الأشباه والنظائر، الثواب الإمانية: ۱/۹۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

(۲) "ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك، أو الإجارة دون الإعارة، أو الإباحة، سواء =

سرکاری ملازم کا دورہ پر حج ادا کرنا

سوال [۵۰۲۱]: زید ایک سرکاری ہسپتال میں کمپونڈر ہے، اس سال حکومت ہند کی جانب سے وہ بحیثیت ملازم سعودی عرب چار ماہ کے لئے بھیجا جارہا ہے، اس مدت میں اس کو تنخواہ کے ساتھ دیگر سہولتیں بھی حکومت کی طرف سے حاصل رہیں گی، مثلاً سفر خرچ وغیرہ۔ زمانۂ حج میں وہ سعودی عرب میں مقیم رہے گا، ایسی صورت میں اگر وہ فریضۂ حج ادا کرے گا تو کیا اس کے ذمہ سے فرض اتر جائے گا؟ یا صاحبِ استطاعت ہونے کی صورت میں دوبارہ اپنے ذاتی مصارف سے حج کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ سرکار کے دیئے ہوئے مصارف سے حج کرے گا تب بھی فریضۂ حج ادا ہو جائے گا (۱)، پھر

= كانت الإباحة من جهة من لا منة له عليه كالوالدين والمولودين أو من غيرهم كالأجانب، كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۱/۲۱۷، رشيدية)

"(قوله: ذي زاد وراحلة) أفاد أنه لا يجب إلا بملك الزاد وملك أجرة الراحلة، فلا يجب بالإباحة أو العارية، كما في البحر وغيره". (رد المحتار، مطلب في من حج بمال حرام: ۲/۴۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۳۸، رشيدية)

(۱) "واعلم أن الفقير إذا وصل إلى الميقات، صار حكمه حكم أهل مكة، فيجب وإن لم يقدر على الراحلة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۹، رشيدية)

"فإذا تحمل الحرج وقع موقعه كالفقير إذا حج، والعبد إذا حضر الجمعة فأداها، ولأنه إذا وصل إلى مكة، صار كأهل مكة، فيلزمه الحج". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۵، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

"في اللباب: الفقير الآفاقي إذا وصل إلى ميقات، فهو كالمكي ... ونظيره ما سنذكره في باب الحج عن الغير من أن المأمور بالحج إذا وصل إلى مكة، لزمه أن يمكث ليحج حج الفرض عن نفسه، لكونه صار قادراً على ما فيه، كما سنعلمه إن شاء الله". (رد المحتار، مطلب في من حج بمال حرام: ۲/۴۶۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحیح ہے، تاہم اگر کرلیا ہے تو فریضہ ادا ہو گیا، لیکن حج مقبول کا ثواب حاصل نہ ہوگا(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر اللہ لہ۔

ناجائز مخلوط مال سے حج

سوال[۵۰۵۲]: ایک شخص نے ارادۂ حج بیت اللہ شریف کے لئے پونجی جمع کی جو اس وقت حج کے لئے کافی معلوم ہوتی ہے، لیکن اس نے چند ایک کتب دینیات مطالعہ کیں جس سے اس نے اپنی غلطیاں محسوس کیں اور اس کو شک ہے کہ اس کی پونجی سے حج بیت اللہ شریف شاید واجب نہ ہو، لہٰذا معلوم ہو کہ پونجی جمع شدہ اس کی رقوم سے ہے:

۱- شخص مذکور آج سے ۱۸/ سال پہلے تقریباً عمر میں ملازمت لال ٹین جلانے کی ۱۶-۱۷/ سال کرتا رہا اس میں حسب دستور سب ملازم تیل کی بچت کرتے ہیں، چنانچہ اس نے بھی ایسا ہی کیا اور تیل فروخت کرکے رقم جمع کرتا رہا، لیکن معلوم نہیں ہے کہ اس کی کتنی رقم اس نے جمع کی ہے، لیکن رقم تیل فروخت شدہ تنخواہ سے زائد ہوا کرتی تھی۔

---

(۱) "ویجتهد في تحصیل نفقة حلال، فإنه لایقبل الحج بالنفقة الحرام، کما ورد في الحدیث، مع أنه یسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بین سقوطه وعدم قبوله، فلا یثاب لعدم القبول، ولا یعاقب عقاب تارك الحج". (رد المحتار: ۴۵۶/۲، مطلب فیمن حج بمال حرام، سعید)

"ویجتهد في تحصیل نفقة حلال، فإنه لا یقبل الحج بالنفقة الحرام مع أنه یسقط الفرض معها وإن کانت مغصوبة، کذا في فتح القدیر". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب المناسك، الباب الأول في تفسیر الحج وفرضیته الخ: ۲۲۰/۱، رشیدیه)

"وقیدنا زاد وراحلة ... فلا تجب بإباحة ولا بمال حرام، لکن لو حج به جاز؛ لأن المعاصي لا تمنع الطاعات، وقد قیل بها لا یقال: إنها غیر مقبولة، کما في مکروهات صلاة الخزانة ذکره القهستاني". (مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر، کتاب الحج: ۲۶۱/۱، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے(۱)۔

رقم نمبر ۱: چوری ہے(۲)۔ رقم ۲: بھی ناجائز ہے کہ یہ قرآن شریف رمضان میں سنانے کی اجرت ہے(۳)۔ رقم ۳: اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے، بعض کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے(۴)، تاہم اس کی واپسی ڈاکخانہ میں ہرگز جائز نہیں، اگر یہ وہ احتیاط مطلوب ہو تو غرباء پر اس کو صدقہ کردیا جائے(۵)، ورنہ اپنے پاس رکھنے کی بھی گنجائش ہے۔ یہ سب چیزیں جائز ہیں بشرطیکہ رقم ناجائز کا ضمان ادا کردیا جائے(۶)۔

۵: قرآن کریم سنانے پر کوئی رقم دینا بغیر طلب بھی ناجائز ہے، لأن المعروف کالمشروط، البتہ اگر کسی جگہ یہ رواج ہو کہ سنانے والے کو کچھ نہ دیا جاتا ہو اور وہ محض ثواب کی غرض سے سناتا ہو اور اس کے ذہن

---

(۱) "والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (رد المحتار، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(۲) "هي لغة أخذ الشيء من الغير خفية". (رد المحتار، كتاب السرقة: ۴/۸۲، سعيد)

(۳) "أقول: المفتى به جواز الأخذ استحساناً على تعليم القرآن لا على القراءة المجردة، كما صرح به في التاتارخانية". (رد المحتار، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل ونحوه: ۶/۵۶، سعيد)

(وكذا في رسائل ابن عابدين: ۱/۱۶۲، ۱۶۴، سهيل اكيدمي لاهور)

(۴) "قوله: لا ربا بين أهل الحرب، أقول: قد طال النزاع في هذه المسئلة قديماً وحديثاً، فقال إبراهيم النخعي، وأبو حنيفة، والثوري، ومحمد: إنه لا ربا بين أهل الحرب وأهل الإسلام في دار الحرب، وقال أبو يوسف والشافعي وأحمد ومالك بخلافه". (إعلاء السنن، باب الربا في دار الحرب بين المسلم والحربي: ۱۴/۳۶۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(۵) "والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لا يصل إليه عين ماله". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيدية)

(وكذا في الهداية، كتاب الكفالة: ۳/۱۴۳، إمدادية ملتان)

(۶) "إذا لم يخلط بحيث لا يتميز يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لا يحل له التصرف فيه ما لم يؤد بدله، كما حققناه قبيل باب زكاة المال الفاضل". (رد المحتار، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

میں بھی منع ہو کہ یہاں سے کچھ ملے گا، یا صاف طور پر تصریح کردی جائے کہ یہاں سے کچھ نہ دیا جائے گا، اور پھر کوئی شخص از خود کچھ خدمت کردے تو اس کے قبول کرنے میں مضائقہ نہیں اور چندہ کرنے اور جبراً وصول کرکے حافظ کو دینے کا جیسا رواج ہے یہ ہرگز درست نہیں، لینے والا اور دینے والا سب گناہگار ہوتے ہیں، ایسی رقم کی واپسی ضروری ہے، کذا فی الشامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۹/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبد اللطیف، ۱۸/ذیقعدہ/۵۵ھ۔

ناجائز آمدنی سے حج کرنا

سوال[۵۰۵۳]: ہندہ کے پاس صرف ایک پختہ عمارت جس کی قیمت تقریباً ۲ ہزار روپیہ ہے حلال اور حرام پیسے سے عمارت کی تعمیر ہوئی ہے یعنی رشوت اور غیر رشوت کے پیسے سے رشوت کا روپیہ ۴ گنا لگا ہے، اس صورت میں ہندہ عمارت مذکورہ بیچ کر حج کر سکتی ہے یا نہیں؟ حوالۂ حدیث مع کتب مدلل تحریر فرمادیں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندہ کو چاہئے کہ کسی سے قرض لے کر اسی سے حج کرے (کسی محرم کے ساتھ)، پھر عمارت مذکورہ کی قیمت سے وہ قرض ادا کردے تاکہ حج بلا شبہ حلال مال سے ادا ہو (۲)، لیکن عمارت مذکورہ کی قیمت بلکہ خاص حرام مال

---

(۱) "(ويجبر المستأجر على دفع ما قبل) فيجب المسمى بعقد وأجر المثل إذا لم تذكر مدة، شرح وهبانية من الشركة (ويحبس به) به يفتى (ويجبر على) دفع (الحلوة المرسومة) هي ما يهدى للمعلم على رءوس بعض سور القرآن سميت بها، لأن العادة إهداء الحلاوى". (الدر المختار) وقال ابن عابدين: "وقال العيني في شرح الهداية: والآخذ والمعطي آثمان" (مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل الخ: ۶/۵۶، سعيد)

(۲) "إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج ويقضي دينه من ماله. كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، المقدمة، الفصل الأول، مكتبة مصطفى محمد بيروت)

۲... اگر اس کے پاس حلال آمدنی کا ذریعہ بھی ہے یا وہ کہتا ہے کہ یہ روپیہ قرض لیا ہے تو اس کا قول صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۱۰ھ۔

فرضیتِ حج کے لئے مدینہ طیبہ کا خرچ ہونا ضروری نہیں

سوال[۵۰۲۸]: زید کے پاس صرف مکہ معظمہ تک پہنچنے آنے کا خرچ ہے تو ایسی صورت میں زید کے ذمہ حج کے لئے جانا فرض ہوگا، یا مدینہ طیبہ کے مع خرچ ہونے تک حج کو ملتوی رکھے، پھر جب بھی حرمین تک کا خرچ میسر آجائے اس وقت جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے پاس مکہ معظمہ تک جانے، وہاں سے آنے اور حج کرنے کا خرچ موجود ہو اس کے ذمہ حج لازم ہوگا، (بحر: ۲/۳۳۴)(۲)۔ پھر مدینہ طیبہ کے لئے کوشش کرے اور اللہ سے دعا کرے، اگر گنجائش ہوجائے تو وہاں حاضری کی سعادت بھی حاصل کرے، حج کو اس انتظار میں مؤخر نہ کرے کہ جب مدینہ طیبہ کا خرچ بھی پاس ہوگا تب حج کرے گا(۳)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام، لا يقبل ولا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۳، رشيدية)

(و) "فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثه أو استقرضه من رجل، كذا في الينابيع". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيدية)

(۲) (البحر الرائق: ۲/۳۳۴، كتاب الحج، رشيدية)

(۳) "(ومنها القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملك ... وتفسير ملك الزاد والراحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته، وهو ما سوى مسكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدر ما يبلغه إلى مكة ذاهباً وجائياً راكباً لا ماشياً، وسوى ما يقضي به ديونه ويمسك لنفقة عياله ومرمة مسكنه ونحوه إلى وقت انصرافه، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۷، كتاب المناسك، رشيدية) =

حج کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا۔ اسی طرح کسی کے ذمہ کچھ فرض نمازیں ہوں یا فرض روزے ہوں یا فرض زکوٰۃ ہو تو حج کرنے سے یہ نماز، روزہ، زکوٰۃ کچھ بھی معاف نہیں ہوں گے، یہ اللہ کا دین ہے (۱) دین کا معاف نہ ہونا حدیث شریف میں موجود ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

حج بدل کے لئے پانچ سال کی قید

سوال [۵۰۲۲]: حکومت ہند نے حج کے سلسلہ میں یہ قید لگا رکھی ہے کہ ایک مرتبہ حج کرنے کے بعد پانچ برس تک حج کو نہیں جا سکتا ہے، اس قید کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ایک حلقہ [illegible] ہے

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن أمي ماتت وعليها صوم شهر، أفأقضيه عنها؟ قال: "نعم، فدين الله أحق أن يقضى"
(صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم: ۱/۲۶۲، قديمي)
(والصحيح لمسلم، كتاب الصوم، باب قضاء الصوم عن الميت: ۱/۳۶۲، قديمي)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "القتل في سبيل الله يكفر كل خطيئة" فقال جبريل: إلا الدين، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إلا الدين"
(جامع الترمذي، أبواب فضائل الجهاد، باب ما جاء في ثواب الشهيد: ۱/۲۹۴، سعيد)

"قال في البحر الرائق: فليس معنى التكفير كما يتوهمه كثير من الناس أن الدين يسقط عنه، وكذا قضاء الصلاة والصوم، والزكاة، إذ لم يقل أحد بذلك" (رد المحتار، مطلب في تكفير الحج الكبائر: ۲/۶۲۳، سعيد)

"قال القاضي عياض: أجمع أهل السنة أن الكبائر لا يكفرها إلا التوبة، ولا قائل بسقوط الدين ولو حقاً لله تعالى كدين الصلاة والزكاة، فالحج يغفر الذنوب و... الخطايا، لا حقوق الآدميين، فإنها تتعلق بالذمة، حتى يجمع الله أصحاب الحقوق، فيأخذ كل حقه" (الفقه الإسلامي وأدلته، باب الحج أفضل من الجهاد: ۳/۱۲، حقانية پشاور)

(وكذا في مناسك الملا علي القاري، باب المتفرقات: ۳۶۹، إدارة القرآن كراچی)

کہ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ پانچ برس میں سے کسی سال بھی حج کو نہیں گیا ہوں۔ کیا اس پابندی میں توریہ کی کوئی شکل ہو سکتی ہے؟ یہ شخص گزشتہ دو سال پہلے حج بدل میں جا چکا ہے، اب اپنا حج فرض ادا کرنا چاہتا ہے، مگر یہ حلف والی شرط درپیش ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی پابندی لگانے کا کوئی شرعاً حق نہیں۔ جھوٹی قسم کھانا اور جھوٹے حلف نامہ پر دستخط کرنا گناہ ہے(۱)، اگر توریہ میں یہ نیت کرے کہ گزشتہ پانچ سال میں اپنے حج فرض کو نہیں گیا تو نیت صحیح ہو سکتی ہے جب کہ اپنا حج فرض ادا نہیں کیا(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۹/۸۹ھ۔

حج کرنے کے باوجود یہ کہنا کہ حج نہیں کیا

سوال[۵۰۹۴]: حج کے درخواست فارم میں اس بات کا بھی اقرار ہوتا ہے کہ پانچ سال کے اندر حج نہ کیا ہو، اگر کوئی شخص جا چکا ہے تو کیا یہ شخص دھوکا دینے والا کہلائے گا یا نہیں؟

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من حلف على يمين صبر وهو فيها فاجر يقتطع بها مال امرئ مسلم لقي الله يوم القيامة وهو عليه غضبان". (صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور: ۲/۹۸۶، قديمي)

(وكذا في جامع الترمذي، أبواب البيوع، باب ما جاء فيمن حلف على سلعته كاذباً: ۱/۲۳۰، سعيد)

(۲) "(قوله: ويورّي) التورية أن يظهر خلاف ما أضمر في قلبه. إتقاني. قال في العناية: فجاز أن يراد بها ههنا اطمئنان القلب، وأن يراد الإتيان بلفظ يحتمل معنيين". (رد المحتار، باب، مطلب: بيع المكره فاسد، وزوائده مضمونة بالتعدي: ۶/۱۳۴، سعيد)

"والتورية أن يظهر خلاف ما يضمر، فجاز أن يكون المراد بها ههنا اطمئنان القلب، وجاز أن يكون الإتيان بلفظ يحتمل معنيين". (فتح القدير، كتاب الإكراه، فصل: ۹/۲۳۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں کیا شبہ ہے(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١٨/٥/٨٨ھ۔

حج عرضی میں یہ قید کہ ”میں نے اتنی مدت سے حج نہیں کیا“

سوال[٥٠١٣]: گزشتہ چند سالوں سے حکومت کے حج بیت اللہ کمیٹی کو مقرر کردینے کی وجہ سے مغل لائن لمیٹڈ نے حج کے فارم میں ایک دفعہ اس طرح بڑھادی ہے کہ ”اس سے قبل آپ نے کس سال حج کیا تھا“؟ فارم بھرنے سے قبل زندگی میں جس نے ایک مرتبہ حج بھی کیا ہو (خواہ نفل ہو یا حج فرض) اب اگر وہ خانہ پری کے وقت صحیح حقیقت کہہ دیتا ہے کہ میں اس سے قبل فلاں سال حج کرچکا ہوں تو مغل لائن والے ایسی عرضی کو ہر سال قرعہ اندازی سے پہلے سال والی عرضیوں کی فہرست میں ڈال دیتے ہیں، اب ہر سال ہر صوبہ سے اس کے مقرر کوٹہ سے زیادہ عرضیاں آتی ہیں جو ہر سال واپس کی جاتی ہیں۔

چنانچہ وہ عرضیاں جو کہ تین چار سال سے مسلسل رد ہورہی ہیں ان کو قرعہ اندازی میں ستر فیصدی کے تناسب سے شامل کیا جاتا ہے (بشرطیکہ عرضی میں مذکورہ بالا دفعہ اس طرح پر کی گئی ہو کہ ”میں نے اس سے قبل حج نہیں کیا ہے“) اور جس عرضی میں صحیح حقیقت لکھ دی گئی ہو ایسی عرضی کو اگرچہ وہ تین چار سال سے مسلسل رد ہورہی ہو تب بھی پہلے سال والوں کو فہرست میں ڈال کر قرعہ اندازی میں بیس تیس فیصدی کے تناسب سے شامل کیا جاتا ہے؟

(١) "من غش فليس منا". قال العلامة المناوي: "من غش": أي خان، والغش ستر حال الشيء، "فليس منا": أي من متابعينا". (فيض القدير، (رقم الحديث: ٨٨٧٩)، ١١/٥٣٣٣، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة المكرمة، الرياض)

"قوله: ونهينا عن غدر) عدل عن قول الهداية وغيره: وينبغي للمسلمين أن لا يغدروا، لأن المشهور عند المتأخرين استعمال "ينبغي" بمعنى يندب الخ". (رد المحتار، كتاب الجهاد، مطلب: لفظ: ينبغي يستعمل في المندوب وغيره عند المتقدمين، ٤/١٣٠، سعيد)

"وأصل الخدع إظهار أمر وإضمار خلافه". (فتح الباري، باب الحرب خدعة: ٦/١٩٠، دار المعرفة بيروت)

لئے گناہ کی اجازت نہیں (۱)، ویسے بھی خلاف قانون چیز کا ارتکاب اپنے مال اور عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہے جو قرینِ دانشمندی نہیں (۲)۔ بعض حضرات نے ایسا کیا ہے اور ان کا روپیہ وصول نہیں ہوا، بلکہ معلوم ہونے پر جرم کی وجہ سے ضبط ہو گیا اور ان کا نام مستقلاً درج کر لیا گیا کہ یہ دونوں ملکوں کے مجرم ہیں، سخت توہین ہے کی بیدی ہماری ذلیل وجوہات ہیں۔

اگر حج کو جانے والے واقعۃً حج و عبادات ہی کی نیت سے جائیں اور وہاں کے آداب کی رعایت رکھیں تو ذلت و سخت گیری کی نوبت نہ آئے، مگر جب وہاں سے خلاف قانون سامان چھپا کر لائیں اور رشوت کے باوجود مخبری ہو کر جرم پر پکڑے جاتے ہیں تو بڑی ذلت ہوتی ہے اور دوسرے حجاج بھی بدنام ہوتے ہیں۔ اللہ پاک اخلاص دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۰ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۰ھ

---

(۱) "درء المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة و مصلحة، قدم رفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات، و لذا قال عليه السلام: "إذا أمرتكم بشيء فأتوا منه ما استطعتم، وإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه". وروي في الكشف حديثاً: "لترك ذرة مما نهى الله عنه أفضل من عبادة الثقلين". ومن ثم جاز ترك الواجب دفعاً للمشقة، و لم يسامح في الإقدام على المنهيات". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ۱/۲۹۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۳۰)، ص: ۳۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۳۳)، ص: ۸۱، الصدف پبلشرز كراچی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿أطيعوا الله و أطيعوا الرسول و أولي الأمر منكم﴾ "و فيه إشارة لهم بذلك إلى أن طاعة الأمير واجبة". (فتح الباري، كتاب الأحكام، باب السمع و الطاعة للإمام ما لم تكن معصية: ۱۳/۱۲۳، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص، باب في طاعة أولي الأمر: ۲/۲۰۹، قديمي)

"(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ) أي يتبع، و لا تجوز مخالفته ... التعليل بوجوب طاعة ولي الأمر، و في ط عن الحموي: أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب". (رد المحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۲/۱۷۲، سعيد)

جھوٹا اندراج کرکے حج ثانی کرنا

سوال[۵۰۹۵]: سائل نے ۱۹۷۰ء میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، امسال پھر حج کی خواہش ہے، ارادہ ہے کہ کلکتہ سے جہاں میرے ایک چچا زاد بھائی بسلسلۂ تجارت مقیم ہیں، وہاں سے حج کی درخواست دوں، مگر ایک دشواری یہ ہے کہ درخواست کے فارم میں ایک سوال یہ چھپا ہوتا ہے کہ کیا آپ نے اس سے پہلے کبھی حج کیا ہے؟ اگر جواب اثبات میں دیا جائے تو درخواست منظور ہونے میں دشواری ہوتی ہے، بلکہ منظور ہونے کی امید ہی نہیں رہتی ہے، اگر نفی میں جواب دیں تو یہ جھوٹ ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حج کا شرف حاصل کرنے کے لئے اتنا جھوٹ بولنے کے سلسلہ میں معذور قرار دیا جاسکتا ہوں جب کہ جھوٹ کو جھوٹ اور غلط سمجھتا ہوں؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سوال مذہبی معاملات میں مداخلت ہے، لہٰذا اس سوال کے آگے (x) نشان اس نیت سے بنا دے کہ میں اس سوال کا جواب نہیں دیتا، وہ سمجھیں گے کہ اس نے حج نہیں کیا ہے۔

حاجی عبدالجلیل صاحب، مدن پورہ، ۱۲/۱۲۸ بازار، D/۳۱/۱۲۸، بنارس، یوپی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر بھر کا سوال نہیں ہوتا، بلکہ پانچ سال کا سوال ہوتا ہے، آپ نے پانچ سال میں حج نہیں کیا ہے، لہٰذا آپ کا اس میں انکار کی دینا صحیح ہوگا، جھوٹ نہیں۔ نیز جب آپ کلکتہ سے جارہے ہیں تو وہاں سے آپ نے کبھی بھی حج نہیں کیا، یہ بات بھی صحیح ہے، جھوٹ کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۱۳ھ۔

---

(۱) "(قوله: ويورّي) التورية أن يظهر خلاف ما أضمر في قلبه، إتقاني. قال في العناية: فجاز أن يراد بها هنا اطمئنان القلب، وأن يراد الإتيان بلفظ يحتمل معنيين". (رد المحتار، باب، مطلب بيع المكره فاسد وزوائده مضمونة بالتعدي: ۶/۱۳۳، سعيد)

دروغ حلفی کرکے حج ثانی کرنا

سوال [۵۰۶۱]: حج کے لئے یہ پابندی ہے کہ ایک مرتبہ حج کرنے کے بعد پانچ سال تک دوبارہ حج کے لئے نہیں جاسکتے، حکومت نے اس سلسلہ میں ایک حلف نامہ بھی جاری کیا ہے، اگر ان پابندیوں کے باوجود کسی صورت میں ہم حج کے لئے چلے جائیں تو گناہ تو نہیں ہوگا اور حج ادا ہوگا یا نہیں؟ حلف نامہ میں غلط بیانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

حافظ محمد کلیم، کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دروغ زبانی ہو یا تحریری، بہرحال دروغ ہے، اور دروغ حلفی اس سے بھی زیادہ قبیح وشنیع ہے(۱)، حج بدل کے لئے ایسے آدمی بھی بسہولت مل سکتے ہیں جن کے لئے حلف یا دروغ بیانی کی ضرورت نہیں اور قانونی رکاوٹ بھی ان کے لئے نہیں ہوتی۔

= "والتورية أن يظهر خلاف ما يضمر، فجاز أن يكون المراد بها هاهنا طمأنينة القلب، وجاز أن يكون الإتيان بلفظ يحتمل معنيين". (فتح القدير، كتاب الإكراه، فصل: ۸/۱۸۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الثاني: صيغة اليمين المقصودة، النية في اليمين: ۴/۲۴۰۹، حقانيه پشاور)

(۱) "عن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الصدق بر، وإن البر يهدي إلى الجنة، وإن الكذب فجور، وإن الفجور يهدي إلى النار". (الصحيح لمسلم، باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله: ۲/۳۲۵، قديمي)

"قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: ذكر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الكبائر أو سئل عن الكبائر، فقال: "الشرك بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدين" فقال: "ألا أنبئكم بأكبر الكبائر؟" قال: "قول الزور". (صحيح البخاري، باب عقوق الوالدين من الكبائر: ۲/۸۸۳، قديمي)

پھر قانون کی مخالفت تو اور بھی خطرناک ہے، جیل کھل جانے پر مال، عزت دونوں کا خطرہ ہے، ایسا خطرہ مول لینا قرین دانشمندی نہیں (۱)۔ ہر سال حج فرض ادا ہوتی جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆...☆...☆...☆...☆

(۱) قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "(قولہ: أمر السلطان إنما ینفذ) أی یتبع ولا تجوز مخالفتہ ... التعلیل بوجوب طاعۃ ولی الأمر. وفی ط عن الحموی: إن صاحب البحر ذکر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعۃ الإمام فی غیر معصیۃ واجبۃ، فلو أمر بصوم یوم وجب". (رد المحتار، مطلب: طاعۃ الإمام واجبۃ: ۵/۴۲۲، سعید)

(وکذا فی فتح الباری، کتاب الأحکام، باب السمع والطاعۃ للإمام ما لم تکن معصیۃ: ۱۳/۱۲۲، دار المعرفۃ بیروت)

(وکذا فی أحکام القرآن للعلامۃ الجصاص رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ، باب فی طاعۃ أولی الأمر: ۲/۲۹۸، قدیمی)

باب اشتراط المحرم للمرأة

(عورت کے لئے محرم کا بیان)

بغیر محرم کے بڑھیا کو سفر حج کرنا

سوال [۵۰۰۲] : ۱ ... ایک ساٹھ سالہ بوڑھی عورت حج کو جانا چاہتی ہے، مگر کوئی محرم ساتھ نہیں ہے، ایک بڑے میاں جو اس عورت کے محرم تو نہیں مگر ان کی عمر بھی ساٹھ سے زیادہ ہے، تو ایسی صورت میں وہ عورت ان بڑے میاں کے ساتھ حج کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں؟

۲ ... مذکورہ بالا صورت میں اگر بڑے میاں عورت کو ساتھ لے جانے سے انکار کر دیں مگر وہ عورت دوران سفر میں ان بڑے میاں کے قافلے کے ساتھ لگ جائے تو اب ایسی صورت میں بڑے میاں کو اس عورت کی خبر گیری کرنی چاہئے، یا اس کو اسی حالت میں چھوڑ دینا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱ ... بوڑھی عورت کو بھی بغیر شوہر یا کسی محرم کے حج میں جانا منع ہے (۱)۔

۲ ... جب وہ ساتھ لگ ہی گئی ہے تو اس کی خبر گیری لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "و يشترط في حج المرأة من سفر زوج أو محرم بالغ ... وأطلق المرأة فشمل الشابة والعجوز، لإطلاق النصوص" (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۲، رشيديه)

"ومنها: المحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزاً ... فلا تخرج إلا مع زوج أو محرم، لأن ما روينا من الحديث لا يفصل بين الشابة والعجوز الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۴۲، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفر شرعی (۴۸ میل) کے بغیر محرم یا بغیر شوہر کے عورت کو اجازت نہیں، خواہ کسی سواری سے ہو، ہے تو وہ سفر شرعی ہی، اس پر احکام شرعی مرتب ہوتے ہیں مثلاً نماز کا قصر کرنا وغیرہ(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند۔

کسی عورت کا دوسری عورتوں کے ساتھ حج کرنا

سوال [۵۰۷۰]: میری اہلیہ محترمہ ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ جن کی عمر پچاس برس کی ہے اور ان پر حج فرض ہو چکا ہے، فریضۂ حج ادا کرنے کی تڑپ رکھتی ہے لیکن میں ایک خاص عذر کی وجہ سے مجبور و معذور ہوں۔ ان کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا اور نہ کوئی محرم موجود ہے جو ان کے ساتھ سفر حج کر سکے۔ حسن اتفاق سے نواب بہادر جاہ حیدرآبادی مدظلہ العالی اور ان کی اہلیہ محترمہ اور ان کی والدہ محترمہ حج کو جا رہے ہیں۔ آیا بصورت ہذا ان بزرگوں خواتین کے ساتھ میری اہلیہ محترمہ ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ بطور حج کو جانا چاہتی ہیں؟ میں اس پر راضی ہوں۔ آیا بصورت ہذا از روئے شرع شریف اپنا فریضۂ حج ادا کر سکتی ہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب از مدرسہ حقانیہ بنگلور

الجواب حامداً ومصلیاً:

واضح ہو کہ سفر حج چونکہ عظیم الشان اور مقدس سفر ہے، حدیث شریف میں ہے:

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لا یخلون رجل بامرأۃ ولا تسافرن امرأۃ إلا ومعها محرم". متفق علیہ(۲)۔

---

(۱) "والمراد سفر خاص، وهو الذي تتغير به الأحكام من قصر الصلاة، وإباحة الفطر، وامتداد مدة المسح إلى ثلاثة أيام، وسقوط وجوب الجمعة، والعيدين، والأضحية وحرمة الخروج على الحرة من غير محرم، عن العناية". (رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۱/۲، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۳۸/۱، رشیدیہ)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲۲۶/۲، رشیدیہ)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الأول، ص: ۲۲۱، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جا سکتی ہے، درمختار(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اپنے خسر کے ساتھ اپنی ہمشیرہ کا حج کو بھیجنا

سوال[۵۰۶۲]: میری ہمشیرہ میرے خسر اور ساس کے ساتھ حج کو جانا چاہتی ہے، ان کا کوئی محرم نہیں ہے، کیا یہ ہمشیرہ جا سکتی ہے یا نہیں؟ ان کا حج ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا خسر آپ کی ہمشیرہ کا محرم نہیں، ان کے ساتھ سفرِ حج کرنے کی اجازت نہیں اگرچہ فریضہ ادا ہو جائے گا، لیکن بغیر محرم کے سفر کرنے کا گناہ بھی ہوگا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "(أو مع (زوج أو محرم) ولو عبداً أو ذمياً أو برضاع". (الدر المختار، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ۲/۴۶۳، سعيد)

"قوله: (محرم أو زوج لامرأة في سفر): أي وبشرط محرم إلى آخره، لما في الصحيحين: "لا تسافر المرأة إلا ومعها محرم .... والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة، أو رضاع، أو مصاهرة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۱، رشيديه)

(بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۳، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "(ومع زوج أو محرم) وهو من لا يحل له نكاحها على التأبيد للمرأة، ولو عجوزة، إن كان بينها وبين مكة مسافة سفر، وإلا فلا يحتاج، ولا تحج بلا أحدهما فإن حجت، جاز مع الكراهة". (الدر المنتقى في شرح الملتقى: ۱/۲۶۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"إنها لا تخرج إلا بزوج أو محرم ...... ثم صفة المحرم: أن يكون ممن لا يجوز نكاحها على التأبيد، إما بالقرابة أو الرضاع أو الصهرية، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۶، دار الكتب العلمية بيروت)

کرنے کی سے پاک نہیں ہوئی، خدا اور شوہر کے حقوق کو ادا نہیں کرتی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے۔ اس کو توبہ لازم ہے(۱) اور اس کی فہمائش کی جائے اور وعید سنائی جائے اور بتایا جائے کہ خدا کے گھر جانے کے لئے پاکی کا اہتمام کرے، نماز وغیرہ کی پابند ہو جاوے، شوہر کی نافرمانی چھوڑ دے۔ امید ہے کہ وہ طریق کی برکت سے اس کی مزید اصلاح ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆...☆...☆...☆...☆

= (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإذا وجدت محرماً، ولا يأذن لها زوجها أن تخرج، فلها أن تخرج بغير إذنه في حجة الإسلام دون التطوع". (اللباب، حاشية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۵۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحج: ۱/۳۹۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ويستحب حلق عانته وتنظيف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرة، والأفضل يوم الجمعة، وجاز في كل خمسة عشر، وكره تركه وراء الأربعين". (الدر المختار)

"قوله: وكره تركه: أي تحريماً، لقول المجتبى: ولا عذر فيما وراء الأربعين ويستحق الوعيد". (رد المحتار، فصل في البيع: ۶/۴۰۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء وقلم الأظفار: ۵/۳۵۸، رشيدية)

منیٰ سے روانگی

سوال [۵۰۷۹]: ۳ ۔ اس کا مسئلہ بھی بہت مشکل ہے بوڑھے ضعیف مردوں اور عورتوں کے لئے، البتہ اول ذی الحجہ کو ضعیف مرد اور عورت رات میں۔ جبکہ ہجوم کم ہوتا ہے۔ قیام کریں صبح صادق سے پہلے پہلے تک، اس طرح گیارہ ذی الحجہ کو قیام مغرب کے بعد سے بارہ ذی الحجہ کو تقریباً سب ہی حجاج کرام منیٰ سے واپس ہوجاتے ہیں، اگر مستورات کا ساتھ ہو تو مناسب بھی یہی ہے کہ بارہ ذی الحجہ میں منیٰ کو واپس جائے۔

اکثر معلم خیمے بناتے ہیں، دور دور کہیں ایک خیمہ نظر آتا ہے جو تیرہ ذی الحجہ کو قیام کرنے والوں کے لئے رہ جاتا ہے۔ بارہ ذی الحجہ کو اول اپنے خیمہ میں عصر کی نماز پڑھ کر مستورات کو لے کر چلیں، اس وقت ہجوم کم ہوجاتا ہے اور آفتاب غروب ہونے سے پہلے پہلے حدود منیٰ چھوڑ دیتے ہیں ورنہ صبح صادق سے پہلے تک منیٰ چھوڑنے کی گنجائش ہے، لہذا اگر مستورات یا ضعیف مردوں کی وجہ سے آفتاب غروب ہوجائے تو ایسی صورت میں مکروہ وقت خیال نہ کریں اس سے فارغ ہوتے ہی روانہ ہوجائیں۔ کیا یہ مناسب اور درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱… صبح صادق سے سورج نکلنے تک ذرا سی دیر بھی وقوف کرنا واجب ہے، چاہے پیدل وہاں سے گزرنے سے بھی وقوف ہو کر واجب ادا ہوجائے گا(۱)، صبح صادق سے پہلے مزدلفہ میں ٹھہرنے سے واجب ادا نہیں ہوگا اور ترک واجب کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔ اگر رات کو مزدلفہ نہیں پہنچا یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی اس وقت ہی پہنچا تو اس پر دم لازم ہے(۲)۔

---

(۱) "وأما ركنه: فكينونته بمزدلفة سواء كان بفعل نفسه أو بفعل غيره، بأن كان محمولاً وهو نائم أو مغمى عليه، أو كان على دابة لحصوله كائناً بها". (بدائع الصنائع، فصل في الوقوف بمزدلفة: ۲/۳۰۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"وأما ركنه فكينونته بمزدلفة سواء كان بفعل نفسه أو فعل غيره، بأن كان محمولاً بأمره أو بغير أمره، وهو نائم أو مغمى عليه أو مجنون أو سكران، نوى أو لم ينو، علم بها أو لم يعلم" (رد المحتار، مطلب في الوقوف بمزدلفة: ۲/۵۱۱، سعيد)

(۲) "وهذا الوقوف من الواجبات عندنا وليس بركن، حتى لو تركه أصلاً يلزمه الدم، ولكن يجزئه

اس وقوف سے پہلے (رات ہی میں) چلا جائے تو دم واجب ہے (۱)۔

۳ ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن دم واجب نہیں ہوگا اور مستورات وضعفاء کی رعایت سے کراہت میں بھی تخفیف ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۹۵ھ۔

---

(۱) (راجع ص: ۳۳۹، رقم الحاشية: ۳)

"قالت الأحناف: الواجب هو الحضور بالمزدلفة قبل فجر يوم النحر، فلو ترك الحضور لزمه دم، إلا إذا كان له عذر، فإنه لا يجب عليه الحضور، ولا شيء عليه حينئذ". (فقه السنة، المبيت بالمزدلفة والوقوف بها: ۱/۵۳۵، دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في إعلاء السنن، باب وجوب الوقوف بمزدلفة ولزوم الدم بفوته بلا عذر الخ: ۱۰/۱۳۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

(۲) "يرجع من منى إلى مكة قبل غروب الشمس من اليوم الثاني عشر بعد الرمي عند الأئمة الثلاثة، وعند الأحناف يرجع إلى مكة ما لم يطلع الفجر من اليوم الثالث عشر من ذي الحجة، لكن يكره النفر بعد الغروب لمخالفة السنة، ولا شيء عليه". (فقه السنة، متى يرجع من منى: ۱/۵۴۶، دار الكتاب العربي بيروت)

"عن نافع أن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما كان يصلي الظهر والعصر والمغرب والعشاء والصبح بمنى، ثم يغدو إذا طلعت الشمس إلى عرفة".

"ثم يغدو إذا طلعت الشمس من منى إلى عرفة" قال الباجي: وهو السنة. وقد روى ابن المواز عن مالك: يغدو الإمام والناس إذا طلعت الشمس إلى عرفة إلا من كان ضعيفاً [illegible] وقال محمد بعد أثر الباب: هكذا السنة، فإن عجل أو تأخر فلا بأس إن شاء الله تعالى، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى". (أوجز المسالك، باب الصلوة بمنى يوم التروية والجمعة بمنى وعرفة: ۳/۳۰۹، ۳۱۰، المكتبة اليحيوية سهارنفور)

(وكذا في مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، فصل فإذا دخل مكة: ۱/۲۸۴، دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

احرام سے حلال ہونے کے لئے چند بالوں کا منڈانا

سوال [۵۱۰۸]: رکان عمرہ ادا کرنے کے بعد رکاب حج میں دس ذی الحجہ کے بعد از تمتع اور قارن کو قربانی کرنے کے بعد مرد کو سارے سر کے بال استرے سے منڈوانا چاہئے، یا سارے سر کے بال انگلی کے ایک پورے کے برابر کٹوانا ہوں گے؟ اگر سر کے بال انگلی کے ایک پور یعنی انملہ کے برابر بڑے نہیں تو سارے سر کے بال کو کم از کم چوتھائی سر کے بالوں کو استرے سے منڈوانا پڑے گا تب کہ احرام اتر جائے، اور محض عاجز احرام سے حلال ہو جائیں، مگر آج کل لاکھوں کی تعداد حج میں ایسے لوگوں کی ہوتی ہے کہ دو سر کے بال کے صرف چند بال کٹوا لیتے ہیں، البتہ ان کا احرام اترتا ہے اور وہ بیوی کے لئے حلال ہوتے ہیں جس کو دیکھ کر صدمہ ہوتا ہے، کثرت سے عوام اس میں مبتلا ہیں۔ تو کیا کسی امام کے نزدیک اس طرح سر کے چند بال کاٹنے سے مرد کا احرام اتر جاتا ہے اور بوجہ مجبوری حنفی بھی ایسا کر سکتے ہیں؟ ورنہ یہ تو ابتلائے عام ہے اور کوئی مانتا نہیں، لہٰذا شریعت کو گناہ و تغیر سے بچانے کے لئے کوئی گنجائش ہو سکتی ہو تو ان کے لئے بتلا دیا جائے تاکہ وہ بال منڈوانے کو غیر ضروری نہ سمجھیں بلکہ اس گنجائش پر عمل کریں اور حلال ہو جائیں، یہ رواج ہو گیا کہ چند بال کٹواتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رواج غلط ہے اور خلاف شرع ہے، اس چیز کے اختیار کرنے پر عوام کو کس نے مجبور کیا، فقہاء نے اس مسئلہ میں بہت وسعت دی، مثلاً: چوتھائی سر کے بال منڈوانا، یا کتروانا بھی کافی ہے، ایک انگلی سے کچھ زیادہ بال کٹوا دینا بھی کافی ہوتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ جڑ ہی سے کاٹا جائے یعنی احرام سے ان صورتوں میں بھی حلال ہو جائے گا، اگرچہ صرف چوتھائی سر کے بال منڈوانے یا کترنے سے مکروہ تحریمی کا ارتکاب ہوگا۔ اگر کسی دوا صابن وغیرہ سے سر کے بال کو ختم کرادے تب بھی کافی ہے۔ اگر سر پر بال ہی نہیں تو صرف استرہ پھیر لینا بھی کافی ہوگا، اگر سر پر زخم ہو اور استرہ بھی نہ پھر سکے تو اس سے یہ واجب ہی ساقط ہے (حلق و قصر)(۱)۔

---

(۱) "(قوله: وحلقه أفضل) أي هو مسنون، وهذا في حق الرجل، ويكره للمرأة؛ لأنه مثلة في حقها كحلق الرجل لحيته. وأشار إلى أنه لو اقتصر على حلق الربع جاز كما في التقصير، لكن مع الكراهة لتركه السنة، فإن السنة حلق جميع الرأس أو تقصير جميعه، كما في شرح اللباب والقهستاني. قال في البحر: وظاهره أي ظاهر إطلاق قول الكنز: والحلق أحب يفيد أن حلق النصف أولى من التقصير، ولم أره =

ان سب کے باوجود اگر عوام غلط راستہ یا کسی مجبوری سے اختیار کرلیں تو وہ خود ذمہ دار ہیں ان کی وجہ سے حکم شرعی کو نہ بدلا جائے گا، مثلاً: داڑھی منڈانے، جھوٹ بولنے، غیبت کرنے، سود لینے، سود دینے کا عام رواج ہوجانے تو اس کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، بلکہ وعیدات وترغیبات کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی ورنہ شریعت عوام کے لئے کھلونا بن جائے گی۔ (العیاذ باللہ)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

حلق وقصر میں ایک ربع بھی کافی ہے

سوال [۵۰۱۷]: قصر میں پورے سر کے بال چھوٹے کرانے ضروری ہیں یا ربع رأس کا قصر کافی ہے، اگر کسی کے سر پر چھوٹے ہوں تو وہ بال کتنے چھوٹے کرائے، جو شرعی قصر کا مصداق بن سکیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ربع رأس بھی کافی ہے، ایک انگل بال کٹانے سے قصر معتبر ہوجائے گا، حلق افضل ہے: "ثم یحلق أو یقصر، والحلق أفضل، ویکفی فیه الربع، والتقصیر أن یأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة". مراقی الفلاح، ص: ۴۳۶ (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۱۰/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۱۰/ ۸۹ھ۔

= قلت: إن أراد أنه أولیٰ من تقصیر الکل، فهو ممنوع لما علمت، أو من تقصیر النصف أو الربع فهو ممکن". (رد المحتار، کتاب الحج، مطلب فی رمی الجمرة العقبة: ۲/ ۵۱۶، سعید)

"ثم یحلق أو یقصر، والحلق أفضل، ویکفی فیه ربع الرأس، والتقصیر أن یأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی کیفیة ترتیب أفعال الحج، ص: ۴۳۶، قدیمی)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی مقدار الواجب فی الحلق: ۳/ ۱۰۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۱) (مراقی الفلاح، کتاب الحج، فصل فی کیفیة ترتیب أفعال الحج، ص: ۴۳۶، قدیمی)

"ثم یحلق، وهو أفضل من تقصیر، أو یقصر بأن یأخذ من شعره قدر الأنملة وجوباً، والتقصیر =

محرم کو حلال ہونے کے لئے حلق وقصر خود کرنا

سوال[۵۰۸۱]: محرم اپنا احرام کھولنے کے وقت حلق یا قصر خود کرسکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ احرام سے باہر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے سر کا حلق یا قصر کسی غیر محرم سے ہی کرائے۔

محمد یونس افریقی، متعلم دارالعلوم دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حلق یا قصر خود بھی کرسکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۸/۹۰ھ۔

وقتِ احصار بغیر ذبح حلال ہونے کی شرط

سوال[۵۰۸۲]: "اشتراط الإحلال بغیر ذبح عند الإحرام وقت الإحصار"۔ مفتیٰ بہ قول کے مطابق صحیح اور معتبر ہے یا نہیں؟ بصورتِ مذکورہ احصار شرعی پیش آگیا تو ہدی ذبح کے بغیر احرام سے حلال ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرط کارآمد نہیں، بغیر ہدی ذبح کئے حلال نہیں ہوگا:

"فإنه بدونه لا یحل، وهو قول عامة العلماء، سواء شرط عند الإحرام الإحلال بغیر ذبح

---

(۱) "(وإذا حلق) أي المحرم (رأسه) أي رأس نفسه (أو رأس غیره) أي ولو كان محرماً (عند جواز التحلل) أي الخروج من الإحرام بأداء أفعال النسك (لم یلزمه شيء) -الأولى لم یلزمهما شيء- وهذا حكم یعم كل محرم في كل وقت". (مناسك الملا علي القاري، فصل في الحلق والتقصیر، ص: ۲۳۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة كراچی)

"وإذا حلق أي المحرم رأسه أو رأس غیره ولو كان محرماً عند جواز التحلل أي الخروج من الإحرام بأداء أفعال النسك، لم یلزمه شيء". (إرشاد الساري إلی مناسك الملا علي القاري، فصل في واجباته، ص: ۵۰، مطبعة مصطفی محمد مصر)

عند الإحصار أو لم يشترط، ويجب أن يواعد يوماً معلوماً يذبح عنه، فيحل بعد الذبح ولا يحل قبله، اھ". فتاویٰ عالمگیریہ(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۹۵ھ۔

کیا احرام باندھ کر طواف ضروری ہے؟

سوال[۵۰۸۳]: حج کا احرام باندھنے کے بعد جب منیٰ کا ارادہ کرکے جاتے ہیں تو جانے سے پہلے خانۂ کعبہ کا طواف کرکے جانا ضروری ہے یا بغیر طواف کے بھی جاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طواف فرض یا واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الإحصار: ۱/۲۵۵، رشيديه)

"وما لم يذبح لا يحل، وهذا قول عامة العلماء، سواء كان شرط عند الإحرام الإحلال بغير ذبح عند الإحصار أو لم يشترط. ...... ويجب أن يواعدهم يوماً معلوماً يذبح فيه، فيحل بعد الذبح، ولا يحل قبله". (بدائع الصنائع، فصل في حكم الإحصار: ۳/۱۹۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، باب الإحصار: ۱/۱۹۱، قديمي)

(۲) "وروى الحسن عن أبي حنيفة: أن المتمتع إذا أحرم بالحج يوم التروية أو قبله، فإن شاء طاف وسعى قبل أن يأتي إلى منى وهو الفضل. وروى هشام عن محمد أنه إن طاف وسعى، لا بأس به. ووجه ذلك أن هذا الطواف ليس بواجب، بل هو سنة". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في بيان سنن الحج والترتيب، نمبر: ۲/۱۲۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحج، باب التمتع: ۲/۵۳۸، سعيد)

"(السابع: طواف التطوع): أي النافلة، وإلا فطواف التحية أيضاً تطوع، وهو لا يختص بوقت: أي بزمان دون زمان لجوازه في أوقات كراهة الصلاة عندنا أيضاً، الخ". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب: أنواع الأطوفة، ص: ۹۴، مكتبه مصطفى محمد مصر)

دوگانۂ طواف اوقاتِ مکروہہ میں

سوال[۵۰۸۴]: طواف کے بعد دو رکعت کا پڑھنا کیا ہر وقت درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن اوقات میں نمازِ فرض کا پڑھنا منع اور نفل کا پڑھنا مکروہ ہے: سورج نکلتے وقت، جس وقت سورج سر پر ہو، سورج ڈوبتے وقت، صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے، عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے سے پہلے، مغرب کی نماز سے پہلے، خطبہ کے وقت، جماعت شروع ہوجانے کے بعد، ان اوقات میں ان دو رکعت کا پڑھنا بھی منع ہے۔ بحر: ۱/۲۶۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دوگانۂ طواف بھول کر دوسرا طواف شروع کردیا

سوال[۵۰۸۵]: اگر طواف کے بعد دو رکعت پڑھنا بھول جائے اور دوسرا طواف شروع کردے تب یاد آئے تو کیا کرے؟ آیا اس دوسرے طواف کو چھوڑ کر دو رکعت پڑھے یا دوسرا طواف بھی پورا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوسرے طواف کا ایک چکر پورا ہونے سے پہلے یاد آجائے تو اس کو چھوڑ کر دو رکعت پڑھ لے۔ اگر ایک چکر پورا ہونے کے بعد یاد آئے تو یہ طواف پورا کرلے، اس کے بعد دو رکعت پہلے طواف کے لئے پڑھے اور

---

(۱) "ویدخل فی الواجب رکعتا الطواف، فلا تصح فی ھذہ الأوقات الثلاثة، اعتبرت واجبةً فی حق ھذا الحکم وعملاً فی کرھتھا بعد صلاة الفجر والعصر احتیاطاً فیھما". (البحر الرائق: ۱/۴۳۳، کتاب الصلاة، رشیدیہ)

(وأیضاً البحر الرائق: ۲/۵۸۵، باب الإحرام، رشیدیہ)

"ثم صلی شفعاً فی وقت مباح". (الدر المختار). "لما مر فی أوقات الصلاة من أن الواجب ولو لغیرہ کرکعتی الطواف والنذر، لا ینعقد فی ثلاثة من الأوقات المنھیة: أعنی الطلوع والاستواء والغروب". (رد المحتار: ۲/۴۹۹، مطلب فی طواف القدوم، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۲۶، الباب الخامس فی کیفیة أداء الحج، رشیدیہ)

دو رکعت دوسرے طواف کے لئے مستحب ہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

طوافِ زیارت بحالتِ احرام

سوال[۵۰۸۶]: دسویں ذی الحجہ کو رمی اور قربانی کے بعد اگر دیر ہونے کے سبب حجامت نہ بنوائے یا حجام نہ ملے تو ایسی صورت میں طوافِ زیارت کو جا سکتا ہے؟ احرام کے ساتھ یا بلا احرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اس نے حجامت نہیں بنوائی یعنی نہ حلق کیا نہ قصر تو وہ احرام سے حلال نہیں ہوا، بحالتِ احرام ہی طوافِ زیارت کرلے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نفل طواف کے بعد استلام

سوال[۵۰۸۷]: کیا حجرِ اسود کا استلام دو رکعت طواف کے بعد بھی کیا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طواف کے بعد سعی ہے اس کی دو رکعت کے بعد استلام کے لئے جاتے وقت حجرِ اسود کا استلام کیا

---

(۱) "الفرع: طاف ونسي ركعتي الطواف، فلم يتذكر إلا بعد شروعه في طواف آخر، فإن كان قبل تمام شوط، رفضه. وبعد إتمامه، لا، بل يتم طوافه الذي شرع فيه". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۵۰۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۵۸۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في طواف القدوم: ۲/۴۹۹، سعيد)

(۲) "ولو لم يحلق حتى طاف بالبيت، لم يحل له شيء حتى يحلق، كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس في كيفية أداء الحج: ۱/۲۳۲، رشيديه)

"لكن لا شيء على من طاف قبل الرمي والحلق". (رد المحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/۵۵۵، سعيد)

(وكذا في معلم الحجاج، باب شرائط طواف زيارة: ۲۰۱، إدارة القرآن كراچی)

جائے گا اور جس کے بعد سعی نہیں اس کی دو رکعت کے بعد استلام بھی نہیں، منحہ: ۳۵۷/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

متعدد طوافوں کے بعد نفل

سوال [۵۰۸۱]: اگر کوئی شخص چند طواف مسلسل کرے اور پھر ہر طواف کے لئے دو دو رکعت مسلسل پڑھے تو کیا اس میں کوئی قباحت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا کرنا مکروہ ہے، البتہ جن اوقات میں طواف کی دو رکعت کا پڑھنا مکروہ ہے ان اوقات میں اس طرح مسلسل طواف کرنا اور پھر بعد میں ہر طواف کے لئے دو دو رکعت پڑھنا مکروہ نہیں، منحہ: ۳۵۷/۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

---

(۱) "قال في شرح اللباب: والأصل أن كل طواف بعده سعي، فإنه يعود إلى استلام بعد الصلاة، وما لا فلا، على ما قاله قاضي خان في شرحه: إن هذا الاستلام لافتتاح السعي بين الصفا والمروة، فإن لم يرد السعي بعده، لم يعد عليه" (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۵۸۳/۲، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في السعي بين الصفا والمروة: ۵۰۰/۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب الإحرام، ص: ۲۴۹، ۲۴۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "قال في السراج: ويكره الجمع بين أسبوعين أو أكثر من غير صلوة بينهما عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى، سواء انصرف عن وتر أو شفع. وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: لا يكره إذا انصرف عن وتر نحو أن ينصرف عن ثلاثة أسابيع أو خمسة أو سبعة".

"قوله: (ولو أراد الخ) قال في اللباب في فصل مكروهات الطواف: والجمع بين أسبوعين أو أكثر من غير صلاة بينهما إلا في وقت كراهة الصلاة، وهو مؤيد لما قاله المؤلف أيضاً، فتأمل". (منحة الخالق على البحر الرائق: ۵۸۱/۲، كتاب الحج، باب الإحرام، رشيدية)

ایامِ معلومات کی تشریح

سوال [۵۰۸۹]: "وقد روى ابن أبي شيبة من وجه آخر عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما: أن المعلومات يوم النحر وثلاثة أيام بعده. ورجح الطحاوي هذا، لقوله تعالیٰ: ﴿ويذكروا اسم الله في أيام معلومات على ما رزقهم﴾ الخ". فتح الباري: ۲/۳۶۲۔ ابن ابی شیبہ کی مکمل سند مطلوب ہے، پوری سند تحریر فرمادیں۔

امام طحاوی کا بیان طحاوی میں نہیں ہے، امام طحاوی نے جو چار دن کی قربانی کو قرآن کی آیت سے ترجیح فرمائی ہے، یہ بیان امام طحاوی کا کونسی کتاب میں ہے؟ اس کتاب کا نام وصفحہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں مصنف ابن ابی شیبہ کا مکمل نسخہ موجود نہیں، نہ مطبوعہ، نہ قلمی، جس قدر ہے اس میں یہ روایت موجود نہیں (۱)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام طحاوی رحمہ اللہ کی کونسی کتاب سے یہ روایت لی، معلوم نہیں ہوسکا، تلاش سے بھی کامیابی نہیں ہوئی۔

اغلب یہ ہے کہ اس متن کی کو غلط ہوا ہو، اس طرح کہ "ایام معلومات" کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

= "ويكره له الجمع بين الأسبوعين بغير صلاة بينهما في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ، سواء انصرف عن شفع أو وتر، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۲۶، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۴۴۹، كتاب المناسك، تعليم أعمال الحج، السعي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(۱) قد تتبعت فلم أجده في مصنف ابن أبي شيبة.

لكن رواه العلامة ابن حزم في محلاه فقال: "روينا من طريق محمد بن المثنى، نا عبد الله بن موسى، نا ابن أبي ليلى عن الحكم ابن عتيبة عن مقسم عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: "الأيام المعدودات يوم النحر، وثلاثة أيام بعده". (المحلى بالآثار، كتاب الأضاحي، مسألة: ۶/۴۰، ۶۰، اختلاف العلماء في تحديد وقت الأضحية ونهاية: ۶/۴۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في إعلاء السنن، كتاب الأضاحي: ۱۷/۲۴۸، إدارة القرآن كراچی)

ایک قول یہ بھی ہے: "یوم النحر وثلاثة أیام بعده" اس سے ذہن اس طرف چلا گیا کہ یہی ایام ذبح بھی ہیں۔
حافظ ابوبکر جصاص رازی نے أحکام القرآن: ۳/۲۸۷ میں لکھا ہے:

"فروي عن علي وابن عمر رضي الله عنهم: أن المعلومات يوم النحر ويومان بعده، واذبح في أيها شئت. قال ابن عمر رضي الله عنهما: المعلومات أيام النحر، والمعدودات أيام التشريق. وذكر الطحاوي عن شيخه أحمد ابن أبي عمران عن بشر بن الوليد الكندي القاضي قال: كتب أبو العباس الطوسي إلى أبي يوسف يسئله عن أيام المعلومات، فأملى علي أبو يوسف جواب كتابه: اختلف أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فيها، فروي عن علي وابن عمر رضي الله تعالى عنهم أنها أيام النحر، وإلى ذلك أذهب، لأنه قال: ﴿على ما رزقهم من بهيمة الأنعام﴾ وذلك في أيام النحر.

وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما والحسن وإبراهيم رحمهما الله تعالى أن المعلومات أيام العشر، والمعدودات أيام التشريق. وروى معمر عن قتادة مثل ذلك. وروى ابن أبي ليلى عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما في قوله تعالى: ﴿واذكروا الله في أيام معلومات﴾ يوم النحر وثلثة أيام بعده. وذكر أبو الحسن الكرخي أن أحمد القاري روى عن محمد عن أبي حنيفة أن المعلومات العشر. وعن محمد أنها أيام النحر الثلثة: يوم الأضحى ويومان بعده اهـ"(۱)۔

علاوہ ازیں اور بھی بعض امور ایسے ہیں جن کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے مگر وہ تہذیب طحاوی میں موجود نہیں، بلکہ اس کے برعکس موجود ہے، غالباً کسی دوسرے نے لکھا ہے، اس کے اتباع میں حافظ نے بلا تحقیق کے نقل کردیا ہے۔

ایام ذبح کی تعداد میں متعدد اقوال ہیں: ایک قول یہ بھی ہے "يوم النحر ثلثة أيام بعده" اس کے استدلال میں جبیر بن مطعم کی روایت پیش کی جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "كل فجاج منى منحر، وفي كل أيام التشريق ذبح"۔

---

(۱) (أحكام القرآن للجصاص، باب الأيام المعلومات: ۳/۲۸۶-۲۸۷، قديمي)

مگر جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو عبدالرحمن بن ابی حسین روایت کرتے ہیں اور بزار نے اپنی مسند میں لکھا ہے: "لم یلق ابن ابی حسین جبیر ابن مطعم فیکون منقطعاً"۔ اسی روایت کو سلیمان بن موسیٰ نے جبیر بن مطعم سے نقل کیا ہے، مگر بیہقی نے لکھا ہے: "سلیمان بن موسی لم یدرك جبیر بن مطعم، فیکون منقطعاً"۔

ابن عدی نے کامل میں دوسری سند سے لیا ہے "عن معاویة بن یحیی الصدفی عن الزهری عن ابن المسیب عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "أیام التشریق کلها ذبح"۔ مگر نسائی، ابن معین، علی ابن المدینی نے معاویہ بن یحییٰ کی تضعیف کی ہے، حتیٰ کہ ابن ابی حاتم نے "کتاب العلل" میں فرمایا ہے: "قال أبی: هذا حدیث موضوع بهذا الإسناد"۔ یہ سب بحث عینی: ۲۰/۲۳ میں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

یوم القر کی تشریح

سوال[۵۰۱۰]: "إن أعظم الأیام عند اللہ یوم النحر، ثم یوم القر"۔ مشکوۃ شریف، ص: ۲۳۲۔ جب کہ قربانی کے تین دن ہیں تو لفظ "یوم القر" کا کیا مطلب ہے؟ کیا حاجیوں کے لئے قربانی کے تین دن نہیں ہیں؟ مگر یہی لفظ "یوم القر" کیوں فرمایا؟ اس حدیث سے تو صاف یہ بیان ظاہر ہوتا ہے کہ قربانی کرنے کا صرف ایک ہی دن ہے، دوسرا دن آرام کرنے کا۔

---

(۱) "الصادیة المذکورة بأسرها. "ورواه البزار فی مسنده وقال: ابن أبی حسین لم یلق جبیر بن مطعم، فیکون منقطعاً؛ لأنه یرجعه قوار قلنا. أخرجه أحمد أیضاً والبیهقی عن سلیمان بن موسی لم یدرك جبیر بن مطعم، فیکون منقطعاً، فإن قلت: أخرج ابن عدی فی الکامل عن معاویة بن یحیی الصدفی عن الزهری عن ابن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنه عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "أیام التشریق کلها ذبح" قلت: معاویة بن یحیی ضعفه النسائی وابن معین وعلی ابن المدینی، وقال ابن أبی حاتم فی کتاب العلل: قال أبی: هذا حدیث موضوع بهذا الإسناد". (البنایة فی شرح الهدایة للعینی، باب الأضحیة: ۱۱/۲۰، ۳ [illegible] رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"إن أعظم الأيام عند الله يوم النحر، ثم يوم القر". مشکوٰۃ شریف، ص: ۲۳۲ (۱)۔

اس میں تو حصر نہیں ہے کہ قربانی صرف ایک روز ہی ہوسکتی ہے اس کے بعد درست نہیں۔ "یوم القر" کو یوم القر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قال ابن منظور الأفریقي في لسان العرب: ۶/۳۹۶۔

"ويوم القر اليوم الذي يلي عيد النحر؛ لأن الناس يقرون في منازلهم. وقيل: لأنهم يقرون بمنى عن كراع أي يسكنون ويقيمون ... وقال أبو عبيد: أراد بيوم القر الغد من يوم النحر، وهو حادي عشر ذي الحجة، سمي يوم القر؛ لأن أهل الموسم يوم التروية ويوم عرفة ويوم النحر في تعب من الحج، فإذا كان الغد من يوم النحر قروا بمنى، فسمي يوم القر" اهـ (۲)۔

مجمع البحار: ۲/۱۳۱ میں علامہ پٹنی نے لکھا ہے: "أفضل الأيام يوم النحر، ثم يوم القر وهو حادي عشر ذي الحجة؛ لأنهم يقرون فيه بمنى: أي يسكنون ويقيمون" اهـ (۳)۔ ایسا ہی تقریباً تاج العروس في شرح القاموس: ۳/۴۸۷ میں ہے (۴)۔

شروح مشکوٰۃ مرقاۃ: ۳/۲۲۷، لمعات (۵)، طیبی: ۴/۲۳۶ (۶) میں بھی یہی وجہ تسمیہ لکھی ہے:

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، باب الهدي، الفصل الثاني، ص: ۲۳۲، قدیمی)

(۲) (لسان العرب: ۵/۸۴، دار صادر بیروت)

(۳) (مجمع بحار الأنوار: ۳/۲۳۵، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد دکن الهند)

(۴) وفي الحديث: "أفضل الأيام عند الله يوم النحر، ثم يوم القر". وهو الذي يلي يوم النحر؛ لأنهم يقرون فيه بمنى عن كراع. وقال غيره: لأنهم يقرون في منازلهم. وقال أبو عبيد: وهو حادي عشر ذي الحجة، سمي به؛ لأن أهل الموسم يوم التروية ويوم عرفة ويوم النحر في تعب من الحج، فإذا كان الغد من يوم النحر قروا بمنى، فسمي يوم القر". (تاج العروس من جواهر القاموس: ۱۳/۳۹۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۵) (أشعة اللمعات، كتاب المناسك، باب الهدي، الفصل الثاني: ۲/۳۵۹، مكتبه نوريه رضويه سكهر)

(۶) (شرح الطيبي، باب الهدي: ۵/۳۰۱، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

"يوم القَرّ بفتح القاف وتشديد الراء: أي يوم القرار، بخلاف ما قبله وما بعده من حيث الانتشار. قال بعض الشراح: هو اليوم الأول من أيام التشريق، سمي بذلك؛ لأن الناس يقرون يومئذ في منازلهم بمنى، ولا يفرون عنه بخلاف اليومين الأخيرين اهـ" (۱)۔

وجہ تسمیہ سے دور کا بھی اشارہ نہیں ملتا کہ قربانی کا صرف ایک دن ہے۔

یوم الترویہ میں مکہ معظمہ سے چل کر منیٰ پہنچے، یوم عرفہ میں منیٰ سے چل کر عرفات گئے، بعد غروب وہاں سے چل کر مزدلفہ آئے، شب میں ٹھہر کر یوم النحر میں منیٰ آئے، وہاں رمی جمرۂ عقبہ، ذبح، حلق سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ آئے، طواف زیارت اور سعی کر کے جب پھر اسی روز منیٰ پہنچ گئے، یہ تین روز مسلسل چلنا پھرنا ہوا، درمیان میں کوئی دن قرار کا نہیں ملا، اگلے دن منیٰ میں قرار پکڑا کہ نہ مکہ مکرمہ جانا ہے، نہ مزدلفہ، نہ عرفات، اس لئے یہ دن یوم القر ہے۔ امام طحاوی نے حدیث روایت کی ہے "بسنده.

"عن عبد الله بن قرط رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أحب الأيام إلى الله عزوجل يوم النحر ثم يوم القر". فقدمت إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بدنات خمساً أو ستاً، فطفقن يزدلفن إليه، فلما وجبت جنوبها، قال كلمة خفية لم أفقهها، فقلت للذي كان إلى جنبي: ما قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم؟ فقال: قال: "من شاء اقتطع" اهـ". مشكل الآثار: ۲/ ۱۳۲ (۲)۔

ابوداود شریف میں بھی بتغیر بعض الالفاظ (۳)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قربانی حضرت نبی کریم صلی

---

(۱) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب الهدي: ۵/ ۵۳۰، رشيدية)

(۲) (شرح مشكل الآثار، باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من قوله: "من انتهب فليس منا". (رقم الحديث: ۱۲۳۹): ۳/ ۲۰۶، مؤسسة الرسالة بيروت)

(۳) "عن عبد الله بن قرط رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن أعظم الأيام عند الله يوم النحر، ثم يوم القر". وهو اليوم الثاني، قال: وقرب لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بدنات خمس أو ست، فطفقن يزدلفن إليه بأيتهن يبدأ، فلما وجبت جنوبها، قال: فتكلم بكلمة خفية لم أفهمها فقلت: ما قال؟ قال: "من شاء اقتطع". (سنن أبي داود، باب الهدي إذا عطب قبل أن يبلغ: ۱/ ۲۴۵، دار الحديث ملتان)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوم القر میں قربانی کی ہے۔

سیوطی نے اس کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے ان میں زیادہ وضاحت ہے: "أخرج الطبراني وأبو نعيم والحاكم وصححه عن عبد الله بن قرط قال: قرّب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في يوم النحر بدنات خمس أو ست، فطفقن يزدلفن إليه بأيتهن يبدأ"۔ خصائص کبری ٣٦/٢ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(١) (الخصائص الكبرى، باب ما وقع في حجة الوداع من الآيات والمعجزات: ٢/٣٦، مكتبة الحقانية پشاور)

باب المقامات المتبرکۃ

(متبرک مقامات کا بیان)

استلام حجرِ اسود کا ثبوت

سوال[۵۰۹۱]: ایک صاحب کہتے ہیں کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا حج کے موقع پر نہ مسنون ہے نہ واجب نہ فرض، کلام پاک میں بھی اس کا ذکر نہیں، نہ حدیث میں وارد ہے نہ کسی صحابی کا قول ہے، بلکہ لوگوں کی ایجاد ہے، کیا یہ قول درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حجرِ اسود کو بوسہ دینا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے، ان صاحب کا انکار کرنا حدیث وفقہ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے، تمام کتبِ فقہ میں جہاں بھی حج کو ذکر کیا گیا ہے، حجرِ اسود کو بوسہ دینا مذکور ہے:

"عن سالم عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم حين يقدم مكة إذا استلم الركن الأسود أول ما يطوف يخب ثلاثة أطواف من السبع". بخاری: ۱/۲۱۸(۱)۔

"أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال للركن: أما والله! إني لأعلم أنك حجر لا تضر ولا تنفع، ولولا أني رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم استلمك ما استلمتك فاستلمه". بخاری: ۱/۲۱۸(۲)۔ "والحديث له". مسلم، ص: ۴۱۲/۴۱۳(۳)۔

---

(۱) (صحيح البخاري، باب استلام الحجر الأسود حين يقدم مكة أول ما يطوف ويرمل ثلاثا: ۱/۲۱۸، قديمي)

(۲) (صحيح البخاري، باب الرمل في الحج والعمرة: ۱/۲۱۸، قديمي)

(۳) (الصحيح لمسلم، باب استحباب تقبيل الحجر الأسود في الطواف: ۱/۴۱۲، ۴۱۳، قديمي)

"عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم في الحجر: "والله! لیبعثنه الله یوم القیامة له عینان یبصر بهما، ولسان ینطق به، یشهد علی من استلمه بحق". رواه الترمذي(۱) وابن ماجه(۲) والدارمي". مشکوٰة، ص: ۲۲۷(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

حجرِ اسود کا استلام

سوال[۵۰۱۲]: سنگِ اسود جو پتھر کعبہ شریف میں نصب ہے، اس کے کیا خواص ہیں؟ اور جب ابراہیم علیہ السلام نے بنائے کعبہ ڈالی تب پتھر تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو کہاں سے آیا؟ اس کا بوسہ لینا اور چومنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پتھر جنت سے آیا ہے(۴)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبۃ اللہ کی تعمیر کی، اس وقت اس

---

(۱) (جامع الترمذي، کتاب الحج، باب: ۱/۱۹۰، سعید)

(۲) (سنن ابن ماجة، أبواب المناسك، باب استلام الحجر، ص: ۲۱۱، قدیمي)

(۳) (مشکوٰة المصابیح، باب دخول مکة والطواف، الفصل الثاني، ص: ۲۲۷، قدیمي)

(۴) "وعنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "نزل الحجر الأسود من الجنة، وهو أشد بیاضاً من اللبن، فسوّدته خطایا بني آدم". رواه أحمد والترمذي، وقال: هذا حدیث حسن صحیح".

قال الملا علي القاري: "وفي روایة أحمد عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه، والنسائي عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما: "الحجر الأسود من الجنة". وفي روایة سمویه عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه: "الحجر الأسود من حجارة الجنة". وفي روایة أحمد وابن عدي، والبیهقي، عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما: "الحجر الأسود من الجنة، وكان أشد بیاضاً من اللبن حتی سوّدته خطایا أهل الشرك". وفي روایة الطبراني عنه: "الحجر الأسود من حجارة الجنة، وما في الأرض من الجنة غیره، وكان أبیض كالمها، ولولا ما مسه من رجس أهل الجاهلیة ما مسه ذو عاهة إلا برئ". (مرقاة المفاتیح، باب دخول مکة والطواف، الفصل الثاني: ۵/۳۶۹، ۳۷۰، (رقم الحدیث: ۲۵۷۷)، رشیدیه)

"وقد وردت فیه أحادیث: منها: حدیث عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالیٰ عنه =

پتھر کو اس جگہ نصب کیا تھا اس کو بوسہ دینا ثواب ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

حجر اسود کہاں سے آیا؟

سوال[۴۰۹۳]: حجر اسود کی مختصر تعریف کیجئے اور کہاں سے صادر ہوا اور یہ بالفعل کعبہ پر نصب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا ہے، جس وقت آیا تھا نہایت روشن تھا، بنی آدم کی

۔ مرفوعاً: "إن الحجر والمقام ياقوتتان من ياقوت الجنة، طمس الله نورهما، ولولا ذلك لأضاءا ما بين المشرق والمغرب". ومنها حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنهما مرفوعاً: "نزل الحجر الأسود من الجنة وهو أشد بياضاً من اللبن، فسودته خطايا بني آدم". (فتح الباري، باب ما ذكر في الحجر الأسود: ۳/۴۶۲، دار المعرفة بيروت)

(وجامع الترمذي، كتاب الحج، باب ما جاء في فضل الحجر الأسود والركن والمقام: ۱/۱۷۷، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

(۱) "وعنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في الحجر: "والله ليبعثنه الله يوم القيامة له عينان يبصر بهما، ولسان ينطق به، يشهد على من استلمه بحق". رواه الترمذي وابن ماجة والدارمي". (مشكوة المصابيح للتبريزي، كتاب الحج، باب دخول مكة والطواف، الفصل الثاني، ص: ۲۲۸، قديمي كتب خانه كراچي)

"وفي صحيح ابن خزيمة أيضاً عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما مرفوعاً: "إن لهذا الحجر لساناً وشفتين يشهدان لمن استلمه يوم القيامة بحق". (فتح الباري، باب ما ذكر في الحجر الأسود: ۳/۴۶۲، دار المعرفة بيروت)

"وقد علمت أن استلام الحجر والركن اليماني بمعنى التقبيل، فقد دل على سنية استلامه". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۲/۵۶۹، رشيدية)

خطاؤں نے ان کو سیاہ کردیا۔ اخبار مکہ (۱)، شروح حدیث: فتح الباری (۲) وغیرہ اور کتب تفسیر میں تفصیل مذکور ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

رکنِ یمانی کی تعریف

سوال [۵۰۰۴]: ۱... رکنِ یمانی کی مختصر تعریف کیجئے اور کہاں سے صادر ہوا؟

۲... معبودِ حقیقی کے خلیفہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سنگِ اسود کو جنت سے لائے تھے، یا جہاں بیت اللہ شریف بنا ہے یا زمین کی نشان کے واسطے آسمان سے خدا نے ہوا سے یہ پتھر پھینکا کہ اس جگہ تعمیر کعبہ کی جائے، کیا حقیقت ہے؟

---

(۱) "عن عبد الله بن لبيد قال: بلغني أن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لما أهبط الله سبحانه آدم عليه السلام إلى الأرض أهبطه إلى موضع البيت الحرام وهو مثل الفلك من رعدته، ثم أنزل عليه الحجر الأسود يعني الركن وهو يتلألأ من شدة بياضه فأخذه فضمه إليه أنسا به ... الخ". (أخبار مكة، ذكر هبوط آدم إلى الأرض و بناء ه الكعبة: ۱/۳۹، دار الثقافة مكة المكرمة)

(۲) "ومنها حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنهما مرفوعاً: "نزل الحجر الأسود من الجنة وهو أشد بياضاً من اللبن، فسودته خطايا بني آدم" (فتح الباري: ۳/۵۹۰، كتاب المناسك، باب ما ذكر في الحجر الأسود، قديمي)

(وكذا في مشكاة المصابيح: ۱/۲۲۷، باب دخول مكة والطواف، الفصل الثاني، قديمي)

(۳) "فلما بنيا القواعد فبلغا مكان الركن، قال إبراهيم لإسماعيل: يا بني! اطلب لي حجراً حسناً أضعه ههنا. فانطلق يطلب له حجراً، فجاءه بحجر ... وجاء جبريل بالحجر الأسود من الهند، وكان أبيض ياقوتة بيضاء مثل الثغامة، وكان آدم هبط به من الجنة، فاسود من خطايا الناس ... الخ"

(تفسير ابن كثير: ۱/۲۳۵، ۲۳۶، سورة البقرة، دار الفيحاء بيروت)

(وكذا في جامع البيان في تفسير القرآن (تفسير الطبري): ۱/۴۳۲، سورة البقرة، دار المعرفة بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی جنت سے آیا ہے(۱)۔

۲...... اس کا جواب نمبر: ۱ میں آگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حجرِ اسود کا استیلام

سوال[۵۰۰۵]: ۱...... سنگِ اسود کے معاملہ میں جھگڑا تھا جس کو اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طے فرمایا، سنگِ اسود کو بوسہ دینا کیا یہ سنت قیامت تک جاری رہے گی؟ بوسہ دینے کی وجہ کیا تھی؟

۲...... مشہور روایت ہے: اللہ تعالیٰ کے چہیتے بندے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت فرمایا تھا کہ جب کہ سنگِ اسود کے پاس بزرگ قوم آپس میں دعا وکلام وغیرہ میں مصروف تھا کہ: ”سنگِ اسود! تو ایک پتھر ہے، اگر اللہ کے محبوب نے تجھ کو بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں بوسہ نہ دیتا“ کیا تو حید پر کچھ زور ہو رہا تھا؟

۳...... دیگر قوم کا کہنا ہے کہ قوم مسلم سنگِ اسود کو چومتی ہے اور ہم رے پتھر چومنے کو برا کہتی ہے، سوال کرنے والے کو کیا دلیل پیش کی جائے جب کہ مسلمانوں کا ایک گروہ بزرگوں کی قبر چومتا ہے اور سر جھکاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اللہ ورسولہ اعلم۔

۲...... تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ نافع یا ضار ہے، جیسے کہ بت پرست اپنے بتوں کو نافع وضار

---

(۱) ”عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ما مررت بالركن اليماني إلا وجدت جبريل عليه قائماً“.... وأخبرني جعفر بن محمد بن علي بن حسين بن علي وقد مررنا قريباً من الركن اليماني ونحن نطوف دونه، فقلت: ما أبرد هذا المكان؟ فقال: قد بلغني أنه باب من أبواب الجنة“. (أخبار مكة، استلام الركن اليماني وفضله: ۱/۳۳۸، دار الثقافة مكة المكرمة)

”وكان الله عزوجل استودع الركن أبا قبيس حين غرق الله الأرض زمن نوح، وقال: إذا رأيت خليلي يبني بيتي فأخرجه له“. (أخبار مكة، ما ذكر من بناء إبراهيم عليه السلام الكعبة: ۱/۳۳، دار الثقافة مكة المكرمة)

سمجھتے تھے (۱)۔

۳... محض چومنا اس عقیدت کے ساتھ جس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف اظہار فرمادیا، ہرگز پرستش نہیں، بت پرست اپنے بتوں کو نافع وضار سمجھتے ہیں اور ان کو سجدہ کرتے ہیں (۲)۔ جو شخص قبروں کو چومتا اور ان کے سامنے سر جھکاتا ہے، وہ غلط کار ہے، خلافِ شرع کرتا ہے، وہ اسلام کی تعلیم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۵ھ۔

مقاماتِ اجابت

سوال [۶۰۰۵]: حج میں کون کون سے خاص مقامات ہیں جہاں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ملتزم کے پاس، تحت المیزاب، بیت اللہ میں، زمزم پیتے وقت، مقام ابراہیم کے پیچھے، صفا ومروہ پر، سعی میں، عرفات میں، مزدلفہ میں، منیٰ کے وقت، بیت اللہ پر نظر پڑتے وقت، سحر: ۲/۳۷۸ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: رأيت عمر رضي الله تعالى عنه قبل الحجر ثلاثاً ثم قال: إنك حجر لا تضر ولا تنفع، ولولا أني رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قبلك ما قبلتك، ثم قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فعل مثل ذلك". قال الطبري: إنما قال ذلك عمر، لأن الناس كانوا حديثي عهد بعبادة الأصنام، فخشي عمر أن يظن الجهال أن استلام الحجر من باب تعظيم بعض الأحجار كما كانت العرب تفعل في الجاهلية، فأراد عمر أن يعلم الناس أن استلامه اتباع لفعل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، لا لأن الحجر ينفع ويضر بذاته كما كانت الجاهلية تعتقده في الأوثان" (فتح الباري: ۳/۵۹۰، باب ما ذكر في الحجر الأسود، قديمي)

(۲) (راجع المصدر السابق من فتح الباري)

(۳) "وفي رسالة الحسن البصري التي أرسلها إلى أهل مكة: أن الدعاء هناك يستجاب في خمسة -

میزاب رحمت کے نیچے دیوار کا التزام

سوال[۵۰۹۷]: ۱... حطیم میں بیت اللہ شریف کی دیوار جو میزاب رحمت کے نیچے ہے اس کا بھی التزام جائز ہے یا نہیں؟ بہت سے حضرات اس کو مشروع کہتے ہیں، بحوالہ قرۃ العین: ۲۳۲۔

منجاء پر وقوف شعار روافض ہے

سوال[۵۰۹۸]: ۲... اسی طرح مکان منجا جو کہ پشت کعبہ میں رکن یمانی سے بائیں طرف چار ہاتھ کی مقدار تک ہے، اس کا التزام بھی مکروہ ہے، اگرچہ ایسا کرنا روافض کا شعار ہو گیا ہے، وہ اس جگہ دعا کے لئے وقوف کرتے ہیں۔ بہرحال جو ذکر تو ہے اور آخر کے علم میں نہیں ہے کہ یہ روافض کا شعار ہے۔ لہٰذا کیا ہم حنفی اس جگہ التزام بلا کراہت کرسکتے ہیں؟

طواف میں شاذروان کو مس کرنا

سوال[۵۰۹۹]: ۳... بیت اللہ شریف کے تین طرف کی دیوار کے نیچے (سوائے حطیم کی طرف کے) ایک انچ کے برابر پشتہ بنا ہوا ہے جس کو "شاذروان" بھی کہتے ہیں، ہم حنفیوں کے نزدیک بیت اللہ شریف

– عشر موضعاً في الطواف، و عند الملتزم، و تحت الميزاب، و في البيت، و عند زمزم، و خلف المقام، و على الصفا، و على المروة، و في السعي، و في عرفات، و في مزدلفة، و في منى، و عند الجمرات الثلاث. و زاد غيره: و عند رؤية البيت، و في الحطيم، لكن الثاني هو تحت الميزاب، فهو ستة عشر موضعاً". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۲/۶۱۲، رشيديه)

"و هو من مواضع الإجابة، و هي بمكة خمسة عشر نظمها صاحب النهر، فقال:

دعاء البرايا يستجاب بكعبة وملتزم والموقفين كذا الحجر

طواف وسعي مروتين وزمزم مقام وميزاب جمارك تعتبر

زاد في اللباب: و عند رؤية الكعبة، و عند السدرة، و الركن اليماني، و في الحجر، و في منى في نصف ليلة البدر". (الدر المختار، مطلب في إجابة الدعاء: ۲/۵۰۷، ۵۰۸، سعيد)

(۲) كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في كيفية ترتيب أفعال الحج، ص: ۴۳۷، ۴۳۸، قديمي)

سے باہر ہے، مگر امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیت اللہ میں داخل ہے۔

اگر بیت اللہ میں شاذروان داخل ہے تو رکنِ یمانی کو چلتے ہوئے ہاتھ لگانے سے اتنا حصہ بیت اللہ کے اندر طواف کرتے وقت ہوگا، لہٰذا طواف بھی نہیں ہوگا، یا کوئی عضو شاذروان کے اوپر سے گھوم جائے تو اس عضو کی طواف میں کوئی نقص رہے گا، یا امام حنفیہ کے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں ہے؟ لہٰذا یہاں ٹھہر کر ہاتھ لگانا چاہئے یا چلتے ہوئے بھی رکنِ یمانی پر ہاتھ لگائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... میزابِ رحمت کے نیچے حطیم میں دعا مقبول ہونا تو کتبِ فقہ میں منقول ہے(۱) مگر اس جگہ کا التزام اس طرح منقول نہیں، ترک احوط ہے(۲)۔

۲..... جو امر فی نفسہ مندوب ہو مگر وہ روافض کا شعار بن جائے تو اس سے بھی اجتناب چاہئے(۳)۔

---

(۱) "وفي رسالة الحسن البصري التي أرسلها إلى أهل مكة: أن الدعاء هناك يستجاب في خمسة عشر موضعاً: في الطواف، وعند الملتزم، وتحت الميزاب، وفي البيت ..... وزاد غيره: وعند رؤية البيت، وفي الحطيم، لكن الثاني هو تحت الميزاب، فهو ستة عشر موضعاً". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۲/۶۱۷، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في كيفية ترتيب أفعال الحج، ص: ۷۴۲، ۷۴۳، قديمي)

(۲) "قال ابن المنير: فيه: أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها". (فتح الباري، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۲/۳۳۸، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۲۰، سعيد)

(۳) "وعنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". رواه أحمد وأبو داؤد". قال الملا علي القاري رحمه الله تعالى: "من تشبه بقوم": أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم والخير. قال الطيبي: هذا عام في الخَلق والخُلق والشعار. ولما كان الشعار أظهر في التشبه، ذكر في هذا الباب، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۵۵، حقانيه) =

۳- بیرونی سے طواف میں نقص نہیں آئے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۲/۶/۹۰ھ۔

آبِ زمزم

سوال [۱۰۰۵]: آبِ زمزم کو دوسرے پانیوں سے کچھ فوقیت حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں اس کی فضیلت وارد ہے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پیر رگڑنے کی جگہ سے چشمہ

---

* قال العلامة المناوي: "وقال بعضهم: قد يقع التشبه في أمور قلبية من الاعتقادات وإرادات وأمور خارجية من أقوال وأفعال قد تكون عبادات وقد تكون عادات ... فأمر بمخالفتهم في الهدي الظاهر في هذا الحديث ... وقد يحمل هذا على التشبه في القدر المشترك الذي شابههم فيه، فإن كان كفراً أو معصية أو شعاراً لها كان حكمه كذلك" الخ (فيض القدير: (رقم الحديث: ۸۵۹۳): ۱۱/۵۷۳۴، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(۱) "والمكان وهو حول البيت داخل المسجد، أي ولو على السطح لا خارجه، ولو فيه بكي صحاب ... ولا مفسد للطواف، ومما يبطله الردة" (مناسك ملا علي القاري، فصل في شرائط صحة الطواف، ص: ۲۲۳، إدارة القرآن كراچي)

"ومكانه أن يقع حول البيت في المسجد بقوله تعالى: ﴿وليطوفوا بالبيت العتيق﴾ والطواف بالبيت هو الطواف حوله، فيجوز الطواف في المسجد الحرام قريباً من البيت أو بعيداً عنه بشرط أن يكون في المسجد، فلو طاف من وراء زمزم قريباً من حائط المسجد أجزأه لوجود الطواف بالبيت، ولو طاف حول المسجد وبينه وبين البيت حيطان المسجد لم يجز؛ لأن حيطان المسجد حاجز فلم يطف بالبيت لعدم الطواف حوله، ويطوف من خارج الحطيم؛ لأن الحطيم من البيت على لسان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم" الخ. (الفقه الإسلامي وأدلته، باب شروط الطواف وواجباته: ۳/۲۱۵۰، مكتبه حقانيه پشاور)

بچپن کے دفعیہ کے لئے اس کا ظہور ہوا (۱)۔ شق صدر کے وقت قلب مبارک کو اس سے دھویا گیا، اور بھی احتمالات محتمل ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۵/ ۹۲ھ۔

غلافِ کعبہ کو پھاڑ توڑ کرنا

سوال [۵۱۰۱]: حاجی لوگ حج کرنے جاتے ہیں وہ بہت سامان لاتے ہیں، ضرورت کے علاوہ بھی اور بعض غلافِ کعبہ کو توڑ کر لاتے ہیں اور بعض پھاڑ کر لاتے ہیں۔ یہ افعال جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلافِ کعبہ کو توڑ کر یا نوچ کر لانا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی بزرگ کے بدن پر کرتہ ہو اور اس کو توڑ کر لانا، یہ سخت بے ادبی ہے، جو کہ اس کی اجازت نہیں، علاوہ ازیں وہ وقف کا مال بھی ہے، بلا اذن واقف ومتولی اس کے لینے کا کسی کو حق نہیں (۳)، اگر کوئی ٹکڑا یا چیز معمول طور پر تبرک کی نیت سے دے دے تو اس کی گنجائش ہے۔

---

(۱) "وعمل بخفيه على الأرض، قال: فانطلق إلى الماء، فذهبت أم إسماعيل فجعلت تحفر، قال: فقال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم: "لو تركته كان الماء ظاهراً"، قال: "فجعلت تغرف من الماء ويدر لبنها على صبيها". (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب قول الله: واتخذ الله إبراهيم خليلا، ۱/ ۴۷۵، قديمي)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح الباری، کتاب الأنبیاء: ۶/ ۴۹۲، قدیمی)

(۲) "كان أبو ذر رضي الله تعالى عنه يحدث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "فرج سقفي وأنا بمكة، فنزل جبريل ففرج صدري، ثم غسله بماء زمزم، ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمة وإيماناً فأفرغها في صدري، ثم أطبقه" الحديث. (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب ما جاء في زمزم، ۱/ ۲۲۱، قديمي)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح الباری، کتاب الحج: ۳/ ۶۲۹، قدیمی)

(ومناسك ملا علي القاري رحمه الله، باب الدعاء عند شرب ماء زمزم، ص: ۳۳۲، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "وذكر في البحر الرائق أنه لا يجوز قطع شيء من كسوة الكعبة، ولا نقله، ولا بيعه، ولا شراؤه، ولا وضعه في أوراق المصحف، ومن حمل شيئا من ذلك فعليه رده ... [illegible]

جس سامان کے لانے کی قانوناً اجازت نہیں اس کو لانا، اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۰ھ۔

خانۂ کعبہ کے غلاف کا رنگ

سوال [۱۰۲۵]: احقر نے کئی بار یہ محسوس کیا کہ مجھے یہ ہدایت ہورہی ہے کہ جب تو یہ جانتا ہے کہ نورِ خداوندی سفید، اور نورِ محمدی کا رنگ سبز ہے تو علمائے حق کو غلافِ خانۂ کعبہ کے سیاہ رنگ کی طرف کیوں توجہ نہیں، کیونکہ حضور رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن رنگوں کا غلاف خانۂ کعبہ پر چڑھایا وہ سرخ، سفید یا سبز رنگ کے تھے۔ نیز یہ بات بھی احقر کے دل میں ہے کہ یہ رنگ تصوف میں عیسائیوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ سیاہ رنگ کا استعمال غلافِ کعبہ پر اول اول کس نے دیا، یہ تو احقر کو معلوم نہیں، امید ہے کہ جناب اس بارے میں اپنی گراں قدر رائے اور احادیث کی روشنی میں حوالوں سے احقر کو بتائیں کہ حقیقتِ حال کیا ہے؟ اور میں اس بارے میں کیا طریقہ اختیار کروں؟

= من الأوقاف، فيعمل على وفق شرط الواقف، و ليس فيه التصرف لسلطان و لا لغيره". (مناسك الملا علي القاري، باب المتفرقات، ص: ۴۹۵، ۴۹۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل، مطلب في كسوة الكعبة المشرفة، ص: ۳۳۰، مكتبه مصطفى محمد صاحب المكتبة التجارية الكبرى بمصر)

(وكذا في رد المحتار: ۴/۴۲۳، مطلب في استعمال كسوة الكعبة، سعيد)

(۱) "(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ) أي يتبع، و لا يجوز مخالفته . التعليل بوجوب طاعة ولي الأمر، وفي ط عن الحموي: أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم، وجب". (رد المحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية: ۱۳/۱۲۲، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في أحكام القرآن للجصاص، باب في طاعة أولي الأمر ۲/۲۹۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیت اللہ شریف کا غلاف مامون الرشید نے دیباج ابیض کا سب سے پہلے ڈالا۔ دیر تک یہ سلسلہ رہا، پھر محمود بن سبکتگین نے دیباج اصفر کا ڈالا۔ پھر ناصر عباسی نے دیباج اخضر کا ڈالا، پھر اسی نے دیباج اسود کا ڈالا جو اب تک جاری رہا(۱)۔ عباسیوں کا درباری لباس اور خصوصی شعار بھی سیاہ تھا۔ وہ اس کو عزت وعظمت کا لباس تصور کرتے تھے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسود عمامہ احادیث میں مذکور ہے، غالباً اسی وجہ سے عباسیوں نے اسود کو انتخاب کیا۔ غلاف کعبہ کے متعلق تفصیل فتح الباری: ۳/۳۶۲، عینی ۹/۳۰۰(۲)، اوجز المسالک: ۳/۲، ۵۱۳ میں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۹۲ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "وذكر الفاكهاني أن أول من كساها الديباج الأبيض المأمون بن الرشيد واستمر بعده، وكساها محمد بن سبكتكين ديباجاً أصفر، وكساها الناصر العباسي ديباجاً أخضر، ثم كساها ديباجاً أسود فاستمر إلى الآن". (فتح الباري، كتاب الحج، باب ما قيل في معرفة بدء كسوة البيت: ۳/۵۸۲، قديمي)

(۲) (عمدة القاري، باب كسوة الكعبة: ۹/۳۲۸، دار الكتب العلمية بيروت)

بابٌ فی أحکام الحج

(حج کے احکام کا بیان)

مدینہ طیبہ میں حاجی قصر کرے گا یا اتمام؟

سوال[۵۱۰۳]: مدینہ طیبہ کے قیام میں مسافر رہے گا یا مقیم؟ کیونکہ سنا جاتا ہے کہ وہاں آٹھ یوم سے زیادہ قیام کی اجازت نہیں ہے، پندرہ یوم کی نیت کرنے سے مقیم ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پندرہ یوم قیام کی نیت سے مقیم ہو جائے گا(۱)، وہی روز تو مدینہ طیبہ میں قیام ہوتا ہے، اس کے بعد ایک دو چار روز الگ رہنا پڑتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا عرفات میں حاجی قصر کرے؟

سوال[۵۱۰۴]: عرفات میں جو نماز پڑھی جاتی ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں قصر کر سکتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ پوری نماز ادا کی جائے، کیونکہ وہاں سے مکہ کا فاصلہ اتنا نہیں ہے جو قصر کرنے کے فاصلے سے کم ہے۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لوگ کم از کم پندرہ روز مکہ معظمہ میں مقیم رہے پھر منیٰ گئے اور عرفات گئے وہ وہاں پوری نماز پڑھیں

---

(۱) "ولا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوماً أو أكثر، كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشيدية)

"ثم لا يزال المسافر على حكم السفر حتى يدخل وطنه أو ينوي إقامة خمسة عشر يوماً في موضع واحد بمصر أو قرية". (الحلبي الكبير، فصل في صلاة المسافر، ص: ۵۳۵، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۶۶، باب صلاة المسافر، مكتبه شركة علميه ملتان)

جانی ہوتا ہے۔ بحر: ۲/۱۴۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

حالتِ حیض میں طواف کرنا

سوال [۵۱۰۶]: ...... بعض حضرات مع اپنی بیوی کے اسی ملک میں قیام کرتے ہیں ملازم ہیں، صرف دس بارہ یوم کی رخصت بڑی مشکل سے ملتی ہے لہذا عین وقت پر حج کو آتے ہیں۔ کبھی کوئی ایسا واقعہ بھی پیش آتا ہے کہ بیوی یا لڑکی کو حیض شروع ہو جاتا ہے، ایسا وقت ہے کہ بیوی کو تنہا جائے ملازمت پر چھوڑ کر بھی نہیں آسکتے ہیں اور وہ خود حج کے آنے سے جلد ہی میں ہوتی ہے، لہذا اس مجبوری میں طواف زیارت حیض کی حالت میں ہی کر کے جانا ہو سکتا ہے۔ شوہر بیوی کو تنہا مکۃ المکرمہ میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا ہے اور نہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ چھوڑا جا سکتا ہے اور خود کو چھٹی بہت کم ملتی ہے لہذا مجبوری میں واپس جانا ہوتا ہے۔

تو اس مجبوری کی صورت میں عورت حیض کی حالت میں طواف زیارت ادا کر لے، کیونکہ حیض کی حالت میں بوجہ مجبوری طواف زیارت کیا ہے؟ اور ایک اونٹ یا گائے یا بیل حدودِ حرم میں ذبح کر دے گا کہ عورت کے لئے حلال ہو جائے اور حج مکمل ہو جائے، حیض کی حالت میں طواف کرنے کے گناہ کے لئے توبہ استغفار کرے کہ بالکل مجبوری کی وجہ سے کیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ طواف زیارت جان بوجھ کر حالت حیض میں کرنا بہت بڑا جرم ہے، کیونکہ اونٹ یا گائے کے ذبح کرنے کی جزا اس پر لازم ہے۔

ساتھ ہی مندرجہ بالا مجبوری لاکھوں عورتوں کے مجمع میں صرف چند کو پیش آتی ہے اور اس حالت سے بچنا مستورات کے بس کا نہیں، اگر جلد واپسی ضروری نہ ہو تو کبھی کوئی عورت اتنا بڑا گناہ نہیں کرے گی۔ بالکل مجبوری کی حالت میں حالتِ حیض میں طواف کیا جائے تاکہ حج مکمل ہو جائے اور مرد کے لئے حلال ہو جائے۔

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۵۱۲، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وإن اقتدى مسافر بمقيم، أتم أربعاً". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۴۲، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۳۴۲، باب صلاة المسافر، إمداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر: ۲/۲۳۵، رشيديه)

ایک صاحب کی اہلیہ کو ایسا ہی معاملہ پیش آیا، ان کے میاں نے بیوی سے کہا کہ ہم تمہارا حج فسخ کراتے ہیں، لہذا
تم اپنے کو محرمہ مت سمجھو مجبوری ہے۔ لوگوں نے بہت سمجھایا کہ اس طرح حج فسخ نہیں ہوتا مگر نہیں مانے اور
واپس بھی چلے گئے۔ بعض عورتیں حیض والی عورتوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ کسی سے فتویٰ مت لو اور خوب اطمینان
سے ایسی حالت میں طواف زیارت کرلو، چنانچہ بعض عورتیں ان کے کہنے پر عمل کرتی ہیں اور اس کو گناہ نہیں سمجھتیں
اور مطمئن ہوتی ہیں۔

حالتِ حیض میں حرم شریف کی نماز اور صلوٰۃ وسلام

سوال [۵۱۰۱]: ۳۰۰… اسی طرح بعض اشخاص مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں عورت یا
جوان لڑکی کو حیض شروع ہوگیا، عزت وآبرو کی وجہ سے مرد اپنی بیوی یا اپنی لڑکی کو تنہا قیام گاہ پر نہیں چھوڑنا چاہتا ہے
اور وقت کم ہوتا ہے، خود حرم شریف میں جاکر نمازیں ادا کرنا چاہتا ہے، طواف کرنا چاہتا ہے اور مدینہ منورہ میں
نمازیں ادا کرنا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنا چاہتا ہے۔

بعض عورتیں ایسی عورتوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ کسی سے کہو نہیں، نمازیں بھی پڑھو، طواف بھی کرو، سلام
بھی عرض کرو، یہ صریح گناہ ہے، مگر ایسی مجبوری میں مرد اپنی بیوی کو اور لڑکی کو حیض کی حالت میں حرم شریف میں
اور مسجد نبوی میں کسی ایک جگہ بٹھا کر کھڑا کردے تاکہ وہ خاموش بیٹھی توبہ استغفار کرے اور درود شریف پڑھتی رہے،
نمازیں ادا نہیں کرے اور نہ طواف کرے۔ تو کیا یہ مرد نے مجبوری کا گناہ نہیں؟ جب مرد مسجد سے یا
حرم شریف سے باہر نکلے تو بیوی کو ساتھ لے لے اور کیا بوجہ مجبوری حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام بھی
عرض کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناپاکی کی حالت (حیض، نفاس، جنابت) میں طواف کرنا حرام ہے، اس کو درست سمجھنا غلط بات ہے(۱)۔

---

(۱) "ويمنع الطواف، لأن الطواف في المسجد. قيل: إذا كان الطواف في المسجد، يكون الحكم معلوماً مما مر من قوله: ودخول المسجد، فلم ذكره؟ أجيب بأن المفهوم منه عدم جواز شروع الحائض بالطواف، فيلزمها الدخول في المسجد حائضاً، ولا يفهم منه أنه لو حاضت بعد الشروع في الطواف لا يجوز لها الطواف، إذ حينئذ لا يوجد منها الدخول في المسجد حائضة، وإنما يفهم ذلك من هذا =

طواف زیارت ایسی حالت میں کرنے سے اونٹ یا گائے کا دم دینا واجب ہے(۱)۔ تاہم اس گناہ کے باوجود فریضۂ حج ادا ہوجائے گا، سعی ایسی حالت میں بھی درست ہے، دم واجب نہیں ہے(۲)۔

۲..... مسجد میں داخل نہ کیا جائے(۳)، مسجد کے متصل خارج مسجد بٹھادے تاکہ وہ تسبیح واستغفار میں

= المسئلة، فلا حاجة إلى ذكرها". (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، باب الحيض: ۱/۵۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"ومنها حرمة الطواف لهما بالبيت وإن طافتا خارج المسجد" (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱/۳۸، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۳۸، قديمي)

(۱) "والثاني: إذا طاف للزيارة جنباً، أو حائضاً أو نفساء، فإن الواجب في هذين الموضعين البدنة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الجنايات، ص: ۷۴۱، قديمي)

"ولا تجب البدنة إلا إذا طاف للزيارة جنباً أو حائضاً أو نفساء، أو جامع بعد الوقوف بعرفة وقبل الحلق" (فقه السنة، متى تجب البدنة: ۱/۷۴۳، دار الكتاب العربي)

(وكذا في رد المحتار، مطلب في طواف الزيارة: ۲/۵۱۹، سعيد)

(۲) "وإن سعى جنباً أو حائضاً أو نفساء، فسعيه صحيح". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني في الجنايات، الفصل الخامس في الطواف والسعي والرمل ورمي الجمار: ۱/۲۴۷، رشيديه)

"وأما الطهارة عن الجنابة والحيض فليست بشرط، فيجوز سعي الجنب والحائض" (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جواز السعي: ۳/۸۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مبسوط السرخسي، باب السعي بين الصفا والمروة: ۴/۵۷، مكتبه غفاريه كوئته)

(۳) "يمنع (أي الحيض) صلاةً وصوماً، وتقضيه دونها، ودخول مسجد والطواف وقربان ما تحت الإزار وقراءة القرآن". (النهر الفائق، باب الحيض: ۱/۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، مكتبه امداديه ملتان)

"وهو: أي الحيض يمنع الصلاة والصوم، وتقضيه لزوماً دونها، للحرج. ويمنع دخول المسجد والطواف بالبيت". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحيض: ۱/۵۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

مشغول رہے، صلوٰۃ وسلام بھی وغیرہ پڑھتی رہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "قالوا: لا تقرأ الحائض ولا الجنب من القرآن شيئاً لا أطراف الآية والحروف ونحو ذلك.

ورخص للجنب والحائض في التسبيح والتهليل". (إعلاء السنن، باب إن الحائض والنفساء والجنب

لا يقرؤون شيئاً من القرآن: ۱/۲۹۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

"ولا بأس لحائض وجنب بقراءة أدعية ومسها وحملها، وذكر الله تعالى وتسبيح". (الدر

المختار، باب الحيض: ۱/۲۹۳، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۴۳، قديمي)

باب المواقیت

(میقات کا بیان)

یلملم سے احرام

سوال [۵۱۰۸]: زید نے جہاز میں یلملم پر احرام نہیں باندھا تاکہ دوسرے عوام اور اہل علم نے وہیں احرام باندھا اور زید کو بھی کہا، لیکن زید نے جدہ پہنچ کر احرام باندھا، تو کیا ایسی حالت میں احرام کے میقات سے مؤخر ہونے کی وجہ سے زید پر دم یا بدنہ لازم آئے گا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو کیا لازم ہوگا اور اس کو ہندوستان ہی میں ادا کرنا کافی ہوگا یا حرم میں بھیجنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عامۂ علمائے اہل ہند یلملم پر احرام باندھنے کو لازم فرماتے ہیں۔ میقات سے بغیر احرام گزرنا حاجی کے حق میں جنایت ہے جس کی وجہ سے دم لازم ہوگا (۱) یعنی ایک بکری کی قربانی کی جائے گی۔ وہ قربانی ہندوستان میں کافی نہیں، بلکہ روپیہ دے کر کسی کو ذمہ دار بنادیا جائے کہ وہ حرم میں قربانی کرے، یہی

---

(۱) "من جاوز الميقات الذي يجب عليه الإحرام منه غير محرم ثم أحرم، لزمه دم" (الدر المنتقى في شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الحج، باب مجاوزة الميقات بلا إحرام: ۳۰۲/۱، ۳۰۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"فإن أحرم بالحج أو بالعمرة قضاء لما عليه من ذلك لمجاوزته الميقات، ولم يرجع إلى الميقات، فعليه دم؛ لأنه جنى على الميقات، لمجاوزته إياه من غير إحرام، ولم يتداركه، فيلزمه الدم جبراً الخ". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان مكان الإحرام: ۳۹۰/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، ما يلزم بمجاوزة الميقات بغير إحرام: ۴۷۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

احوط ہے(۱)، اگرچہ بعض حضرات اس کے بھی قائل ہیں کہ جدہ پہونچ کر احرام باندھنے کی بھی گنجائش ہے اس لئے کہ ہندوستان سے جاتے وقت یلملم درمیان میں آتا ہے، نہ یلملم کی محاذات ہوتی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

---

(۱) "ولا یجوز ذبح الهدایا إلا في الحرم؛ لأن الهدی اسم لما یهدی إلی مکان، ومکانه الحرم". (الفقه الإسلامي وأدلته، خامساً: مکان ذبح الهدی وزمانه: ۲۳۲۸/۳، رشیدیه)

"قال: (والکل بالحرم): أي کل دم یجب علی الحاج یختص بالحرم، لقوله تعالی: ﴿هدیاً بالغ الکعبة﴾ الخ". (تبیین الحقائق، باب الهدي: ۳۴۴/۲، دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا في الهدایة، باب الهدي: ۳۰۱/۱، شرکة علمیة، ملتان)

(۲) "اور یہ ظاہر ہے کہ اہل ہند کے لئے یلملم کی محاذات کسی بہتر طریقے سے نہیں معلوم ہوتی لہٰذا جدہ بھی ان کے لئے میقات ہے۔ ...... یہاں تک بحری راستہ اہل ہند کی میقات ختم چلا آتا ہے، لیکن علماء کے بعض متاخرین فضلاء نے فن کی نظر تحقیق کے ساتھ جغرافیہ پر بھی ہے، صاف صاف لکھا ہے کہ ہندی حاجیوں کے لئے بجائے یلملم کے مقرر شدہ میقات کے جدہ بلکہ جدہ میں بعد سے احرام باندھنا جائز ہے"۔ (زبدۃ المناسک، مواقیت الإحرام، حج اور عمرہ کا بیان، ص: ۹۲، سعید)

(ومعلم الحجاج، ص: ۹۳، ادارۃ القرآن کراچی)

(وقرۃ العینین في زیارۃ الحرمین، ص: ۴۱، ۵۰، شیخ روڈ ٹیٹ)

حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے پاک وہند کے حجاج کرام کے میقات "یلملم" میں اسی قسم کا اختلاف نقل کیا ہے اور بعض حضرات کی عبارات نقل کی ہیں اس سے احتیاطی پہلو یہی نکل آتا ہے کہ یلملم کے محاذات سے پہلے ہی احرام باندھ لیا جائے، اور اگر بغیر احرام یہاں سے گذر جائے تو اس صورت میں بھی اس پر دم لازم نہیں ہے، لیکن ہوائی جہاز پر سفر کرنے والے کو بہرحال پہلے ہی سے احرام باندھنا لازم ہے۔ فرماتے ہیں:

سوال: ۱- "جو حضرات بحری جہاز سے بہ نیت حج کے لئے جاتے ہیں ان کو کب احرام باندھنا چاہیے؟ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جدہ پہنچ کر احرام باندھ سکتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر ان کا قول صحیح نہیں ہے اور کسی نے کسی وجہ سے جدہ تک احرام مؤخر کر دیا تو دم لازم ہوگا یا نہیں؟

۲- اور جو حجاج کرام ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں ان کو کب احرام باندھنا چاہیے؟ کیا یہ لوگ جدہ پہنچ کر احرام باندھیں تو صحیح ہے یا نہیں؟ دم لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا"۔

الجواب: ۱- "ہندوستان و پاکستان والوں کی میقات یلملم ہے لہٰذا جو حجاج کرام مکہ معظمہ جانے کا ارادہ رکھتے =

= ہیں، ان کو یلملم یا اس کے محاذ سے پہلے پہلے احرام باندھ لینا چاہیے۔

ہمارے زمانہ میں جو حجاج کرام ہندوستان (یا پاکستان) سے بحری راستہ سے سفر کرتے ہیں وہ جدہ تک احرام مؤخر کر سکتے ہیں یا نہیں، اس بارے میں ہمارے زمانہ کے اکابرین علماء کی تحقیق میں اختلاف ہے: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ ”بحری جہاز سے سفر کرنے والے حجاج کرام کے لئے جدہ تک احرام مؤخر کرنا جائز ہے“۔ آپ فرماتے ہیں کہ ”بحری جہاز یلملم سے آگے جو جدہ کی طرف تجاوز کرتا ہے وہ تجاوز آفاق میں ہوتا ہے، جب حرم میں نہیں ہے“۔ لہٰذا اگر جدہ تک احرام مؤخر کریں تو جائز ہے، موجب دم نہیں۔ صاحب زبدۃ المناسک حضرت مولانا الحاج شیر محمد صاحب سندھی اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم العالی کی بھی یہی تحقیق ہے۔

اس کے بالمقابل حضرت مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی (پاکستانی)، اور مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی (پاکستانی) کی تحقیق یہ ہے کہ یلملم کی محاذات جدہ سے پہلے آجاتی ہے اور بحری جہاز جدہ پہنچنے سے پہلے ہی محاذات میقات سے تجاوز کر کے حدود حل میں داخل ہو جاتا ہے، اس لئے ہندوستان و پاکستان کے حجاج کرام کو سمندر میں یلملم کی محاذات سے ہی احرام باندھ لینا ضروری ہے، اگر جدہ تک تاخیر کریں گے تو محاذات میقات سے بلا احرام گذرنے کی وجہ سے دم بھی لازم ہوگا اور گناہ بھی ہوگا۔

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جدہ آنے سے پہلے پہلے یلملم کی محاذات پر احرام باندھ لیا جائے، اسی میں احتیاط ہے، چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

> ”ایسے حالات میں کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف رائے ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ بحری جہاز میں یلملم ہی سے احرام باندھ لیں، یا ساحل جدہ پر اترنے سے پہلے احرام باندھ لیں، کیونکہ حسب تصریح فقہاء کسی اختلاف میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا بہتر ہے تاکہ اپنی عبادات کے جواز میں کسی کا اختلاف نہ رہے۔
>
> اس کے علاوہ احرام کو میقات سے پہلے باندھنا سب ہی کے نزدیک افضل ہے، بلکہ بعض روایات حدیث میں اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر چلنے کی فضیلت آئی ہے، شرط یہ ہے کہ محظورات احرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ اور جس کو یہ خطرہ ہو کہ محظورات احرام سے بچنا اس تمام عرصہ میں اس کے لئے مشکل ہوگا، اس کے لئے آخری حد تک مؤخر کرنا بہتر ہے، ایسے شخص کو آخری حد میں اتنی احتیاط کر لینا چاہیے کہ اس کا احرام علماء کے اختلاف سے نکل جائے“ (جواہر الفقہ: ۱/۴۹۹)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مقام سے بغیر احرام کے آگے حرم کی طرف جانا جائز نہیں، اس مقام سے آگے بڑھنے کے بعد بغیر احرام دوبارہ مکہ معظمہ جانا درست نہیں۔ اگر جدہ کو بالفرض میقات تسلیم کیا بھی جائے تو جب جدہ سے نکل جائے گا پھر دوبارہ داخل ہونا پایا جائے گا تو دوبارہ احرام باندھنا لازم ہوگا، محض جدہ میں داخل ہونے کی وجہ سے دوبارہ احرام لازم نہیں ہوگا، میقات سے تجاوز جب ہوگا کہ جدہ سے دوسری طرف نکل جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۵ھ۔

پانی کے جہاز سے جانے والا ہندوستانی کہاں سے احرام باندھے؟

سوال [۵۱۰۱]: ہندوستان سے پانی کے جہاز سے جانے والے حجاج کو بمطابق شرع حنفی احرام کہاں سے باندھنا چاہیے؟ کس جگہ سے واجب ہے اور کس جگہ سے فرض؟ احناف کا فتویٰ کس پر ہے؟ ہندہ حج کا ارادہ رکھتی ہے، حرم کہاں سے شروع ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی کے جہاز سے جانے کے لئے جو قدیم راستہ تھا تو یلملم کی محاذات پر پہونچ کر احرام باندھنا تھا، یہی ہندوستان کے اکابر وقتیہم کا معمول رہا، اب بھی احوط یہی ہے، اگرچہ موجودہ اہلِ جغرافیہ کا قول یہ ہے کہ اب راستہ میں نہ یلملم آتا ہے نہ اس کی محاذات آتی ہے، بلکہ جدہ سے احرام باندھنا لازم

---

(۱) "فإن جاوزه فليس له أن يدخل مكة من غير إحرام، لأنه صار آفاقياً". (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۵۴۰، رشیدیه)

"والمكي إذا خرج من مكة لحاجة له، ثم جاوز الوقت، فليس له أن يدخل مكة بغير إحرام، وإن جاوز، لم يكن له أن يدخل مكة إلا بإحرام، بما بيناه أن من قصد إلى موضع صار في حكم الإحرام كحال أهل ذلك الموضع". (المبسوط للسرخسي، باب المواقيت: ۴/۱۷۵، حبيبية كوئٹہ)

"ونظيره المكي إذا خرج منها أو جاوز الميقات، لا يحل له العود بلا إحرام". (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/۴۷۹، سعيد)

ہندوستانیوں کے لئے میقات یلملم ہے یا جدہ؟

سوال [۵۱۱۱]: یلملم پہاڑی جو ہندوستان کے لئے میقات ہے وہاں کے بجائے جدہ پہنچ کر احرام باندھنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ کہتے ہیں جدہ بھی حرم سے دور ہے، لہٰذا وہاں سے احرام باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، مگر افضل و احسن کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل واحوط یہی ہے کہ یلملم سے احرام باندھا جائے، اسلاف کا معمول بھی یہی رہا ہے، مگر اب جغرافیہ کی رو سے بعض حضرات نقشے دیکھ کر بتلاتے ہیں کہ جدہ تک یلملم کی محاذات بھی نہیں آتی، لہٰذا جدہ سے قبل احرام باندھنا لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۹ھ۔

میقات سے بلا احرام گزرنا

سوال [۵۱۱۲]: ایک شخص ہندوستان سے حج کا ارادہ کر کے چلتا ہے، اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ پہلے مدینہ طیبہ جانا چاہے، یا ایک شخص مکہ کے قصد سے یہاں سے چلتا ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ کچھ روز جدہ ٹھہر کر تجارت کرے، اس کے بعد مکہ مکرمہ جائے، تو اس کے لئے بغیر احرام کے میقات سے گزرنے کا کیا حکم ہے؟ اہل ہند کی میقات کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو آفاقی مکہ یا حرم کا ارادہ رکھتا ہے اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں، خواہ اس کا حج عمرہ کا ارادہ ہو، خواہ سیر و تجارت وغیرہ کا ارادہ ہو (۲)، اگر گزر جائے تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ کسی میقات پر

= (وقرة العینین فی زیارة الحرمین، فصل: در بیان احرام حج و عمرہ کے بیان میں، ص: ۹۶، مطبوعہ ...)

(۱) (راجع، ص: ۳۷۶، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "وکذا الآفاقي لو أراد مجاوزة هذه المواقيت دخول مكة، لا يجوز له أن يجاوزها إلا محرماً، سواء أراد بدخول مكة النسك من الحج أو العمرة أو التجارة أو حاجة أخرى. الخ" (بدائع الصنائع: ...) -

غنیۃ الناسک، ص: ۲۷ میں یہ حیلہ لکھا ہے اور مسئلہ کو زیادہ واضح کر دیا، چنانچہ عبارات متعددہ نقل کر کے لکھا ہے:

"وفی اللطوالع: وذکر اسد میر علی فی حاشیۃ علی الشبی: أن من کان فی خاطرہ أنہ إذا فرغ من بیعہ و شرائہ دخل مکۃ، وجب علیہ الإحرام عند المیقات، لکونہ قاصداً مع دخول جدۃ الحرم، وإن کان قصد دخول جدۃ سابقاً علی قصد دخول الحرم. اھ"(۱)۔

جس شخص کے راستہ میں میقات واقع نہ ہو اس کو میقات کی محاذات سے احرام باندھنا چاہئے، جس کے راستہ میں دو میقات واقع ہوں اس کو میقات ابعد عن الحرم سے باندھنا افضل ہے، اقرب سے بھی درست ہے(۲)۔ اہل ہند کے لئے یلملم کی محاذات سے احرام باندھنا چاہئے (۳)، حرم میں داخل ہونے کے لئے احرام کی ضرورت ہوتی ہے، جدہ حرم سے خارج ہے، لہٰذا جو شخص پہلے مدینہ طیبہ کا قصد کرے، اس کے لئے

= (وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحج: ۲/۵۵۲، رشیدیہ)

(۱) (غنیۃ الناسک، باب المواقیت، فصل الثالث، ص: ۵۵، إدارۃ القرآن کراچی)

(۲) "ومن سلک میقاتاً من هذہ المواقیت، أحرم منه، لما روینا، وإن سلک بین میقاتین فی البحر أو البر اجتهد، وأحرم إذا حاذی میقاتاً منهما، وأبعدهما أولی بالإحرام منه" (تبیین الحقائق، کتاب الحج: ۲/۲۶۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری، فصل فی مواقیت الصنف الأول، ص: ۵۶، مکتبہ مصطفی محمد بیروت)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، الباب الثانی فی المواقیت: ۱/۲۲۱، رشیدیہ)

(۳) "المواقیت التی لا یجوز أن یجاوزها الإنسان إلا محرماً خمسۃ: لأهل المدینۃ ذو الحلیفۃ، ولأهل العراق ذات عرق، ولأهل الشام جحفۃ، ولأهل نجد قرن، ولأهل یمن یلملم ... وکل من قصد مکۃ من طریق غیر مسلوک، أحرم إذا حاذی میقاتاً من هذہ المواقیت. کذا فی محیط السرخسی". (الفتاوی العالمکیریۃ، الباب الثانی فی المواقیت: ۱/۲۲۱، رشیدیہ)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل: وأما بیان مکان الإحرام: ۳/۱۵۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحج: ۲/۵۵۳، رشیدیہ)

یلملم سے احرام ضروری نہیں، بلکہ وہ مدینہ طیبہ سے واپسی پر ذوالحلیفہ سے احرام باندھے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۵/رجب/۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/رجب/۶۶ھ

احرام کے بعد میقات سے خارج ہونا

سوال[۵۱۱۴]: ایک آفاقی شخص میقات پر پہونچ کر احرام پہنتا ہے اور نیت حج یا عمرہ کرتا ہے، مگر بعدہ پہونچ کر احرام کی حالت میں میقات مدینہ ذوالحلیفہ سے بھی باہر ہو کر مدینہ شریف جاتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسے محرم کو جس نے میقات پر پہونچ کر احرام پہنا اور نیت کی ہے قبل حج یا عمرہ دوسری آفاقی میقات سے باہر نکل جانا درست ہے؟ کیا اس پر کوئی کفارہ ہے؟ میقات ہی سے جو اس نے احرام پہنا ہے اس سے تو بظاہر لازم آتا ہے کہ وہ سوائے مکہ کے کہیں نہ جائے، نہ کہ آفاقی میقات سے گزر جائے۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) قرۃ العینین کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ: "جو آفاقی میقات سے باہر کا رہنے والا ہو اگر وہ پہلے مدینہ طیبہ جائے اور اگر راستے کے وقت وہاں کے میقات ذوالحلیفہ سے حج کا احرام باندھ کر حج کرے گا تو جائز ہے کہ وہ آفاقی اپنے میقات یلملم سے احرام نہ باندھے، کیونکہ اس کو اپنے میقات سے گزرنے کے وقت فی الحال حدود حرم میں جانے کا ارادہ نہیں ہے۔" (قرۃ العینین فی زیارۃ الحرمین، فصل: مواقیت احرام حج و عمرہ کے بیان میں، ص: ۳۹، ۴۰، شہزادہ یوسف)

معلم الحجاج میں ہے: "جو آفاقی شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آرہا ہو، اس کو ذوالحلیفہ یعنی بیر علی سے احرام باندھنا چاہئے۔" (معلم الحجاج ص: ۱۰۴، ادارۃ القرآن کراچی)

"(قوله: كمكي يريد الحج، الخ) أما لو خرج إلى الحل لحاجة فأحرم منه ووقف بعرفة، فلا شيء عليه، كالآفاقي إذا جاوز الميقات قاصد البستان، ثم أحرم منه. الخ" (رد المحتار، مطلب: لا يجب الضمان بكسر آلات اللهو: ۲/۵۸۱، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، ما يلزم لمجاوزة الميقات بغير إحرام: ۲/۴۷۶، ادارة القرآن كراچی)

باب القران والتمتع

(حجِ قران وتمتع کا بیان)

حج کی افضل صورت

سوال[۵۱۱۷]: حرم سے باہر رہنے والوں کے لئے حج کی کونسی صورت افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قران افضل ہے، بحر(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مفرد اور قارن کے لئے سعی

سوال[۵۱۱۸]: ۱......مفرد اور قارن کو طواف قدوم میں سعی کرنا چاہیے یا نہیں؟

۲......طواف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یا خلفائے راشدین سے کون سی دعائیں منقول ہیں؟ طواف کرنے والا اپنی زبان میں جو دعا چاہے پڑھے جائز ہے یا نہیں؟

سید شاکر علی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......طواف قدوم میں سعی کرنے کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ طواف کیا جاتا ہے مسجد حرام میں اور

---

(۱) قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى: "هو (أى القران) أفضل، ثم التمتع، ثم الإفراد". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب القران: ۲/۶۲۵، رشيديه)

"القران فى حق الآفاقى أفضل من التمتع والإفراد، والتمتع فى حقه أفضل من الإفراد، وهذا هو المذكور فى ظاهر الرواية، وكذا فى المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع فى القران والتمتع: ۱/۲۳۲، رشيديه)

(وكذا فى رد المحتار، باب القران: ۲/۵۲۹، سعيد)

سعی کی جاتی ہے خارج مسجد صفا ومروہ کے درمیان۔

۲... بہت سی دعائیں ایسے موقع پر پڑھنے کے لئے علماء نے لکھی ہیں، مستقل رسائل بھی تصنیف کئے ہیں، ایک دعا جو حدیث شریف میں آئی ہے یہ ہے: "اللّٰهم إني أسألك العفو والعافية في الدنيا والآخرة، ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار"(۱)۔

یہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پڑھی جاتی ہے، دعاء اپنی زبان میں بھی درست ہے(۲)، لیکن جس شخص کو عربی کی دعاء یاد نہ ہوں اس کے لئے "سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إله إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر ولا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلي العظیم" پڑھنا بہتر ہے، اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، کذا فی شرح سفر السعادۃ، ص: ۲۴۲(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ۔

---

(۱) (نیل الأوطار، باب ذکر اللّٰہ في الطواف: ۵/۱۲۴، مکتبہ عباس أحمد الباز مکۃ المکرمۃ)

(وابن ماجۃ، باب فضل الطواف، ص: ۲۱۲، قدیمی)

(۲) "والدعاء یجوز بالعربیۃ وبغیر العربیۃ، واللّٰہ سبحانہ یعلم قصد الداعي ومرادہ وإن لم یقوم لسانہ، فإنہ یعلم ضجیج الأصوات باختلاف اللغات علی تنوع الحاجات" (مجموعۃ الفتاوی لشیخ الإسلام ابن تیمیۃ، باب صفۃ الصلاۃ: ۲۲/۲۹۶، مکتبۃ العبیکان سعودیہ)

"وظاهر التعلیل أن الدعاء بغیر العربیۃ خلاف الأولی، وأن الکراهۃ فیہ تنزیهیۃ" (رد المحتار، مطلب في الدعاء بغیر العربیۃ: ۱/۵۲۱، سعید)

(۳) (شرح سفر السعادۃ للشیخ عبدالحق الدہلوی، فصل در حج پیغمبر صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ۲۴۲، مطبع نامی منشی نول کشور)

"عن أبي ہریرۃ رضي اللّٰہ تعالیٰ عنہ: أنہ سمع النبي صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "من طاف سبعاً ولا یتکلم إلا سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إله إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر ولا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ، محیت عنہ عشر سیئات، وکتب لہ عشر حسنات، ورفع لہ بہا عشر درجات". رواہ ابن ماجۃ"

(نیل الأوطار، باب ذکر اللّٰہ في الطواف: ۵/۱۲۴، مکتبہ عباس أحمد الباز مکۃ المکرمۃ)

(وابن ماجۃ، باب فضل الطواف، ص: ۲۱۲، قدیمی)

استفتاء متعلق سوال بالا

سوال [۵۱۱۰]: جناب مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی عم فیضہ! سلام مسنون۔

میرے استفتاء کا جواب ملا مگر تشفی نہیں ہوئی۔ میں نے عرض کیا تھا کہ "مفرد و قارن طواف کے بعد سعی کرے یا نہیں؟" آپ نے لکھا ہے کہ "میری سمجھ میں نہیں آیا" حالانکہ موٹی بات ہے، عرض یہ ہے کہ جس طرح متمتع والا طواف کرکے صفا و مروہ جاکر سعی کرتا ہے ان دونوں کو بھی سعی کرنا چاہئے یا نہیں، یہ کب سعی کریں؟ اب یہ عرض بھی ہے کہ مفرد اور قارن طوافِ قدوم میں عمرہ کی نیت کرے یا طوافِ قدوم کی اور مفرد و قارن سعی کب کرے گا؟

سید شاکر علی ولد شاہ [illegible] ضلع فتح پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ دوبارہ اپنے خط کو دیکھئے اس میں لکھا ہے: "مفرد و قارن طواف میں سعی کرے گا یا نہیں؟" یہ موٹی سی بات ہے کہ طواف مسجدِ حرام میں ہوتا ہے اور سعی بین الصفا والمروۃ ہوتی ہے، پھر طواف میں سعی کرنے کا مطلب کیسے سمجھ میں آئے۔ اب آپ نے مطلب کی وضاحت کی ہے، جواب یہ ہے کہ ان دونوں کو بھی طواف کرنے کے بعد صفا و مروہ جاکر سعی کرنا چاہئے، قارن اول عمرہ کے لئے طواف کرتا ہے پھر عمرہ ہی کے لئے سعی کرتا ہے اس کے بعد حج کے لئے طوافِ قدوم کرتا ہے، پھر سعی بھی اسی کے لئے کرتا ہے، درمیان میں حلال نہیں ہوتا، پھر بقیہ ارکانِ حج ادا کرتا ہے اور یوم النحر میں ذبح کے بعد ممنوعاتِ احرام حلال ہوجاتے ہیں، کذا فی مجمع الأنہر (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، [illegible]۔

---

(۱) «فإذا دخل مكة ابتدأ بالعمرة، فطاف للعمرة سبعة أشواط، يرمل في الثلاثة الأولى، ويصلي بعد الطواف ركعتين، ويسعى بين الصفا والمروة، ويهرول بين الميلين الأخضرين، ولا يتحلل، ولو تحلل بأن حلق أو قصر، كان جناية على إحرام الحج وإحرام العمرة؛ لأن تحلل القارن من العمرة إنما هو يوم النحر». (مجمع الأنهر، باب القران والتمتع: ۱/۲۸۸، ۲۸۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى الخانية، فصل في القران: ۱/۳۰۱، رشيدية)

متمتع کا مدینہ طیبہ جانا پھر عمرہ کرنا

سوال [۵۱۲۰]: ۱.. ایک شخص آفاقی اشہرِ حج میں مکہ مکرمہ گیا اور عمرہ ادا کیا، عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا، مدینہ منورہ سے واپسی پر دوسرا عمرہ کیا بلکہ حج کا احرام مکہ سے باندھا۔ کیا اس کا تمتع صحیح ہے یا نہیں؟

۲. اس پر دم تمتع ہے یا نہیں؟

۳. کیا اس پر کوئی دم جبر ہے یا نہیں؟

۴. تمتع پہلے عمرہ یا دوسرے عمرہ سے ادا ہوا؟

۵. آفاقی کے لئے ایک عمرہ سے زائد کرنا اشہرِ حج میں صحیح ہے یا نہیں؟

۶. مدینہ منورہ سے واپسی پر اگر فقط حج کا احرام باندھا تو اس کا تمتع ادا ہوگا یا نہیں؟

۷. کیا اس پر دم جبر ہے یا نہیں؟

۸. آفاقی حاجی کا اشہرِ حج میں میقات سے باہر نکلنا کیسا ہے؟

۹. ان صورتوں میں بہتر کونسی صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"اشہرِ حج میں اگر کوئی شخص عمرہ کرکے مدینہ طیبہ چلا گیا، پھر وہاں سے واپسی کے بعد صرف حج کا احرام باندھ کر آیا تو تمتع صحیح ہوگا، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، بخلاف صاحبین رحمہما اللہ کے، ان کے نزدیک پہلا تمتع باطل ہوگیا، ہاں اگر پھر مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اور پھر حج کرے تو ان کے نزدیک تمتع ہو جائے گا، مگر امام صاحب کے نزدیک ایسا نہ ہوگا"۔ معلم الحجاج ص: ۲۱۸، میں مولانا خیر محمد کے حاشیہ کے حاشیہ نمبر: ۱ سے یہ عبارت لی گئی ہے (۱)۔ اس عبارت سے آپ کے تمام سوالات کے جوابات صراحۃً یا اشارۃً

---

(۱) (وکذا فی الهدایة، باب القران: ۱/۲۵۸، شرکة علمیة ملتان)

(۲) (معلم الحجاج، ص: ۲۵۲، إدارة القرآن کراچی)

(وقرة العیون فی زیارة الحرمین، ص: ۲۹۰–۲۹۳، شہزادہ ٹرسٹ)

(وزبدة المناسک مع عمدة المناسک، ص: ۳۰۹–۳۱۸، سعید)

۸۔ نامناسب ہے۔

۹۔ بہر صورت امام صاحب کے نزدیک یہی ہے کہ مدینہ طیبہ سے قران کا احرام باندھ کر آئے، عبادات میں بر بنائے اختلاف امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنے سے کیا تمتع باقی رہے گا؟

سوال[۱۲۰۱]: ایک شخص جو رمضان سے پہلے مکہ معظمہ جا کر عمرہ کر کے حلال ہو کر مقیم ہوا، اشہر حج وہیں شروع ہوگئے، پھر شوال میں مدینہ منورہ گیا، مدینہ سے واپسی کے وقت بہتر یہ ہے کہ حج کا احرام باندھ کر آئے، لیکن عمرہ کا احرام باندھ کر آنے میں گنجائش ہے، یہ گنجائش خود دونوں صورتوں والوں کے لئے ہے یا فرض ہے؟ اور اجازت دی ہوئی گئی ہے کہ یہ حاجی آفاقی ہے اور حقیقی طور پر مکی نہیں ہے؟ دوسرا عمرہ بعد میں حج تک عمرہ کے احرام سے مکہ معظمہ جا کر حلال ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص نے شہر حج میں عمرہ کرلیا ہے اس کے بعد مدینہ طیبہ میں حاضر ہو، پھر اسی سال حج کر کے وطن واپس ہوگا، امام صاحب کے نزدیک وہ شخص متمتع ہے، اس کو ایک عمرہ کر لینے کے بعد حج سے پہلے مدینہ سے چل کر عمرہ کرنے سے امام صاحب منع فرماتے ہیں، اور صاحبین کے نزدیک مدینہ طیبہ چلے جانے کی وجہ سے اس کا تمتع باطل ہوگیا، اب اگر دوبارہ عمرہ کرے گا تو تمتع صحیح ہوجائے گا۔ جس شخص نے اشہر حج میں عمرہ نہیں کیا اگرچہ اس سے پہلے کیا ہو، وہ مدینہ طیبہ کی زیارت سے فارغ ہو کر جب حج کے لئے آئے اور احرام باندھ کر عمرہ کرلے تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ذی قعدہ/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ذی قعدہ/ ۹۰ھ۔

---

(۱) عبارات مفصل حوالہ جات کے ساتھ دیکھئے: فتاویٰ رحیمیہ: ۳۹۶/۲، دارالاشاعت کراچی

(۲) "فإنه إذا عاد إلى غير أهله، فإن خرج من الميقات، ولحق بموضع لأهله القران والتمتع كالبصرة ..." -

سے تمتع ہوگا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۸/۸۷ھ۔

قارن کے لئے وطن کے اعتبار سے حرم میں قربانی افضل ہے

سوال [۵۱۲۳]: قارن قران کے شکر میں قربانی دینے کے بعد وہ اور بھی قربانی جو اپنے وطن میں کرتا تھا وہاں کرے یا اپنی اولاد کو وطن میں قربانی کرنے کو کہہ دے۔ کون افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی طرف سے اس کی اولاد قربانی کردے گی اس کے کہنے کے مطابق، تو اس کی قربانی درست ہو جائے گی(۲)، لیکن حرم محترم میں قربانی کا اجر بہت زیادہ ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= باب التمتع: ۲/۱۲۵، رشیدیہ)

"المناسبة. واختلفوا فيمن أنشأ عمرة في غير أشهر الحج، ثم عمل لها في أشهر الحج. فقال مالك: عمرته في الشهر الذي حل فيه، يريد إن كان حل منها في غير أشهر الحج، فليس بمتمتع، وإن كان حل منها في أشهر الحج، فهو متمتع، إن حج من عامه". (تفسير القرطبي، (سورة البقرة، آية ۱۹۶): ۲/۲۶۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "أما التمتع فالمعروف أنه الاعتمار في أشهر الحج، ثم التحلل من تلك العمرة، والإهلال بالحج في تلك السنة". (فتح الباري، باب التمتع والقران والإفراد بالحج، وفسخ الحج لمن لم يكن معه هدي: ۳/۵۳۹، قديمي)

(وكذا في نيل الأوطار، باب التخيير بين التمتع والإفراد والقران وبيان أفضلها: ۵/۳۹، مكتبة عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(وكذا في الدر المنتقى شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، باب القران والتمتع: ۱/۲۸۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وكذا لو لم يوص وأمر رجلاً أن يضحي عنه ولم يسم شيئاً فهو جائز". (الفتاوى العالمكيرية: ۵/۳۰۲، كتاب الأضحية، الباب السابع في المتفرقات، رشيدية)

(۳) "وجاءت أحاديث تدل على تفضيل ثواب الصوم وغيره من القربات بمكة إلا أنها في الجرح ثبت —

تعالیٰ عنہما نے اپنے خلافت کے زمانہ میں تمتع پر پابندی لگا رکھی تھی اور قطعاً کسی کو تمتع کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی، لیکن پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تیسرا عمل اساس تمتع کی اجازت دیدی اور لوگوں نے تمتع کیا۔ چنانچہ مذکورہ بالا مفاسد (علاقائیت کے جذبات، تخریب اکرو بندی وغیرہ وغیرہ) امکانات سے فعل میں آگئے، لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف سازشیں کیں اور ان کے خلاف محاذ قائم کیا جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں خود یا صحابہ یا تابعین میں سے کسی نے ان کے علم اور اجازت سے کبھی تمتع نہیں کیا؟ مذکورہ بالا خیال تاریخ، اقوال و آثار و عمل صحابہ کی روشنی میں صحیح ہے؟ اگر صحیح ہو تو اس کی تائیدی روایات، اقوال و آثار صحابہ میں سے کچھ بطور مثال تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

۲... اگر یہ خیال صحیح نہ ہو بلکہ حضرات شیخین کے دور میں تمتع معمول بہ ہوا اور اس پر عدم پابندی، نکیر نہ ہو تو اقوال و آثار صحابہ میں سے بعض کی تائید میں حوالے کے ساتھ نقل فرما کر صحیح رہنمائی فرمائیں۔

۳... حضرات شیخین کے دور میں قران یا افراد کی شکل میں حج ہوتا تھا اور طوافِ زیارت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جبراً دو کرا (حج کے فوراً بعد پیدل کر کے) آفاقی حجاج کرام کو اپنے اپنے وطن واپس کرا دیتے تھے اور مکہ معظمہ میں قیام نہیں کرنے دیتے تھے، چونکہ اب دوا عرصے حلال ہو کر اپنے اصلی لباس اور لباس وغیرہ میں آگئے ہیں، اس لئے کہ کہیں مذکورہ بالا مفاسد پیدا نہ ہوجائیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعض اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حج وعمرہ ایک ساتھ کرنے کو منع فرمایا ہے اس کی تین وجوہ حافظ ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں لکھی ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ حج کی طرح عمرہ بھی مستقل عبادت ہے، اس کے لئے بھی مستقل سفر کیا جائے، جیسے کہ حج کے لئے کیا جاتا ہے، اس کو حج کے ضمن میں ادا کرنے سے اس کی مستقل شان نہیں رہے گی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح اوقات حج میں زائرین وطائفین سے بیت اللہ معمور رہتا ہے اسی طرح غیر اوقاتِ حج میں بھی معتمرین سے معمور رہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حجاج ومعتمرین سب ہی ایک وقت میں نہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق ہے:

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما: لأن اعتمر في شوال أو في ذي القعدة أو في ذي الحجة في شهر يجب علي فيه الهدي أحب إلي من أن أعتمر في شهر لا يجب علي فيه" الخ. احكام القرآن: ۱/۲۸۹(۱)۔

بخاری شریف، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیۃ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا زمانۂ حصار ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں عمرہ کے لئے جانا اور جب قتال کی وجہ سے روک دیئے جانے کا خطرہ ہوا تو حج کو قِران کرنا منقول ہے:

"عن نافع أن سالم بن عبد الله قال له: لو أقمت العام، فإني أخاف أن لا تصل إلى البيت، قال: إذاً أفعل كما فعل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، وقد حال كفار قريش دون البيت، فنحر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم هداياه وحلق وقصر أصحابه، أشهدكم أني أوجبت عمرة، فإن خُلّي بيني وبين البيت طفت، وإن حيل بيني وبين البيت صنعت كما صنع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فسار ساعة، ثم قال: ما أرى شأنهما إلا واحدة، أشهدكم أني قد أوجبت حجة مع عمرتي" الخ. بخاری شریف ص: ۲/۶۰۱(۲)۔

امید ہے کہ اس تفصیل کے بعد اشکال باقی نہیں رہے گا۔

تنبیہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمتع سے منع فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اجازت دی ہے، کما فی احکام القرآن: ۱/۲۸۹(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۵ھ۔

☆...☆...☆...☆...☆

(۱) (احکام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلى الحج: ۱/۲۸۹، قدیمی)

(وکذا في حاشية موطا الإمام مالك، باب ما جاء في التمتع، ص: ۳۵۴، مکتبہ میر محمد کراچی)

(۲) (صحیح البخاری، باب غزوة الحدیبیة، لقول الله تعالى: ﴿لقد رضي الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة﴾ الآية: ۲/۶۰۱، قدیمی)

(۳) "وعن قتادة قال: سمعت جري بن كليب يقول: رأيت عثمان ينهى عن المتعة وعلي يأمر بها" الخ.

(احكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلى الحج: ۱/۲۸۹، قديمي)

باب الحج عن الغیر

(حج بدل کا بیان)

حج بدل

سوال[۵۱۲۷]: جس شخص نے اپنا حج فرض پہلے ادا نہ کیا ہو، وہ دوسرے کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ ہے، بحر: ۲/۷۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۵۱۲۸]: زید کی تجارت اور کاروبار مدراس شہر میں تھا اور اصل مکان اور اہل وعیال مدراس سے ۵۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے، زید مدراس سے ہفتہ عشرہ میں ایک مرتبہ وطن آیا کرتا تھا، اسی اثناء میں زید نے حج کا قصد کیا، حج کی تیاری سے فارغ ہوکر مکان سے رخصت ہوتے ہوئے مدراس پہنچا اور حج کے ٹکٹ بھی خرید لئے، بمبئی کے ریل پر سوار ہونے کے قبل بخار میں مبتلا ہوکر ایک ہفتہ کے عرصہ میں اسی بیماری میں انتقال ہوگیا۔ ایسی صورت میں زید سے فریضۂ حج ساقط ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کا بدل کرانا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "ثم المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ لم یقید الحاج عن الغیر بشیء، فیفید أنہ یجوز إحجاج الصرورۃ: وھو الذی لم یحج أولاً عن نفسہ، لکنہ مکروہ، کما صرحوا بہ، الخ". (البحر الرائق، باب الحج عن الغیر ۲/۱۲۳، رشیدیہ)

(وکذا فی إرشاد الساری، باب الحج عن الغیر، ص: ۳۰۰، مصطفی محمد مصر)

(وکذا فی رد المحتار، باب الحج عن الغیر، مطلب فی حج الصرورۃ، ۲/۶۰۳، سعید)

نے روانہ کریں تو اسکے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص حج کو نہ جاسکے وہ اپنی طرف سے یا کسی میت کی طرف سے حج بدل کو بھیجے تو یہ درست ہے، جس کی طرف سے حج کیا جائے گا اس کا حج ادا ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۱/۱۰ھ۔

والد اور دادا کی طرف سے بغیر وصیت کے حج بدل کرانا

سوال [۵۱۲۰]: ایک شخص حج کے لئے جارہا ہے اور اپنے ساتھ دو شخصوں کو اپنے سرمایہ سے لے جارہا ہے، اس کا خیال ہے کہ ان دونوں سے اپنے والد اور دادا کی طرف سے حج کراؤں مگر والد اور دادا کی طرف سے حج کی کوئی وصیت نہیں ہے۔ محض تبرعاً یہ ان کی طرف سے حج کرارہا ہے تو حج بدل کرانا اپنے والد و دادا کا زیادہ بہتر ہے یا نفل حج اپنی طرف سے کرے بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی طرف سے حج بدل کرا کے والد اور دادا کو ثواب پہونچادے (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۱/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۱/۱۹ھ۔

---

(۱) "فمن عجز عن حج الفرض، فاحج غيره صح حجه، ويقع عنه: أي يقع عن الآمر أصل الحج". (الدر المنتقى شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الحج عن الغير: ۳۰۸/۱، دار إحياء التراث بيروت)

"وفي الحجة: ثم إنما يسقط فرض الحج عن الإنسان بإحجاج غيره إذا كان المُحِج وقت الأداء عاجزاً عن الأداء بنفسه، و دام عجزه إلى أن مات، الخ". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المناسك، الحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراچي)

"وإن أذن له الآمر بذلك: أي بدفع المال إلى غيره عند حصول عجزه، جاز: أي وقوع الحج عنه، أو صار دفع المال إلى غيره ليحج عنه". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، ص: ۲۹۳، مصطفى محمد مصر)

(۲) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة .... أو حجاً أو =

حج بدل میں والدین کی طرف سے قران وغیرہ کی نیت کرنا

سوال[۵۱۳۱]: اپنے والدین کی طرف سے حج بدل کرنے میں عربی میں حج قران کی نیت، طواف کی نیت اور قربانی کے وقت مٹی کی جگہ پر ماں وباپ کا نام لیا جائے، یا صرف یہ کہے کہ اپنے والد بزرگوار کی طرف سے یا اپنی والدہ محترمہ کی طرف سے نیت کررہا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیت تو اصلۃً دل سے ہوتی ہے، زبان سے عربی میں کہے یا اردو میں، ہر طرح درست اور کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا حج بدل میں نام لینا ضروری ہے؟

سوال[۵۱۳۲]: حج بدل میں لبیک پڑھتے وقت جس کی جانب سے حج بدل کیا جاتا ہے اس کا نام بھی لبیک میں لینا ضروری ہے، اگر ضروری ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ پوری تفصیل سے لکھیں اور کس جگہ نیت

= عمرۃ أو غیر ذلک. ۔۔۔ والظاهر أنه لا فرق بین أن ینوي به عند الفعل للغیر أو یفعله لنفسه، ثم یعد ذلک یجعل ثوابه لغیره". (البحر الرائق، باب الحج عن الغیر: ۳/۱۰۵، ۱۰۶، رشیدیه)

"والأصل أن کل من أتی بعبادۃ ما، له جعل ثوابها لغیره وإن نواها عند الفعل لنفسه، لظاهر الأدلة". (الدر المختار، باب الحج عن الغیر: ۲/۵۹۵، ۵۹۶، سعید)

(وکذا في مناسک الملا علي القاري، باب الحج عن الغیر، ص: ۴۴۳، إدارۃ القرآن کراچي)

(۱) "(وینوي النائب عنه) الحج (فیقول: لبیک بحجة عن فلان) ۔۔۔ وإن اکتفی بنیة القلب، جاز. ولو نسي اسمه فنوی عن الآمر، صح". (مجمع الأنهر في شرح ملتقی الأبحر، باب الحج عن الغیر: ۱/۳۰۸، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

"ویشترط نیة الحج عنه، أي عن الآمر فیقول: أحرمت عن فلان ولبیت عن فلان. ولو نسي اسمه فنوی عن الآمر، صح، وتکفي نیة القلب". (الدر المختار، باب الحج عن الغیر، مطلب في الفرق بین العبادۃ والقربة والطاعة: ۲/۵۹۸، سعید)

(وکذا في إرشاد الساري، باب الحج عن الغیر، ص: ۴۹۲، مصطفی محمد مصر)

مامور بالحج کا پہلے مدینہ طیبہ جانا

سوال[۵۱۲۳]: (الف) حج بدل والے کو تمتع کرنے کی علماء منع کرتے ہیں، اب آج کل جہازوں

= (یحج عنه من حیث یبلغ) ...... (ولو أوصی): أی من له وطن (أن یحج عنه من غیر بلده یحج عنه کما أوصی): أی علی وفق ما أوصی به (قرب) أی ذلک المکان الموصی به (من مکة أو بعد) ..... اهـ". (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط)

(وفی إرشاد الساری: "قوله من حیث یبلغ: أقول: فیه أنه لو کان ثلثه لا یسع إلا بأن یحج من مکة، فظاهره جواز ذلک، ویحج به عنه من مکة، لکن من جملة الشروط علی ما سیتفق علیه أن میقات الآمر شرط لجواز ذلک، فلو أحرم المأمور من مکة، لا یصح. وإطلاق المتن هنا یقتضی الجواز، ولم أر من تعرض لذلک، ویمکن أن یجاب عنه بأن ذلک عند الإطلاق، وأما عند التعیین فلا، کما صرح به الشیخ رحمه الله بقوله. ولو أوصی بأن یحج عنه من غیر بلده یحج عنه کما أوصی". (إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری، فصل فی شرائط جواز الحج، ص: ۴۸۳، ۴۸۴، دار الکتب العلمیة بیروت)

"میرا مشورہ یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والا شخص آمر سے ہر قسم کے احرام کی اجازت لے لے اور سب سے پہلے مدینہ طیبہ جاوے، وہاں سے واپسی میں ذی الحلیفہ میقات (ذوالحلیفہ) سے حج افراد کا احرام باندھے، پھر مکہ آجائے اس صورت میں آٹھ روز احرام کی حالت میں رہنا پڑے گا:

"قال الشیخ الإمام أبوبکر محمد بن الفضل رحمه الله تعالی: إذا أمر غیره بأن یحج عنه ینبغی أن یفوض الأمر إلی المأمور، فیقول: حج عنی بهذا المال کیف شئت، إن شئت حجةً، وإن شئت حجةً وعمرةً، وإن شئت قراناً". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة: ۱/۳۰۷، وزبدة المناسک: ۲/۱۵۸)

(وکذا فی فتاوی رحیمیه، کتاب الحج، حج بدل کے متعلق احکامات، حج بدل والوں کو احرام باندھنا ہے؟: ۸/۱۲۸، ۱۲۹، دار الإشاعت کراچی)

(وکذا فی جواهر الفقه: ۱/۵۰۸، مکتبه دار العلوم کراچی)

(وکذا فی أحسن الفتاوی: ۴/۵۲۳، سعید)

(وکذا فی معلم الحجاج، ص: ۲۳۸، إدارة القرآن کراچی)

کے قانون کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ کبھی بہت پہلے جانے کی صورت ہو جاتی ہے۔ اس لئے حج بدل میں جانے والے بعض ذی علم یہ صورت کرتے ہیں کہ پہلے مدینہ منورہ چلے جاتے ہیں اور وہاں سے واپسی میں ذوالحلیفہ سے حج بدل کے لئے افراد کا احرام باندھتے ہیں۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس کے لئے بھی بھیجنے والے کی اجازت ضروری ہے؟

(ب) اسی طرح اگر بھیجنے والے کی اجازت سے حج بدل والا قبل از رمضان جاوے اور بیس پچیس رمضان تک مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر اشہر حج شروع ہونے سے پہلے مدینہ چلا جاوے، پھر ابتدائے ذی الحجہ میں وہاں سے حج بدل کے لئے افراد کا احرام باندھ کر آوے تو جائز ہے یا نہیں؟

شبیر محمود مدنی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) آمر کی اجازت سے ایسا کرنا درست ہے۔

(ب) یہ بھی اجازت سے درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "(إلا من أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث) أي ثلث مال الميت (وإن لم يتسع): أي الثلث (يحج عنه من حيث يبلغ) ... (ولو أوصى) أي من له وطن (أن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما أوصى) أي على وفق ما أوصى به (قرب) أي ذلك المكان الموصى به (من مكة أو بعد) [illegible]". (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط)

(وفي إرشاد الساري: (وقوله: من حيث يبلغ) أقول: فيه أنه لو كان ثلثه لا يسع إلا أن يحج من مكة، فظاهره جواز ذلك، ويحج به عنه من مكة، لكن من جملة الشروط على ما سنقف عليه أن ميقات الآمر شرط لجواز ذلك، فلو أحرم المأمور من مكة لا يصح. وإطلاق المتن هنا يقتضي الجواز، ولم أر من تعرض لذلك، ويمكن أن يجاب عنه بأن ذلك عند الإطلاق، وأما عند التعيين فلا كما سيصرح به الشيخ رحمه الله بقوله: ولو أوصى أن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما لو أوصى". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل في شرائط جواز الحج، ص: ۴۸۳، ۴۸۴، دار الكتب العلمية بيروت)

حج بدل میں تمتع

سوال [۵۱۲۷]: مشہور واعظ حضرت شاہ ولی صوفی مولانا محمد روح الامین صاحب مفتی اعظم جمعیۃ العلماء بنگال جو کہ ایک زبردست اور محقق عالم گذرے ہیں، ان کی تصنیف اردو کتاب مسائل حج ص: ۱۳۰ میں انہوں نے یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ:

"میت یا حی اگر نائب کو پورا اختیار دے دے تو اس کے لئے تمتع کرنا بلاشبہ جائز ہے اور اس سے حج بھی ادا ہو جاتا ہے۔"

مگر حضرت والا کا لکھا ہوا فتویٰ جو کہ "معلم الحجاج" میں مرقوم ہے، اس کے بالکل خلاف معلوم ہوتا ہے (۱)۔

= ما لم يمر به فيبدأ بزيارته لا محالة" (الدر المختار). "قال في شرح اللباب: وقد روى الحسن عن أبي حنيفة أنه إن كان الحج فرضاً، فالأحسن أن يبدأ بالحج، ثم يثني بالزيارة، وإن بدأ بالزيارة جاز. اهـ. وهو ظاهر؛ إذ يجوز تقديم النفل على الفرض إذا لم يخش الفوت بالإجماع" (رد المحتار، كتاب الحج، باب الهدي، مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله تعالى عليه وسلم: ۶۲۷/۲، سعيد)

"قال مشايخنا رحمهم الله تعالى: إنها أفضل المندوبات، وفي مناسك الفارسي وشرح المختار أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة. والحج إن كان فرضاً، فالأحسن أن يبدأ به، ثم يثني بالزيارة، وإن كان نفلاً كان بالخيار" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، خاتمة في قبر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، مطلب زيارة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲۶۵/۱، رشيدية)

"قال مشايخنا رحمهم الله تعالى: من أفضل المندوبات، وفي مناسك الفارسي وشرح المختار: أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة، روى الدار قطني والبزار عنه عليه الصلاة والسلام: "من زار قبري وجبت له شفاعتي". وأخرج الدار قطني أيضاً: "من حج وزار قبري بعد موتي، كان كمن زارني في حياتي". هذا والحج إن كان فرضاً، فالأحسن أن يبدأ به، ثم يثني بالزيارة، وإن كان تطوعاً، كان بالخيار" (فتح القدير، كتاب الحج، مسائل منثورة، المقصد الثالث في زيارة قبر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۹۴/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) حضرت معلم الحجاج میں تحریر فرماتے ہیں:

"آمر کی مخالفت جائز نہیں، اگر آمر نے افراد یعنی صرف حج کا حکم کیا تھا اور مامور نے تمتع کیا تو مخالف ہوگا اور ضمان واجب ہوگا اور حج مامور کا ہوگا، اسی طرح اگر قران کیا تو بھی مخالف ہوگا اور ضمان

بہر کیف جو قابل ترجیح بات ہو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اور بھی بعض حضرات نے اس کو اختیار کیا ہے، لیکن بعض کتب فقہ: شامی، بحر، غنیہ وغیرہ سے وہی راجح معلوم ہوا جو معلم الحجاج میں مذکور ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۲/۶۷ھ۔

= قران کو بھی مخالفت آمر کی مد شمار کیا ہے، حالانکہ قارن کا حج آفاقی ہے مکی:

"فیصیر مخالفاً بالقران أو التمتع، کما مر" (درمختار) "ودم القران والتمتع والجنایة علی الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فیصیر مخالفاً، فیضمن، انتهى" (درمختار ۲/۶۱۱)

ان عبارات سے صاف معلوم ہوگیا کہ اگر حج عن الغیر آمر کی اجازت سے قران یا تمتع کرے تو جائز ہے"۔ (کفایت المفتی، کتاب الحج: ۴/۳۵، ۳۴۶، دار الاشاعت کراچی)

(وکذا فی أحسن الفتاوی، کتاب الحج ۴/۵۲۳، سعید)

(۱) "(وینبغي للآمر أن یفوض الأمر إلی المأمور، فیقول: حج عني): أي بهذا (کیف شئت مفرداً أو قارناً أو متمتعاً) فیه أن هذا القید سهو ظاهر، إذ التفویض المذکور في کلام المشایخ مقید بالإفراد والقران لا غیر، ففي الکبیر: قال الشیخ الإمام أبوبکر محمد بن الفضل: إذا أمر غیره أن یحج عنه، ینبغي أن یفوض الأمر إلی المأمور، فیقول: حج عني بهذا کیف شئت، إن شئت حجة، وإن شئت فاقرن. والباقي من المال وصیة له لکي لا یضیق الأمر علی الحاج، ولا یجب علیه الرد إلی الورثة، انتهی کلامه.

وقد سبق أیضاً أن من شرط الحج عن الغیر أن یکون میقاتیاً آفاقیاً وتقرر أن بالعمرة ینتهي سفره إلیه ویکون حجه مکیاً. وأما ما في قاضیخان من التخییر بحجة أو عمرة وحجة أو بالقران، فلا دلالة علی جواز التمتع، إذ الواو لا تفید الترتیب، فیحمل علی حج وعمرة بأن یحج أولاً عنه، ثم یأتي بعمرة أیضاً عنه؛ فإنه مرجح خطیر". (المسلک المتقسط في المنسک المتوسط)

في إرشاد الساري "(قوله: إن هذا القید سهو ظاهر) قال القاضي عبد في شرحه لهذا الکتاب:

ایضاً

سوال [۵۱۴۸]: جیسا کہ معلم الحجاج میں ہے کہ "اگر زندہ ہو اور اس کی طرف سے تمتع کی اجازت ہو تو کر سکتا ہے"۔ اور یہ کہ معلم الحجاج میں اس مسئلہ سے کوئی تعرض نہیں، وہ مسئلہ وصیت کرنے کی صورت میں ہے۔ اب حضرت والا مزید اطمینان کے لئے تحریر فرمائیں۔ مولانا سعید احمد خان صاحب نے یہ جواب دیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

معلم الحجاج میں حج بدل کے مسائل کے تحت یہ تشریح وتفصیل نہیں ہے کہ: "اگر زندہ ہے تو یہ حکم ہے، مر گیا ہے تو یہ حکم ہے"، بلکہ مطلقاً حج بدل میں تمتع کو منع کیا ہے اگرچہ آمر کی طرف سے اجازت ہو، حتی کہ حاشیہ معلم الحجاج میں ص: ۲۰۸ میں تصریح کی ہے:

"حج بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لئے تمتع کر کے اس کے حج کو خراب نہ کرنا چاہئے اور اس کو چاہئے کہ حج بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کر دے کہ تمتع نہ کرے"(۱)۔

ظاہر عبارت سے تو یہ استفادہ ہوتا ہے کہ آمر زندہ ہے، اگر زندہ نہ بھی ہو تب بھی اس کے امر کے بعد مر گیا ہو تو اس کے امر کی پابندی دونوں حالت میں مامور کو لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۸۹ھ۔

= ولا يخفى أن هذا سهو منه، لأن الميت لو أمره بالتمتع فتمتع لمأمور صح، ولا يكون مخالفاً بلا خلاف بين الأئمة الأسلاف فيدبر". (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع إرشاد الساري، فصل في النفقة، ص: ۵۰۳، ۵۰۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (معلم الحجاج، ص: ۲۳۸، إدارة القرآن كراچی)

"تنبیہ: بعض کی احتیاط اس میں ہے کہ حج بدل میں تمتع نہ کیا جاوے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے"۔ (زبدة المناسك مع عمدة المناسك، ص: ۳۵۹، سعيد)

(وكذا في جواهر الفقه: ۱/۵۱۱، دار العلوم كراچی)

ایضاً

سوال [۵۱۰۹]: ایک شخص حج کے لئے جا رہا ہے اور اپنے ساتھ والدین کی طرف سے بغیر وصیت کئے ہوئے حج بدل کے لئے دو شخصوں کو اپنے خرچ سے لے جا رہا ہے، یہ دونوں شخص اگر حج بدل کریں بغیر کسی وصیت کے تو کیا ان کے لئے یلملم ہی سے احرام باندھنا ضروری ہے؟ اگر یہاں سے احرام باندھا جائے تو بڑا لمبا زمانہ احرام کا ہو جائے گا، اس کی پابندیوں کا نبھانا مشکل ہے۔ اگر یہ دونوں جدہ سے مدینہ پاک سیدھے چلے گئے تو بھی جس مقصد کے لئے ان کو ساتھ لیا ہے، وہ فوت ہو جائے گا اور سب رفقاء کو سیدھے مدینہ جانا مشکل ہے۔ تو کیا اس کی گنجائش ہے کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھیں اور مکۃ المکرمہ جا کر عمرہ کے ارکان سے فارغ ہو کر احرام کھول دیں، اور حج کا احرام یہ دونوں شخص جدہ آ کر باندھیں؟

مولانا منظور نعمانی نے "الفرقان" کے شعبان ۸۹ھ دسمبر ۶۹ء کے پرچہ میں اپنی رائے اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور دوسرے حضرات کی رائے بھی نقل کی ہے کہ "ہندوستان و پاکستان سے آنے والے حضرات کے لئے جدہ میں احرام باندھنا صحیح ہے، اس سے پہلے جہاز میں احرام باندھنا ضروری نہیں ہے، وہاں سے یلملم کی محاذات ایسی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے احرام ضروری ہو"۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اگر جدہ سے احرام باندھنا صحیح ہو تو یہ آمر کی میقات ہو جائے گی تو کیا اس میں یہ گنجائش ہے کہ روپیہ دینے والے کی اجازت سے یہ تمتع کا احرام باندھیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"الفرقان" کی اس تحقیق کے بغیر بھی نفل حج بدل میں (بلا وصیت) تمتع کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "الرابع عشر عدم المخالفة، فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع ولو للميت، لم يقع عنه ويضمن النفقة ... وهذه الشرائط كلها في الحج الفرض. وأما النفل، فلا يشترط فيه شيء منها إلا الإسلام والعقل والتمييز". (رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/[illegible]، سعيد)

حج بدل میں افراد ہو یا قران؟

سوال[۵۱۴۰]: ۱... حج بدل اگر میت کی طرف سے کیا جائے جب کہ اس نے حج کی قسم سے کسی قسم کا تعین نہ کیا ہو تو کون سی صورت مناسب ہے؟

۲... اگر حج بدل میں افراد کرنا ہو تو رمضان المبارک سے قبل والے جہاز سے روانہ ہو کر پھر ایام حج میں حج کا احرام میقات سے باندھنا کیسا ہے؟

۳... بمبئی سے جدہ اور جدہ سے مدینہ منورہ احرام کے بغیر جا کر پھر ایام حج میں حج بدل کے لئے افراد کا احرام باندھ کر آنا کیسا ہے؟

۴... حج بدل میں تمتع اور قران کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟ تمتع کی کوئی صورت جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... افراد کیا جائے (۱)۔

= (وكذا في المسلك المتقسط على المنسك المتوسط، فصل في شرائط جواز الاحجاج، ص: ۴۹۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"(وأما في الحج النفل فلا يشترط فيه شيء، إلخ) قال العلامة الرافعي في تقريره على رد المحتار: "الاقتصار على ما ذكر من المستثنيات ظاهر فيما إذا حج عن غيره تطوعاً بلا أمر، أما إذا كان بأمر ومال، فينبغي أن يشترط عدم المخالفة أيضاً، والإنفاق من مال المحجوج عنه ليحصل له ثواب الإنفاق، إلخ" (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري على هامش المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ص: ۴۹۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تقريرات الرافعي على رد المحتار، باب الحج عن الغير: ۳/۱۵۸، سعيد)

(وكذا في جواهر الفقه: ۱/۵۰۸، مكتبه دار العلوم كراچي)

(وكذا في فتاوى رحيميه: ۸/۱۴۲، ۳۱۳، ۳۱۲، دار الاشاعت كراچي)

(۱) "(الثالث عشر عدم المخالفة، فلو أمره بالإفراد) أي للحج أو العمرة (فقرن): أي عن الآمر، فهو مخالف ضامن عند أبي حنيفة، وعندهما يجوز ذلك عن الآمر استحساناً. وأما لو نوى بأحدهما عنه أو عن غيره، والآخر عن الآمر فهو مخالف ضامن إجماعاً، كذا في المحيط ... (أو تمتع): أي =

ایضاً

سوال[۵۱۴۲]: زید مالدار ہے، حج اس پر فرض ہے، لیکن آنت اترنے کا عارضہ ہے اور یہ دائمی ہے، آنکھوں کی روشنی بھی کم ہے، زید چاہتا ہے کہ حج بدل کرالیا جائے۔ اب آپ فرمایئے کہ ایسی صورت میں زید کا حج بدل ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مرض کی وجہ سے زید خود جا کر ارکانِ حج ادا نہیں کرسکتا تو اس کے لئے درست ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر حج بدل کرالے، لیکن اگر زید پھر خود حج کرنے کے قابل ہو گیا تو خود کرنا لازم ہوگا، یہ حج بدل کافی نہیں ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۸۹ھ۔

= الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۲/۵۹۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الحج عن الغير: ۱/۵۵۴، دار المعرفة بيروت)

(ومعلم الحجاج، ص: ۳۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "وفي الذخيرة: ثم إنما يسقط فرض الحج عن الإنسان بإحجاج غيره إذا كان المحجوج وقت الأداء عاجزاً عن الأداء بنفسه، ودام عجزه إلى أن مات. أما إذا زال عجزه بعد ذلك، فلا يسقط عنه حج الفرض ... رجل أحج رجلاً وهو مريض، فلم يزل مريضاً حتى مات، فهو جائز عن حجة الإسلام، وإن صح، لايجزيه عن حجة الإسلام". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المناسك، الحج عن الغير: ۲/۵۰۳، إدارة القرآن كراچی)

"(قوله: حتى تشترط الإعادة بزوال العذر) أي العذر الذي ترجى زواله كالحبس والمرض، بخلاف نحو العمى، فلا إعادة لو زال على ما يأتي". (رد المحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۲/۵۹۸، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحج عن الغير: ۱/۳۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

حج بدل کے بعد عذر زائل ہوگیا تو دوبارہ حج فرض نہیں

سوال [۵۱۲۲]: اگر کوئی نابینا شخص قائد نہ ملنے کی وجہ سے حج بدل کرائے اور بعد کو قائد میسر آجائے تو کیا صاحبین کے قول کے مطابق دوبارہ حج ادا کرنا فرض ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابینا نے اگر حج بدل کرادیا، پھر اس کا عذر زائل ہوگیا، مثلاً بینائی آگئی، تب بھی اس کے ذمہ اپنا حج خود کرنا لازم نہیں، قائد ملنے کا مسئلہ بھی اسی سے واضح ہوگیا:

"هذا: أي اشتراط دوام العجز إلى الموت إذا كان العجز كالحبس والمرض يرجى زواله: أي يمكن. وإن لم يكن كذلك كالعمى والزمانة، سقط الفرض بحج الغير عنه، فلا إعادة مطلقاً، سواء استمر به ذلك العذر، أم لا. اهـ". در مختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۹/ ۹۳ھ۔

میت کی طرف سے بلا وصیت حج بدل

سوال [۵۱۲۳]: "تکمیل الحبور ترجمہ شرح الصدور" میں منجملہ چند احادیث کے ایک حدیث کا یہ مضمون ہے: "بزار اور طبرانی نے بسند حسن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا، انہوں نے حج اسلام یعنی حج فرض ادا نہیں کیا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ: "مجھ کو بتا کہ اگر تیرے باپ کے ذمہ کسی

---

(۱) (الدر المختار، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۲/ ۵۹۹، سعيد)

"والعجز الدائم إلى الموت، لأنه فرض العمر حتى تلزمه الإعادة بزوال العذر إن كان يرجى زواله، وإن لم يرج كالأعمى والزمانة يجب عليه الإحجاج، كما في القهستاني عن المحيط. ولا يعيد مطلقاً، كما في البحر عن المحيط". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحج عن الغير ۱/ ۳۰۷، ۳۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/ ۳۰۹، فصل في الحج عن الميت، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/ ۱۰۸، رشيديه)

کا قرضہ ہوتا، کیا اس کی جانب سے تو ادا کرتا؟" تو اس نے عرض کیا کہ ہاں ضرور ادا کرتا۔ آپ نے فرمایا کہ "یہ بھی تو اس کے ذمہ قرض ہے، سو تو اس کو ادا کر"(۱)۔ تو بھی کئی حدیثیں اس قسم کی ہیں۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص اتنا سرمایہ چھوڑ کر مرے جس سے حج ادا ہو سکتا ہے تو اس کے ورثاء کو لازم ہے کہ اس کے ترکہ سے پہلے اس کا قرض ادا کرے، چونکہ حج بھی جس پر فرض ہو گیا ہے قرض ہی میں داخل ہے، لہذا اس کو بھی ادا کیا جائے، اس کے بعد جو بچے اس کو ورثہ حسب حصہ تقسیم کر لیں۔

حقیر کو اس میں یہ تشویش ہو رہی ہے کہ یہاں پٹواری کا ترکہ جو کئی ہزار روپیہ کی مالیت تھی، باوجود اس کے بغیر اس کی طرف سے حج ادا کرائے سب ورثاء نے آپس میں تقسیم کر لیا تو ان کی حق تلفی کی گئی، اس کے سوا بہت سی جگہ ایسا معاملہ ہوا اور ہوتا رہتا ہے کہ قرضہ تو قرض خواہوں کی طلب پر ادا کر دیا جاتا ہے، لیکن حج مردہ کا کوئی نہیں کراتا۔ اس کا مواخذہ ورثہ سے ہوگا یا کس کو؟ جواب صواب سے ممنون فرمایا جاوے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کی طرف سے حج کرانا اس وقت واجب ہے جب کہ اس نے وصیت کی ہو، وہ بھی ایک ثلث ترکہ سے، بغیر وصیت واجب نہیں، اگر بغیر وصیت کوئی وارث اپنے حصے سے حج ادا کرادے یا اپنی طرف سے اپنے مال سے ادا کرادے تو امید ہے کہ وہ میت مواخذہ سے بری ہو جائے، حدیث کا مطلب یہی ہے کہ میت کو مواخذہ سے بچانے کے لئے حج ادا کر دو، یہ مطلب نہیں کہ اگر حج نہیں کرو گے تو تم سے مواخذہ ہوگا اور ترکہ تقسیم کرنا ناجائز ہوگا، اگر آپ کے چچا نے وصیت نہیں کی تو آپ پر مواخذہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ۔ صحیح: عبد اللطیف، [illegible] ۶۳ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه: أن رجلاً سأل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: هلك أبي ولم يحج، قال: "أرأيت لو كان على أبيك دين أكنت تقضيه عنه؟" قال: نعم، قال: فاحجج عنه". (سنن الدار قطني، كتاب الحج: ۲/۲۶۰، دار نشر الكتب الإسلامية لاهور)

(۲) "ومن مات وعليه فرض الحج ولم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حج، وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالى". (التاتارخانية، كتاب المناسك، الوصية بالحج: ۲/۵۴۳، إدارة القرآن كراچي)

والد مرحوم کی طرف سے حج بدل

سوال [۵۰۴۵]: زید کے والد مرحوم پر حج فرض تھا مگر نادانی اور غفلت کی وجہ سے فریضۂ حج ادا نہیں کرسکے، یہاں تک کہ ان پر ایسا بھی وقت آگیا کہ وہ بہت مقروض ہوگئے اور مقروض ہوکر انتقال کرگئے اور حج کی کوئی وصیت نہیں کی۔ وصال کے بعد زید نے والد مرحوم کا سب قرض ادا کردیا، اب ان کے دل میں خیال گزرا کہ والد مرحوم کی جانب سے حج بدل کرادے اور اس فریضہ سے بھی ان کو سبکدوش کردے، مگر اب زید پر بھی حج فرض ہے اور نقد روپیہ اتنا نہیں کہ خود بھی حج کے لئے جائے اور والد کا حج بدل بھی کرادے۔ تو اب مقدم کس کو کرے، خود کو یا والد مرحوم کو؟ جس کو مؤخر کرے اس کے لئے قرض لے کر حج کرائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں، کیا حکم ہے؟

نیز اس کے والد کا معیارِ زندگی بہت بلند تھا، اب زید چاہتا ہے کہ والد کے حج بدل کے لئے کسی ایسے شخص کو بھیجے جس کا معیارِ زندگی والد سے پست ہو، تاکہ سستے خرچ میں حج ہوجائے، تو کیا ایسا کرنے سے اس کے والد کا حج بدل درست ہوجائے گا اور وہ عند اللہ سبکدوش ہوسکیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد نے حج بدل کی وصیت نہیں کی تو ان کی طرف سے حج بدل کرانا فرض نہیں (۱) اور خود زید کے ذمہ

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن الغير: ۳/۲۹۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، فصل: اعلم أنه إذا حج المأمور فأصل الحج يقع عن الآمر، ص: ۴۰۳، مكتبة مصطفى محمد مصر)

(۱) "من مات وعليه فرض الحج ولم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حج، وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالى". (اللباب مع شرحه، كتاب المناسك، باب الوصية بالحج، ص: ۳۲۵، إدارة القرآن كراچي)

"وإن لم يوص به حتى مات، ثم تطوعت الورثة عن ... حتى لا يلزم الوارث الحج عنه من تركته ... وإن أحب الوارث أن يحج عنه حج، وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالى الخ" (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن الغير: ۳/۲۹۱، دار الكتب العلمية بيروت)

حج فرض ہے، لہٰذا اپنا حج فرض اول ادا کرے(۱)، پھر اگر وسعت ہو تو والدہ کی طرف سے بھی حج ادا کرادے، ان کو بھی ثواب پہونچ جائے گا، جس معیار کے آدمی سے جس قدر روپیہ بھی خرچ کرکے حج ادا کرادے گا اسی قدر ثواب پہونچ جائے گا۔ اگر انہوں نے وصیت کی ہوتی تو ادائے فرض کا حکم کیا جاتا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بیوی کو اپنے حج سے پہلے حج بدل کرانا

سوال [۵۱۰۶]: میں اپنی مرحوم بیوی کے ساتھ ایک مرتبہ حج کرچکا ہوں، اب دوبارہ اپنی موجودہ بیوی کے ساتھ حج کا ارادہ ہے، لیکن بیوی کو حج بدل میں بھیجنے کا ارادہ ہے اور اس نے اب تک حج نہیں کیا ہے۔ میں نے اس کے نام کرنے کے لئے پانچ ہزار روپے کے شیئر لکھ دیئے ہیں۔ پانچ ہزار روپے کے شیئر کا جو بیان

= (وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، فصل: اعلم أنه إذا حج المأمور، أصل الحج يقع عن الآمر، ص: ۳۰۲، مكتبه مصطفى محمد مصر)

(۱) "فدل أنه لا يجوز الحج عن غيره قبل أن يحج عن نفسه، ولأن حجه عن نفسه فرض عليه، و حجه عن غيره ليس بفرض، فلا يجوز ترك الفرض بما ليس بفرض" (بدائع الصنائع، فصل في الفروض لبيان الحرم، كتاب الحج: ۳/۲۰۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"إن حج الصرورة عن غيره إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد و الراحلة و الصحة، فهو مكروه كراهة تحريم؛ لأنه تضيق عليه في أول سني الإمكان، فيأثم بتركه" (رد المحتار، مطلب في حج الصرورة: ۲/۶۰۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۳، رشيديه)

(۲) "وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، و يجب أن يحج عنه؛ لأن الوصية بالحج قد صحت، و إذا حج يجوز عنه باستجماع شرائط الجواز". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوت الحج عن العمر: ۳/۲۹۴، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، و إذا حج عنه يجوز عندنا باستجماع شرائط الجواز". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج: ۱/۲۵۸، رشيديه)

فرض ہوگا یا نہیں؟ حج بدل کرنے والا مالک کی اجازت سے مکہ مکرمہ پہونچ کر کسی دوسرے کو وہ حج بدل کرنے کو کہہ کر پھر خود اپنا حج کرسکتا ہے یا نہیں؟ مالک یعنی بھیجنے والے نے صرف یہی کہا کہ مرنے والے کے لئے حج بدل کو تم کو بھیج رہا ہوں، یہ روپے ہیں، میرے باپ کا حج ادا ہونا چاہئے، اب تم کیسے بھی کرو۔ یہ مالک کی طرف سے اجازت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غریب آدمی (جس پر حج فرض نہیں) اگر دوسرے کے روپے سے حج بدل کے لئے جائے تو اسی کی طرف سے حج ادا کرے، وہاں پہونچ کر کسی اور کو حج بدل کے لئے تجویز کرکے اپنا حج نہ کرے(۱)، وہاں حج بدل کے لئے پہونچ جانے کی وجہ سے خود اس غریب کے ذمہ حج فرض نہیں ہوجائے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۲ھ۔

---

(۱) "وإذا مرض المأمور بالحج في الطريق ليس له دفع المال إلى غيره ليحج ذلك الغير عن الميت، إلا إذا أذن له بذلك بأن قيل له وقت الدفع: اصنع ما شئت، فيجوز له ذلك مرض أو لا؛ لأنه صار وكيلاً مطلقاً". (الدر المختار)

"لايمكنه الحج عن نفسه؛ لأن سفره بمال الآمر فيحرم عن الآمر، ويحج عنه، الخ".

(رد المحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ۲/۶۰۳، سعید)

"وليس للمأمور أن يأمر غيره بما أمر به عن الآمر وإن مرض في الطريق، إلا أن يكون وقت الدفع قيل له: اصنع ما شئت، فحينئذ له أن يأمر غيره به وإن كان صحيحاً". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۱۳، رشیدیہ)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الحج: ۱/۱۲، مكتبه تاجران كتب ارگ بازار قندهار)

(۲) "ويجوز إحجاج الصرورة، ولكن يجب عليه عند رؤية الكعبة الحج لنفسه ..... (أقول:) وقد ألف سيدي عبد الغني النابلسي رسالةً في ذلك، جنح فيها إلى عدم الوجوب". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الحج: ۱/۱۲، مكتبه تاجران كتب ارگ بازار قندهار)

قلت: وقد أفتى بالوجوب مفتي دار السلطنة العلامة أبو السعود، وتبعه في منسك الأنهر۔

حج بدل میں روپیہ مامور کو دیں یا اپنے پاس رکھے؟

سوال [۵۰۰۸]: ایک شخص خود حج کرنے جارہا ہے اور دو شخصوں کو اپنے والدین کی طرف سے حج بدل کرانے لے جارہا ہے تو اخراجات کے لئے روپیہ ان کو دینا زیادہ بہتر ہوگا یا اپنے پاس رکھ کر ان کی ضروریات میں خرچ کرنا؟ ان کو ہر ہر چیز کا پھر حساب بھی مشکل ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ اعتماد ہو کہ وہ روپیہ حفاظت سے رکھیں گے اور بے محل خرچ نہیں کریں گے اور مقصود وصیت بھی فوت نہیں ہوگا تو ان کو دیدینا بہتر ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۰ھ۔

حج صرورہ

سوال [۵۰۰۹]: ایک شخص کا انتقال ہوگیا یا مرض الموت میں مبتلا ہے جس پر حج فرض تھا، اگر وہ

= وكذا أفتى به السيد أحمد دحلان، وألف فيه رسالة، وأفتى سيدي عبد الغني النابلسي بخلافه، وألف فيه رسالة: لأنه في هذا العام لا يمكنه الحج عن نفسه، لأن سفره بمال الآمر، فيحرم عن الآمر ويحج عنه، وفي تكليفه بالإقامة بمكة إلى قابل ليحج عن نفسه ويترك عياله ببلده حرج عظيم، وكذا في تكليفه بالعود وهو فقير حرج عظيم أيضاً". (رد المحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ۲/۶۰۳، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، ص: ۳۰۰، مصطفى محمد مصر)

(۱) "فإذا عرف ذلك فللمأمور بالحج أن ينفق على نفسه بالمعروف ذهاباً وإياباً ومقيماً من غير تبذير ولا تقتير، الخ". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۱۵، رشيدية)

زبدۃ المناسک میں ہے کہ "حج ادا ہو جانے کے بعد دوسرے شخص کا اسراف کردہ بچا ہوا کرے وہ خرچ والا اسی کو دے دے اور جانے والا اس کے خرچ سے سوا دور کر کچھ نہ کرے"۔ (زبدۃ المناسک، ص: ۲۴۸، سعید)

حج کرانا چاہے۔ تو کیا ایسے شخص کے ذریعہ کراسکتا ہے کہ جس نے قبل اس کے کسی قسم کا حج نہ کیا ہو مگر اس پر حج فرض نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تندرستی میں حج فرض ہوا تھا اور پھر بیمار ہوگیا حج نہیں کرسکا اور اس نے وصیت بھی کی ہے، نیز ترکہ میں اتنی گنجائش بھی ہے کہ ثلث مال سے حج کرایا جاسکے تو اس کی طرف سے حج کرانا ضروری ہے اور بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کے ذریعہ حج کرایا جائے جس نے پہلے حج کرلیا ہو، اگر اس نے پہلے اپنا حج نہیں کیا تو اس کو حج کرانا مکروہ ہے:

"یجوز إحجاج الصرورة، و یراد به الذي لم یحج عن نفسه حجة الإسلام. قال في البدائع: إلا أن الأفضل أن یکون قد حج عن نفسه؛ لأنه بالحج عن غیره یصیر تارکاً إسقاط الفرض عن نفسه، فیتمکن في هذا الإحجاج ضرب کراهة، و لأنه أعرف بالمناسك و أبعد عن محل الخلاف، فکان أفضل. اهـ". غنیة (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (غنیة المناسك، باب الحج عن الغیر، فصل فیما لیس من شرائط النیابة في الحج، ص: ۳۲۷، إدارة القرآن کراچی)

"لم المصنف لم یقید الحاج عن الغیر بشيء، فیفید أنه یجوز إحجاج الصرورة، و هو الذي لم یحج أولاً عن نفسه، لکنه مکروه کما صرحوا به، و اختار في فتح القدیر أنها کراهة تحریم، للنهي الوارد في ذلك. و في البدائع: یکره إحجاج المرأة والعبد والصرورة. و الأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسك الذي حج عن نفسه، و هو یدل أنها کراهة تنزیه. الخ". (البحر الرائق، باب الحج عن الغیر: ۳/۱۲۳، رشیدیه)

(وکذا في إرشاد الساري، باب الحج عن الغیر، ص: ۳۰۰، مصطفی محمد مصر)

(وکذا في رد المحتار، باب الحج عن الغیر، مطلب في حج الصرورة: ۲/۶۰۳، سعید)

(وا لتاتار خانیة، کتاب المناسك، الحج عن الغیر: ۲/۵۶۳، إدارة القرآن کراچي)

بیوی پر حج فرض ہونے کے باوجود کسی سے اس کا حج بدل کرانا

سوال[۵۰۱۵]: رواج ہے کہ حج میں جاکر کسی شخص کو سو روپیہ دے کر حج بدل کراتے ہیں اپنی زوجہ کی طرف سے جس پر بھی حج فرض تھا، لیکن زوج زوجہ کو اپنے ساتھ لے جانے میں راضی نہیں ہوا اور کہا کہ میں تیری طرف سے بھی حج کراؤں گا یعنی سو روپیہ دیکر کسی غیر کی طرف سے افعالِ حج ادا کرانے سے حج کا ثواب ملتا ہے اور فرضیتِ حج ساقط ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح فریضۂ حج ادا نہیں ہوگا(۱)۔ سو روپیہ اگر کسی مستحق کو دیئے ہیں تو صدقہ دینے کا ثواب مل جائے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مکتب میں پیسہ دینے کا ثواب زیادہ ہے یا حج بدل کا؟

سوال[۵۰۱۶]: میری والدہ پر حج فرض نہیں تھا اور وہ اس کی بہت زیادہ خواہشمند تھیں، مگر ان کا انتقال ہوگیا، میں ان کو ثواب پہونچانے کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں تو حج بدل کرنے میں زیادہ ثواب ملے گا یا

(۱) "تقبل النيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت". (الدر المختار، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۲/۵۹۹، سعید)

"ولجواز النيابة في الحج شرائط: منها أن يكون المحجوج عنه عاجزاً عن الأداء بنفسه وله مال، فإن كان قادراً على الأداء بنفسه بأن كان صحيح البدن وله مال، لا يجوز حج غيره عنه". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ۱/۲۵۷، رشیدیہ)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۳۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب، فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبها كما يربي أحدكم فلوه حتى تكون مثل الجبل" متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب فضل الصدقة، الفصل الأول، ص: ۱۶۷، قدیمی)

ایک سسکتے ہوئے مکتب کی مدد کرنے میں جس مکتب کے بند ہوجانے کا اندیشہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ میت کے ذمہ حج فرض نہیں تھا اور ان کو ثواب پہونچانا مقصود ہے تو جس مکتب میں بچوں کو دینی تعلیم دی جاتی ہے اور وہ مکتب ضرورت مند بھی ہے تو وہاں روپیہ دے کر مکتب کو سنبھالنے اور ترقی دینے میں ثواب زیادہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۵/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۵/۸۹ھ۔

حج بدل کے لئے دی ہوئی رقم اگر کمپنی ضبط کرلے تو مامور پر ضمان نہیں

سوال [۵۱۵۱]: زید فرض حج ادا کر چکا ہے، عمر اپنے کسی عزیز کی طرف سے زید کو حج بدل کرانے کو تیار ہوگیا اور رقم بھی دی، مگر عمر سے پہلے بکر نے بھی زید کو حج بدل کرانے کے لئے تجویز کیا تھا، اتفاق وقت کہ بکر تو پہلے اس ارادے سے پلٹ گیا اور عمر بھی اس فریضہ سے پلٹ گیا، زید قانونی مجبوری کی وجہ سے حج کو نہ جاسکا اور بھیجنے والوں کے دل بھی بدل گئے۔ بہرحال عمر اپنی دی ہوئی رقم کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے، زید ملک دینے کی سکت نہیں، یہ جواب دے دیا کہ جو رقم داخل کمپنی کی گئی ہے واپس آجائے تو ادا کردوں گا، لیکن عمر کو یہ شک ہے کہ کمپنی اس روپیہ کو ضبط بھی کرگئی ہے تو اگر یہ تنقیطی عمل میں آگئی تو زید کے ذمہ ادائیگی ساقط ہوجائے گی یا باقی رہے گی؟

---

(۱) "وجمع في البزازية أفضلية الحج حيث قال: الصدقة أفضل من الحج تطوعاً ... وإذا كان الفقير مضطراً". (رد المحتار، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة: ۲/۴۲۱، سعيد)

"قلت: قد يقال: إن صدقة التطوع في زماننا أفضل لما يلزم الحاج غالباً من ارتكاب المحظورات، ومشاهدته للفواحش والمنكرات، وشح عامة الناس بالصدقات، وتركهم الفقراء". (البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب الحج: ۲/۵۴۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، المناسك، المتفرقات: ۲/۵۴۷، إدارة القرآن كراچی)

۴......اگر جمع شدہ رقم حج بدل والی زید اپنی ضروریات میں لانے کا حقدار نہ ہو تو وہ رقم کس استعمال میں لاسکتا ہے؟ کیا دینی مدرسہ میں دینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کس مد میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۴...... اگر والد مرحوم نے اپنی طرف سے حج بدل کرانے کی وصیت نہیں کی تھی، بلکہ زید خود ہی ان کی طرف سے حج بدل کرانے کی نیت کر چکا ہے اور اس مقصد کے لئے روپیہ رکھ ہوا ہے تو محض اس نیت کی وجہ سے حج بدل کرانا واجب نہیں ہوا، زید اس روپیہ کا مالک ہے، اس کو اختیار ہے کہ کسی بھی دینی کام میں لگا کر والد کو ثواب پہونچا دے، مثلاً: کسی مسجد کی تعمیر، پانی وغیرہ کا انتظام، یا دینی مدرسہ کی تعمیر، طلبہ کی خوراک، پوشاک یا دینی کتب خرید کر وقف، یا غریب بچوں کی پرورش، یا بیواؤں کی ضروریات میں خرچ کر دے، ضرورت ہو تو اپنے ذاتی کام میں بھی صرف کرسکتا ہے، بہنوئی وغیرہ اقرباء کو بھی دے سکتا ہے(۱)۔

بہنوئی صاحب کا اس روپیہ کو جو کہ درخواست فارم وغیرہ کے لئے دیا گیا تھا کسی دوسرے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں، بھتیجے کو تجارت کے لئے دینا بھی جائز نہیں، یہ خیانت ہے(۲)، ان کو لازم ہے کہ وہ زید کو روپیہ واپس کردیں اور اس سے معافی طلب کریں تاکہ دنیا وآخرت میں بری الذمہ ہوسکیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) لقول العلامة ابن عابدین: "لأن الملک ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص، کما فی التلویح". (رد المحتار، باب البیع الفاسد، مطلب فی تعریف المال: ۵۱/۵، سعید)

"والحاصل أن القیاس فی جنس هذه المسائل أن یفعل المالک ما بدا له مطلقاً، لأنه متصرف فی خالص ملکه". (رد المحتار، باب: هذه مسائل شتی، مطلب: اقتسموا داراً وأراد کل منهم فتح باب، لهم ذلک: ۴۴۸/۵، سعید)

قوله تعالیٰ: ﴿یٰأیها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة النساء: ۲۹)

وقوله تعالیٰ: ﴿یٰأیها الذین آمنوا لا تخونوا الله والرسول﴾ (سورة الأنفال: ۲۷)

(۲) "لا یجوز التصرف فی مال غیره بلا إذنه". (رد المحتار، کتاب الغصب، مطلب فیما یجوز من التصرف بمال الغیر بدون إذن صریح: ۲۰۰/۶، سعید)

"لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه". (شرح المجلة: ص ۶۱، رقم المادة: ۹۶، حنفیه)

باب الجنایات

(دورانِ حج جنایات کا بیان)

طوافِ وداع نہ کرنے سے وجوبِ دم

سوال[۵۱۵۴]: ۱... زید بغیر طوافِ وداع کے چلا آیا، دم واجب ہوا تو جدہ میں قربانی کرے یا وطن پہونچ کر؟

۲... زاہد طوافِ وداع کے لئے تیار تھا، مگر بتلایا کہ جہاز تیار ہے فوراً آؤ، حجاج لاری پر سوار ہوگئے، زاہد بھی سوار ہوگیا تو اس عذر سے دم ساقط ہوا یا نہیں؟

حاجی سید عبدالماجد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرم میں قربانی کراوے: "ویختص ذبح هدي المتعة والقران بأيام النحر ويختص الكل بالحرم لا بمنى ولا يجزي على الأصح اهـ" ملتقى الأبحر (۱)۔

۲... ساقط نہیں ہوا۔

---

(۱) (ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر، باب الهدي: ۱/۴۰۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

قال العلامة الكاساني: "وأما مكان هذا الدم، فالحرم، لا يجوز في غيره، لقوله تعالى: ﴿والهدي معكوفاً أن يبلغ محله﴾ ومحله الحرم، والمراد منه هدي المتعة لقوله: ﴿فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدي﴾ والهدي اسم لما يهدى إلى بيت الله الحرام: أي يبعث وينقل إليه. وأما زمانه فأيام النحر، الخ" (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل فيما يجب على المتمتع والقارن: ۳/۱۸۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الإحصار: ۲/۵۳۵، إدارة القرآن كراچي)

تنبیہ: طوافِ وداع کے لئے مخصوص نیت شرط نہیں، بلکہ حج سے فارغ ہوکر جب مکہ مکرمہ میں آئے اور بہ نیتِ تطوع طواف کرے تو وہ بھی طوافِ وداع کے حکم میں ہو جائے گا:

"فإذا أراد النفر عنها أي عن مكة، طاف للصدر، ويسمى طواف الوداع، وهو واجب، ولكن لا تشترط له نية معينة، حتى لو طاف بعد ما حل النفر ونوى التطوع، أجزأه عن الصدر". مجمع الأنهر (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

رمی اور قیامِ منیٰ کو چھوڑنے سے دم لازم ہے یا نہیں؟

سوال [۵۵۰۵]: کیا حاجی کو رمی چھوڑنے پر اور قیامِ منیٰ چھوڑنے پر کوئی دم دینا ہوگا؟ اگر دم دینا ضروری ہے تو کب اور کہاں دینا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رمی چھوڑنے سے دم واجب ہوگا (۲) اور وہ حرم (منیٰ وغیرہ) میں ہی ذبح کرنا ہوگا (۳)، منیٰ میں

---

(۱) (مجمع الأنهر، فصل: لو دخل مكة: ۱/۲۸۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"فأما تعيين النية فليس بشرط، حتى لو طاف بعد طواف الزيارة لا يعين شيئاً أو نوى تطوعاً، كان للصدر؛ لأن الوقت تعين له، فينصرف مطلق النية إليه، كما في صوم رمضان". (بدائع الصنائع، في طواف الصدر، فصل في شرائط جوازه: ۳/۵۰۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، باب جزاء ترك الوداع: ۳/۲۲۴۱، حقانيه پشاور)

(وكذا في رد المحتار مع الدر المختار، مطلب في طواف الصدر: ۲/۵۲۳، سعيد)

(۲) "ورمي الجمار واجب كما عرفنا، فإن تأخر عن وقته أو فات وجب دم". (الفقه الإسلامي وأدلته، سابعاً: تأخير الرمي عن وقته: ۳/۲۲۰۰، حقانيه پشاور)

(وكذا في البدائع، فصل في حكمه إذا تأخر عن وقته أو فات: ۳/۱۴۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع إرشاد الساري لملا علي القاري، فصل في الجناية في رمي الجمرات: ۳۵۹، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "ويختص ذبح هدي المتعة والقران بأيام النحر، ويختص الكل بالحرم، ولا بمنى، ولا يتعين على الأصح" --

قیام چھوڑنے سے دم واجب نہ ہوگا(۱)، استغفار کرنا ہوگا، رمی وغیرہ چھوڑنے سے بکری (شاۃ) واجب ہوتی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

رمی سے پہلے قربانی کرنے سے وجوبِ دم

سوال [۵۱۵۲]: حاجی عرفات سے واپسی پر رمی کے بغیر قربان گاہ میں جاکر قربانی کردی۔

قربانی سے پہلے بال کٹوانے سے دم

سوال [۵۱۵۳]: ۲ ایک حاجی نے عرفات سے واپسی پر رمی کرنے کے بعد فوراً ہی بال کٹوادیے اور بعد میں قربانی کی۔

= (سكب الأنهر على مجمع الأنهر، باب الهدي: ۱/۴۶۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل فيما يجب على المتمتع والقارن: ۳/۳۰۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "ولم يأت مني فيبيت بها للرمي". (الدر المختار). "(قوله: فيبيت بها للرمي) أي ليالي أيام الرمي هو السنة، فلو بات بغيرها كره، ولا يلزمه شيء لنا" (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في حكم صلوة العيد والجمعة في منى: ۲/۵۲۰، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الثاني: رمي الجمار في منى، و حكم المبيت فيها: ۳/۲۰۲۰، حقانيه پشاور)

(۲) "والدم حيث ذكر في الجنايات، وهي شاة تجزئ في الأضحية والصدقة، إذا ذكرت يراد بها" (مجمع الأنهر، باب الجنايات، الفصل الأول: ۱/۴۳۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"فالمراد الشاة، وهي تجزئ في كل موضع، أي من مواضع الجنايات إلا في موضعين" (مناسك الملا علي القاري، فصل في أحكام الدماء و شرائط جوازها، ص: ۳۴۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الهداية، باب الجنايات: ۱/۲۶۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

رمی اور طوافِ زیارت میں ترتیب بدلنے سے دم

سوال[۵۱۵۸]: ۳ ... ایک حاجی نے غلطی سے پہلے رمی کی اور پھر جا کر طوافِ زیارت کیا اور پھر آ کر قربانی کی اور پھر بال کٹوائے۔ ان تمام صورتوں میں حاجی پر شرعاً کیا واجب ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱ ... اگر یہ قارن یا متمتع ہے تو اس پر دم واجب ہے۔

۲ ... اس پر دم واجب ہے جب کہ یہ قارن یا متمتع ہو۔

۳ ... اس پر دم واجب نہیں البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

یہ تینوں حکم غنیۃ المناسک، المطلب العاشر فی ترک الترتیب بین الرمی والذبح میں مذکور ہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۹۱ھ۔

رمی کا بدل آسندہ سال

سوال[۵۱۵۹]: اسلم نے حج کیا مگر اس سے رمی اولیٰ ترک ہو گئی بوجہ سہولت و عدم گنجائش کی بناء

---

(۱) "ولو حلق المفرد او غیرہ قبل الرمی او القارن او المتمتع قبل الذبح او ذبح قبل الرمی فعلیہ دم عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ بترک الترتیب ولو طاف قبل الرمی والحلق لا شیء علیہ ویکرہ مثلہ". (غنیۃ المناسک، باب الجنایات، المطلب العاشر فی ترک الترتیب بین الرمی والذبح والحلق، ص: ۲۴۷، إدارۃ القرآن کراچی)

"ولو حلق المفرد او غیرہ. ای من القارن والمتمتع قبل الرمی او القارن او المتمتع ... او حلق قبل الذبح، او ذبح قبل الرمی فعلیہ دم ولو طاف ای المفرد وغیرہ قبل الرمی والحلق لا شیء علیہ، ویکرہ ای لترکہ السنۃ وہی الترتیب بین الثلاثۃ الخ". (مناسک الملا علی القاری، باب الجنایات، فصل فی ترک الترتیب بین افعال الحج، ص: ۳۵۸، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی رد المحتار، باب الجنایات: ۲/۵۵۵، سعید)

یہ بری سال دم (قربانی) شدے سکا، اگر وہ اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے اس سال دم دینا چاہے تو دے سکتا ہے؟ اور وہ بری الذمہ ہوجائے گا اور اس کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آئندہ سال بھی حدودِ حرم میں دم دینے سے بری ہوجائے گا، کسی کو وکیل بنادے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۸۹ھ۔

حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت

سوال[۵۰۲۰]: بحالتِ احرام خشکی کے شکار کی ممانعت ہے دریائی شکار کی نہیں، ایسا کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ پاک نے ایسا ہی فرمایا ہے: ﴿أحل لكم صيد البحر وطعامه متاعاً لكم وللسيارة، وحرم عليكم صيد البر ما دمتم حرماً﴾(۲)۔ اور وہ حاکم بھی ہے اور حکیم بھی ہے، اس کے نازل فرمائے ہوئے قانون میں کسی کو چون وچرا (کیوں کا سوال) کا حق نہیں، جو چاہے کرے ﴿لا يسئل عما يفعل﴾(۳)۔

---

(۱) دم جنایات کے لئے مکان حرم کا ہونا شرط ہے، زمان کی تعیین نہیں، لہٰذا بعد میں بھی دم جنایت ادا کر سکتا ہے: "وما يختص بالمكان دون الزمان، وهو دم الجنايات". (مجمع الأنهر، باب الهدي: ۱/۳۱۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الهدي: ۲/۳۳۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتاوى رحيمية، دم جنايت کسی کے ذریعہ ادا کر سکتا ہے یا نہیں: ۸/۲۹۹، دار الإشاعت كراچی)

(۲) (سورة المائدة: ۹۶)

"إعلم أن صيد البر محرم على المحرم، وصيد البحر حلال، لقوله تعالى: ﴿أحل لكم صيد البحر﴾ إلى آخر الآية، الخ". (الهداية، باب الجنايات، الفصل الثاني: ۱/۲۷۴، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنايات، الباب التاسع في الصيد: ۱/۲۴۷، رشيدية)

(وكذا في البدائع، فصل في أنواع الصيد: ۳/۳۰۲، ۳۰۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (سورة الأنبياء: ۲۳)

حالتِ احرام میں کان میں روئی رکھنا اور پیروں پر کپڑا ڈالنا

سوال [۵۱۶۳]: احرام کی حالت میں پیروں پر کپڑا لپیٹنا جائز ہے یا نہیں جب کہ سردی کی وجہ سے یا پیروں کے درد کی وجہ سے ہو؟ سردی یا کسی اور وجہ سے کان میں روئی رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، پیروں کو چادر وغیرہ سے ڈھانکنا بھی (۱) اور کانوں کے اندر روئی رکھنا بھی (۲) مگر خوشبو کے استعمال کی اجازت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

کیا دمِ جنایت کو فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہے؟

سوال [۵۱۶۴]: گزشتہ سال ایک صاحب نے دمِ جنایت منیٰ میں دمِ شکر (دمِ قران، دمِ تمتع) کی

---

(۱) "ولا بأس بتغطية أذنيه وقفاه، وكذا بقية البدن، إلا الكفين والقدمين للمنع من لبس القفازين والجوربين" (رد المحتار، باب الجنايات: ۲/۵۴۹، سعيد)

"(قوله: وبقية البدن): أي: بخلاف ستر بقية البدن سوى الرأس والوجه، فإنه لا شيء عليه" (رد المحتار، مطلب فيما يحرم بالإحرام وما لا يحرم: ۲/۵۰۵، سعيد)

"ولو ألقى على جسده قباءً أو عباءةً، وكان بحيث لو قام أو قعد لم يستمسك عليه إلا بمزيد عناية، لم تلزمه الفدية" (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث العاشر: محظورات الإحرام أو ممنوعاته ومباحاته: ۳/۲۳۴، حقانيه پشاور)

(۲) "ولا بأس للمحرم أن يغطي أذنيه أو من لحيته ما دون الذقن، الخ" (التاتارخانية، ما يحرم على المحرم وما لا يحرم، لبس المخيط: ۲/۴۹۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۲۸۹، فصل فيما يجب بلبس المخيط الخ، رشيديه)

(۳) "أما الطيب فيحرم على المحرم استعماله في ثوبه أو بدنه". (الفقه الإسلامي وأدلته، الأصل الثاني: ترفيه البدن بالطيب وإزالة الشعر الخ: ۳/۲۳۵، حقانيه پشاور)

"والمحرم ممنوع من استعمال الطيب في بدنه". (بدائع الصنائع، وأما بيان ما يحظره الإحرام وما لا يحظره: ۳/۴۰۸، دار الكتب العلمية بيروت)

طرح صرف ذبح کرکے چھوڑ دیا فقراء پر تقسیم نہیں کیا۔ کیا دمِ جنایت میں ذبح کے بعد تصدق علی الفقراء بھی ضروری ہے؟ اگر ضروری ہو تو اب اس کی تلافی اور تدارک کی کیا شکل ہے، تاکہ اس سال جانے والے کسی حاجی سے اس کی تلافی کرادی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنایت فقراء پر صدقہ کرنے کا حکم ہے، لیکن اگر اس وقت فقراء وہاں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ذبح کرکے چھوڑ دیا تب بھی کافی ہے، اب کسی تلافی کی ضرورت نہیں، کذا فی معلم الحجاج، ص: ۲۸۴(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۹۵ھ۔

☆ … ☆…… ☆… … ☆…… ☆

(۱) ''اگر فقیر موجود ہو تو صدقہ کا گوشت اس کو دے دینا ضروری تھا، اگر فقیر موجود نہ ہو تو ذبح کرکے چھوڑ دینا کافی ہے''۔ (معلم الحجاج، باب شرائط جواز دم: ۲۸۴، ادارۃ القرآن کراچی)

''(والثامن عدم الاستهلاك، فلو استهلكه بنفسه بعد الذبح بأن باعه ونحو ذلك) بأن وهبه لغني أو أتلفه أو ضيعه (ولم يجز، وعليه قيمته) أي ضمان قيمته للفقراء فيتصدق بها عليهم بأن كان مما يجب التصدق به، بخلاف ما إذا كان مما لا يجب عليه التصدق به، فإنه لا يضمن شيئاً كما نبه بقوله (إلا في هدي القران والمتعة) أي التمتع (والتطوع فإنه لا يجب) أي على مستهلكه (فيها شيء) أي من الضمان لا بدله ولا قيمة (ولو هلك) أي المذبوح (بعد الذبح بغير اختياره بأن سرق مثلا) أي الضمان (ولا شيء عليه) أي في النوعين السابقين''. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في أحكام الدماء وشرائط جوازها، ص: ۴۴۳، ۴۴۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/۵۶۴، سعيد)

''(وإن عطب) أي تعب (الهدي) الذي ساقه (في الطريق) أي قبل وصوله إلى محله من الحرم أو زمانه المعين له (فإن كان) أي الهدي (تطوعاً نحره وصبغ قلادتها بدمها) وضرب بها صفحة سنامها (وقيل جانب عنقها ليعلم أنها هدي (ولم يأكل منه الفقراء دون الأغنياء وليس عليه غيره) أي إقامة غيره بدله (ولم يأكل منه هو ولا غيره من الأغنياء)''. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في أحكام الدماء وشرائط جوازها، ص: ۵۲۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحج، باب الهدي: ۲/۶۱۷، سعيد)

باب زیارۃ المدینۃ المنورۃ

(زیارتِ مدینہ کا بیان)

سفرِ مدینہ کی نیت

سوال [۵۱۶۵]: مدینہ طیبہ کی حاضری کے وقت مسجدِ نبوی کی زیارت کے قصد سے سفر کرے یا روضۂ اطہر کی زیارت کا قصد مقدم ہونا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

روضۂ اطہر کی زیارت کا قصد مقدم رکھے بلکہ وہی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مسجدِ نبوی میں چالیس نمازیں

سوال [۵۱۶۶]: آیا مسجدِ نبوی میں ۴۰/ وقت کی نمازیں تواتر کے ساتھ ضروری ہیں یا نہیں؟ اگر کسی سبب سے تواتر ختم ہوگیا تو پھر سے پوری کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چالیس نمازیں ادا کرنے پر جو وعدہ ہے وہ مسلسل پر ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "والأولى في الزيارة تجريد النية لزيارة قبره صلى الله تعالى عليه وسلم" (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب فضل في زيارة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ص ۴۳۵، قديمي)

"والأولى فيما يقع عند العبد الضعيف تجريد النية لزيارة قبره عليه السلام" (رد المحتار، مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲/۶۲۷، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۳۳۴، مصطفى محمد بيروت)

(۲) "عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من صلى في مسجدي أربعين صلوة لاتفوته صلوة، كتب =

حرمین میں پہلے کہاں جائے؟

سوال[۵۱۲۶]: حج اور زیارت کے لئے ایک شخص گیا، اب اس کو پہلے مدینہ طیبہ کی حاضری بہتر ہے یا پہلے حج کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ پہلا حج ہے تو پہلے مکہ معظمہ جانا افضل ہے، ورنہ پہلے مدینہ طیبہ کی حاضری افضل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= كتبت له براءة من النار وبراءة من العذاب وبرئ من النفاق". (مجمع الفوائد من جامع الأصول و مجمع الزوائد، باب ما جاء في مسجده رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وزيارته، و فضائل المدينة: ۱/۳۳۴، مكتبة المدينة، سورت)

"وفي حديث يبين فضل الصلاة في هذا المسجد: "من صلى في مسجدي أربعين صلاة لا تفوته صلاة، كتبت له براءة من النار ونجاة يوم القيامة". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب: ثانياً فضيلة المسجد النبوي: ۳/۳۳۳، مكتبة حقانيه پشاور)

(۱) "ويبدأ بالحج لو فرضاً، ويخير لو نفلاً". (رد المحتار، مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲/۶۲۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في زيارة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۷۴۵، قديمي)

"وفي أيضاً إشعار ببداءة الحج ثم إتيان المدينة للزيارة، كما لا يخفى، وهو الجمهور إماما أبي حنيفة رحمه الله تعالى، ففي فتاوى أبي الليث السمرقندي: روى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة أنه قال: الأحسن للحاج أن يبدأ بمكة، فإذا قضى نسكه مر بالمدينة، وإن بدأ بها جاز ... واختلف السلف في أن الأفضل البداءة بالمدينة قبل مكة أو بمكة قبل المدينة، وأن ممن اختار البداءة بالمدينة علقمة والأسود وعمرو بن ميمون من التابعين، ونقل مسنده عنهم - كما قال السبكي - ابتدروا الزيارة ... ولقد من الله على هذا العبد الغريق في الآثام بالعمل على قول الإمام مرتين وعلى قول علقمة والأسود وعمرو بن ميمون في هذه المرة، فحضرت مدينة النبي الكريم صلى الله تعالى عليه-

حرمِ مدینہ کی حدود

سوال [۵۱۲۸]: حرمِ مدینہ منورہ کیا حدود ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک مدینہ منورہ کا حرم نہیں، وہاں کا شکار وغیرہ درست ہے: "و لیس للمدینۃ المنورۃ حرم عندنا، فیجوز الاصطیاد فیہا و قطع حشیشہا و رعیہ. اھ". شرنبلالی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح: سعید احمد، خادم دارالافتاء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ربیع الثانی/۵۵ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۴/۵۵ھ۔

عورتوں کے لئے روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت

سوال [۵۱۲۹]: عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت منع ہے تو کیا روضۂ اطہر پر بھی جانا عورتوں کو منع ہے؟

= وسمعه قبل الحج". (إعلاء السنن، كتاب الحج، أبواب الزيارة النبوية: ۱۰/۴۹۸، ۴۹۹، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، باب: خاتمة في زيارة قبر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۲۶۵، رشيديه)

(۱) لم أقف عليه

"لا حرم للمدينة عندنا" (تنوير الأبصار). "(قوله: لا حرم للمدينة عندنا): أي خلافاً للأئمة الثلاثة. قال في الكافي: ... فلا يحرم إلا بدليل قطعي، لم يوجد ... لا جزاء على قاتل صيده، و لا على قاطع شجره" الخ. (رد المحتار، مطلب في كراهية الاستنجاء بماء زمزم: ۲/۶۲۶، سعيد)

"تحريم صيد المدينة و شجرها على الحلال و المحرم كمكة عند الجمهور، خلافاً لأبي حنيفة، للحديث السابق" الخ. (الفقه الإسلامي و أدلته، ثالثاً خصائص الحرم المدني: ۳/۲۳۵۳، المكتبة الحقانية پشاور)

الجواب حامداً و مصلیاً:

منع نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زیارتِ روضۂ پاک علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ادب

سوال [۵۱۶۰]: بہارِ شریعت حصۂ ششم: ۱۶۷ میں ہے کہ "امام محمد بن الحاج کی مدخل میں اور امام محمد قسطلانی مواہبِ لدنیہ میں اور ائمۂ دین فرماتے ہیں:

"لا فرق بين موته و حياته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مشاهدته لأمته، و معرفته بأحوالهم و نياتهم و عزائمهم و خواطرهم، و ذلك عندهم جليٌّ، لا خفاء فيه. انتهى"(۲)۔

کیا مدخل اور مواہبِ لدنیہ میں یہ لکھا ہے اور یہ کتابیں معتبر ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو اس عبارت کا صحیح مطلب کیا ہے؟ مفصل جواب مرحمت ہو، ضرورت ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

بہارِ شریعت یہاں موجود نہیں ہے، معلوم نہیں کہ اس میں اس عبارت سے کیا استدلال کیا ہے۔ یہ

---

(۱) "هل تستحب زيارة قبره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للنساء؟ الصحيح نعم بلا كراهة، بشروطها".

(رد المحتار، مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۶۲۶، سعید)

"هل يستحب زيارة قبره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للنساء أو يكره؟ فالصحيح أنه يستحب بلا كراهة، إذا كانت بشروطها". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۳۴۳، مصطفىٰ محمد مصر)

(وكذا في مناسك الملا علي القاري، المسمى المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵۰۲، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "لا فرق بين موته و حياته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مشاهدته لأمته و معرفته بأحوالهم و نياتهم وعزائمهم و خواطرهم، و ذلك عندهم جليٌّ لا خفاء فيه. انتهى". (بہار شریعت حصہ ششم: ۱۶۷، مکتبہ تاجران کتب لاہور)

عبارت مدخل میں موجود ہے(۱)، اسی طرح مواہب لدنیہ ۳/ ۵۰۸ میں موجود ہے(۲)، مطلب اس کا یہ ہے کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر زیارت کے لئے حاضر ہو اس کو چاہئے کہ انتہائی ادب واحترام کے ساتھ کھڑا ہو، ظاہری احترام کے ساتھ قلب کی بھی نگہداشت رکھے کہ کوئی خیال جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ گرامی کے خلاف نہ آنے پائے، غرض جس طرح آپ کی حیات میں آداب ظاہری وباطنی کی رعایت ضروری سمجھی جاتی ہے اسی طرح مزار مبارک پر حاضری کے وقت بھی ضروری سمجھے کیونکہ آپ کی حیات برزخی قوی دلائل سے موجود وثابت ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”جو شخص مجھ پر پاس کھڑا ہو کر درود بھیجتا ہے میں اس کو سنتا ہوں۔ اور جو دور سے بھیجا جاتا ہے، وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے“(۳)۔

آپ کی حیات میں منافقین جب حاضر ہوتے تھے تو بسا اوقات آپ کو وحی کے ذریعہ نفاق پر اطلاع ہوجاتی تھی (۴)، اسی طرح اگر مزار مبارک پر خلاف شانِ اقدس کوئی خیال کیا جائے تو کیا عجب ہے کہ اللہ

---

(۱) ”و يحتاج إلى الأدب الكلي في زيارته عليه السلام، ولقد قال علماؤنا رحمهم الله تعالى: الزائر يشعر نفسه بأنه واقف بين يديه عليه الصلوة والسلام كما في حياته؛ إذ لا فرق بين موته و حياته، الخ“. (المدخل لابن الحاج، فصل: و أما في زيارة سيد الأولين والآخرين صلوات الله عليه وسلامه: ۱/ ۲۵۲، مصطفى البابي الحلبي بيروت)

(۲) ”و ينبغي أن يقف عنده محاذياً لأربعة أذرع، و يلازم الأدب والخشوع والتواضع، غاض البصر في مقام الهيبة كما كان يفعل بين يديه في حياته، و يستحضر علمه بوقوفه بين يديه و سماعه لسلامه كما هو الحال في حال حياته؛ إذ لا فرق بين موته و حياته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مشاهدته لأمته و معرفته بأحوالهم و نياتهم و عزائمهم و خواطرهم، و ذلك عندهم جلي لاخفاء به، الخ“. (شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنية، الفصل الثاني في زيارة قبره الشريف و مسجده المنيف: ۱۲/ ۱۹۵، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۳) ”وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”من صلى عليّ عند قبري سمعته، و من صلى عليّ نائياً أبلغته“. رواه البيهقي في شعب الإيمان“. (مشكوة المصابيح، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وفضلها، الفصل الثالث، ص: ۸۷، قديمي)

(۴) ”﴿ولو نشاء لأريناكهم فلعرفتهم بسيماهم﴾ يقول عزوجل: ولو نشاء يا محمد، لأريناك —

تبارک وتعالیٰ اس پر بھی مطلع فرمادیں۔ بعض روایات میں وارد ہے کہ امت کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں(۱)، اگر وہاں حاضر ہونے والوں کے عزائم وخواطر بھی پیش کردیے جائیں تو کیا استبعاد ہے۔ مدخل کی عبارت اس سے پہلے یہ ہے:

"ويحتاج إلى الأدب تكلمي في زيارته عليه السلام، وقد قال علماؤنا رحمهم الله تعالى: أن الزائر يشعر نفسه بأنه واقف بين يديه عليه الصلوة والسلام كما في حياته، إذ لا فرق

= أشخاصهم لعرفتهم عياناً، ولكن لم يفعل تعالى ذلك في جميع المنافقين ستراً منه على خلقه، وحملاً للأمور على ظاهر السلامة، ورداً للسرائر إلى عالمها ...... عن أبي مسعود عقبة بن عمرو رضي الله تعالى عنهم قال: خطبنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم خطبة، فحمد الله تعالى وأثنى عليه، ثم قال: "إن منكم منافقين، فمن سميت، فليقم". ثم قال: "قم يا فلان، قم يا فلان، قم يا فلان" حتى سمى ستة وثلاثين رجلاً، ثم قال: "إن فيكم أو منكم منافقين، فاتقوا الله، الخ". (تفسير ابن كثير، (سورة محمد، آيت: ۳۰): ۴/۲۰۰)

(وكذا في التفسير المنير لوهبة الزحيلي: ۲۶/ ۱۲۵، ۱۲۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا في الخصائص الكبرى، باب إخباره صلى الله تعالى عليه وسلم بالمنافقين: ۲/۱۶۳، حقانيه پشاور)

(۱) "وعنه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "تعرض أعمال الناس في كل جمعة مرتين: يوم الإثنين ويوم الخميس، فيغفر لكل عبد مؤمن إلا عبداً بينه وبين أخيه شحناء".

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالى: "رواه الطبراني عن أسامة بن زيد بلفظ: "تعرض الأعمال على الله يوم الإثنين والخميس ...... وتعرض على الأنبياء وعلى الآباء والأمهات يوم الجمعة، فيفرحون بحسناتهم، وتزداد وجوههم بياضاً وإشراقاً، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع الخ، الفصل الأول، كتاب الآداب: ۸/ ۷۶۳، ۷۶۴، رشيديه)

(وكذا في المدخل لابن الحاج، فصل: وأما في زيارة سيد المرسلين الخ: ۱/ ۲۵۳، مصطفى البابي الحلبي مصر بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رشوت ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ہندوستانی کا پاکستانی پاسپورٹ سے حج کرنا

سوال [۵۱۷۳]: کوئی شخص ہندوستانی ہے، وہ پاکستان سے پاکستانی پاسپورٹ بنوا کر حج کو جائے تو حج درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا حج درست ہو جائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "ومثله فيما يظهر دفع الرشوة على دخوله، القول في شرح اللباب: و يحرم أخذ الأجرة ممن يدخل البيت، أو يقصد زيارة مقام إبراهيم عليه السلام بلا خلاف بين علماء الإسلام و أئمة الأنام، كما صرح به في البحر وغيره، اهـ. وقد صرحوا بأن ما حرم أخذه حرم دفعه إلا لضرورة، ولا ضرورة هنا؛ لأن دخول البيت ليس من مناسك الحج". (رد المحتار، باب الهدي، مطلب في دخول البيت: ۲/۶۲۲، سعيد)

"يستحب أخذ الأجرة على دخول البيت الحرام، أو زيارة مقام إبراهيم عليه السلام، فإنه لا خلاف بين علماء الإسلام و أئمة الأنام في تحريم ذلك، كما صرح به في البحر الزاخر وغيره".

"(قوله: لأنه لا خلاف، إلخ) قال في هداية السالك إلى المذاهب الأربعة في المناسك: وإنه من أشنع البدع و أقبح الفواحش، و هذه اللفظة وإن صحت فيستدل بها على إقامة الحرمة، و لأن أخذ الأجرة ليس من المعروف . . (قوله: في تحريم ذلك، إلخ)". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، فصل: يستحب دخول البيت، ص: ۳۰۶، دارالفكر بيروت)

(۲) حج تو صحیح ہو جائے گا لیکن قانونِ حکومت کی خلاف ورزی کی وجہ سے گناہ ہوگا۔ قبولِ حج کے لئے شرط ہے:

"و قد يتصف بالحرمة كالحج بمال حرام". (الدر المختار). "فقد يقال: إن الحج نفسه هو زيارة مكان مخصوص . . . . . . ليس حراماً بل الحرام هو إنفاق المال الحرام، و لا تلازم بينهما، كما أن الصلاة في الأرض المغصوبة تقع فرضاً، وإنما الحرام شغل المكان المغصوب لا من حيث كون –

اس طرح حج کرنے سے حج ادا ہو جائے گا مگر سوال کرنے کا گناہ بھی ہوگا، کذا فی رد المحتار: ۲/۱۰۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۹/۹۰ھ۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ حج کرنا

سوال[۵۱۷۵]: زید کا خیال ہے کہ جب حج بیت اللہ کو روانگی ہو تو کسی تبلیغی جماعت میں شامل ہوں۔ عمر نے جب یہ سنا کہ زید کا خیال یہ ہے کہ "جماعت میں شامل ہو جاؤں" تو انہوں نے یہ فرمایا "جماعت میں شامل ہونے سے بیت اللہ شریف میں جو نمازیں پڑھو گے اس سے محروم ہو جاؤ گے، اس وجہ سے کہ جماعت تو محلہ محلہ مسجدوں میں گشت کرے گی اور وہیں نماز پڑھے گی تو ظاہر بات ہے کہ اس ثواب سے محروم رہو گے۔

تو زید نے یہ جواب دیا کہ دوسروں کو دین کی بات پہنچانا ہی بڑی چیز ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے، بات یہاں آ کر ٹھہری کہ فتویٰ منگا لیا جائے جیسے مفتی صاحبان کی رائے ہو اس پر عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی جماعت میں جا کر اصول کے موافق کام کرنے سے نیت کی درستی کا اہتمام ہوتا ہے، قلب میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، نماز با جماعت کی پابندی ہوتی ہے، تہجد کی توفیق ہوتی ہے، ذکر سے زبان، قلب کو انس پیدا ہوتا ہے، حج کے زمانے کی جماعت میں حج کے موافق سنت ادا کرنے کی تعلیم ہوتی ہے، حرم محترم اور اہلِ حرم کے حقوق معلوم ہوتے ہیں، لا یعنی باتوں سے حفاظت رہتی ہے۔

اگر یہ سب چیزیں میسر نہیں تو پھر حج کی قیمت بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور جب حج کو صحیح طریقہ پر ادا

---

(۱) کوشش کے باوجود اس قسم کی عبارت رد المحتار میں نہیں ملی، بدائع میں ہے:

"ثم إذا صح بالسؤال من الناس، يجوز ذلك عن حجة الإسلام، حتى لو أيسر لا يلزمه حجة أخرى: لأن الاستطاعة بملك الزاد والراحلة، ومنافع البدن شرط الوجوب؛ لأن الحج يقام بالمال والبدن جميعاً". (بدائع الصنائع: فصل في شرائط فرضيته: ۲/۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا جاوے تو جماعتوں کے ساتھ جانا بھی حج ہی کے لئے جانا شمار ہوگا، اس لئے مناسب یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کی معیت میں حج ادا کیا جائے (۱) اور وہاں بھی جماعت کے ساتھ شریک ہو کر کام کیا جائے۔ تبلیغ کی خاطر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بڑی تعداد میں حرمین شریفین سے باہر سفر فرمائے ہیں، وہ حضرات بھی جانتے تھے کہ مکہ، حرم کا مقام کس قدر بلند ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۹۱ھ۔

حج میں تجارت

سوال [۱۰۱۷]: ایک شخص نفع کی غرض سے کچھ تجارتی سامان لے کر حج کو جاتا ہے اسی طرح وہاں سے بھی لاتا ہے۔ یہ کرنے سے حج کے ثواب میں کوئی خلل تو نہ ہوگا، جب کہ ان چیزوں کو لے جانے والانے کی ممانعت بھی نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ثواب میں تو کمی نہیں ہوگی لیکن یہ سفر مبارک اگر تجارت سے بالکل ہی خالی رہے تو زیادہ اچھا ہے "والتجرد للسفر عن التجارة أحسن، ولو اتجر لا ينتقص ثوابه". البحر: ۲/۳۳۳(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: "خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "يا أيها الناس! قد فرض عليكم الحج فحجوا" (مشكوة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الأول، ص: ۲۲۰، قديمي)

"شروط الوجوب وهي التي إذا وجدت بتمامها وجب الحج، وإلا فلا" (رد المحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۸، سعيد)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۳۳۳، رشيديه)

ایضاً

سوال [۵۱۷۷]: حج کے لئے جو رقم کا تبادلہ گورنمنٹ کرتی ہے وہ محدود ہے، اس لئے حاجی مدراسی لنگی، عطر، صندل، لکھنوی کرتے وغیرہ لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ ان پر حکومت کی کوئی پابندی نہیں ہے، تا کہ ان سے تجارت کر کے اطمینان سے خرچ کر سکیں، یا وہاں سے وہ سامان جن پر حکومتِ سعودیہ کی کوئی پابندی نہیں ہے، مثلاً: لونگ، جائفل، دارچینی اور دوسری جڑی بوٹیاں، یہاں پر سونے چاندی کا سوال نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس سامان کے یہاں سے لے جانے اور وہاں سے لانے پر کوئی پابندی نہیں، اس کا یہاں سے لے جانا اور وہاں سے لانا حاجی وغیر حاجی سب کے لئے جائز ہے(۱)، ایسا کرنے سے حج کے ثواب میں کمی نہیں آتی (۲)۔

= "وتجريد السفر عن التجارة أحسن، ولو اتجر، لا ينقص ثوابه كالغازي إذا اتجر، وهذا محمول على ما إذا لم تحمله التجارة على السفر". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحج: ۱/۴۷۹، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، الخ: ۱/۲۲۰، رشيدية)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾ فجعل ذلك رخصةً في التجارة في الحج، وقد ذكرنا ما روي فيه في سورة البقرة". (أحكام القرآن للجصاص، سورة الحج، باب التجارة في الحج: ۳/۳۲۵، قديمي)

"وكانوا يتأثمون في التجارة موسم الحج ظناً منهم أنها تخل بإخلاص العمل لله، فنزل: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾". (حجة الله البالغة) "﴿فضلاً﴾ رزقاً ﴿فضلاً من ربكم﴾: أي تبتغوا رزقاً بالتجارة في الحج، وقد نزلت هذه الآية رداً على كراهتهم ذلك". (حاشية حجة الله البالغة، باب تركه الجاهليون التجارة في موسم الحج: ۲/۱۳۸، قديمي)

(۲) "وتجريد السفر عن التجارة أحسن، ولو اتجر لا ينقص ثوابه كالغازي إذا اتجر، وهذا محمول على ما إذا لم تحمله التجارة على السفر". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحج: =

لیکن اتنا ضرور ہے کہ حاجی کا دھیان پھر تجارت میں لگا رہتا ہے(۱)۔ اس لئے افضل یہ ہے کہ تجارت کی نیت نہ ہو اور روپیہ کی کمی کو دور کرکے فرائض کو سہولت سے ادا کرنا اور خیرات کرنا مقصود ہو تو اس نیت میں اجر وثواب بھی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۷/۲۵ھ۔

حاجی کے گلے میں ہار

سوال[۵۱۷۸]: حاجی کے گلے میں لوگ گری اور کھانے (۲) اور کپڑے کے پھولوں اور گلاب کے پھولوں کا ہار بنا کر ڈالتے ہیں اور گلاب اور گیندے وغیرہ کے ہار پھول حاجی کے اوپر پھینکتے ہیں۔ یہ سب از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب طریقے خلافِ سنت ہیں اور قصداً قابلِ ترک ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= ۱/۲۹۷، دار المعرفة بيروت)

(وكما في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، الخ: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(۱) "والبيع والشراء والحديث إذا كان يشغله قيد للثلاثة، والمعنى: يشغله عن الحضور، وبه عن الذكر والدعاء، أو يمنعه عن الموالاة". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب السعي بين الصفا والمروة، فصل في مكروهاته الركوب من غير عذر، ص: ۲۲۱، ۲۲۲، مصطفى محمد صاحب المكتبة بمصر)

(۲) "گری: ناریل کی بیچ کی چربی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۳۳)

"کھانے: شکر کا بیج جو بھون کر کھایا جاتا ہے، تال مکھانا، ایک قسم کی مٹھائی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۲۸)

(۳) زبدۃ المناسک میں ہے:

"آج کل یہ رواج ہو گیا ہے کہ جو شخص حج پر جاتا ہے تو دوست واحباب خوشبودار پھولوں کے ہار بنا کر اس کے گلے میں ڈالتے ہیں۔ ایک تو یہ رسم کافروں اور فیشن پرست لوگوں نے ایجاد کی ہے، ان میں بھی

حجاج کے لئے نعرۂ تکبیر اور پھولوں کے ہار

سوال[۱۰۶۰۵]: چند دنوں سال سے یہ رواج ہو گیا ہے کہ حجاج کو رخصت کرتے وقت اور واپسی میں ان کے استقبال کے وقت لوگ پھولوں کے ہار ان کے گلے میں ڈالتے ہیں اور جوش وخروش کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہیں۔ زید اس فعل کو بدعت، مکروہ اور ریاکاری ونمائش پر محمول کرتے ہوئے ناجائز سمجھتا ہے اور عمر اسے فعل مباح اور نعرۂ تکبیر کو مستحسن اور بلندیٔ شعائر اسلام سے سمجھتا ہے۔ دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابتداءً نعرۂ تکبیر بلندیٔ شعائر اسلام کے لئے تجویز ہوا تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام قبول کرنا، ابوجہل کا مقتول ہونا، قلعۂ انطاکیہ کا فتح ہونا وغیرہ وغیرہ ایسے ہی مواقع پر نعرۂ تکبیر کا ثبوت ملتا ہے(۱)،

= مروج ہے، دوسرے یہ کہ فقہاء اس کو پسند نہیں کرتے نہ ان کا عمل ہے بلکہ ان کے مزاج کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر حج سے واپس ہونے والا ابھی احرام کی حالت میں ہو تو اس کے خوشبودار پھولوں کے ہار وغیرہ گلے میں ڈالنا یا سونگھنا منع ہے، اگرچہ اس سے دم وغیرہ لازم نہیں ہوتا، بلکہ مکروہ ہے، کیونکہ پھولوں کی خوشبو کا ہے کوئی حکم نہیں ہے اھ۔ (زبدۃ المناسک، ص: ۲۲۹، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحج، متفرقات الحج، حجاج کرام کی دعوت اور پھولوں کے ہار ۔۔۔ الخ: ۸/۱۴۳، دارالاشاعت، کراچی)

(۱) "ذکر أسامة بن زيد عن أبيه عن جده أسلم قال: قال لنا عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه: أتحبون أن أعلمكم كيف كان بدء إسلامي؟ ۔۔۔ حتى بلغت إلى قوله: ﴿إن كنتم مؤمنين﴾ قال: فقلت: "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً رسول الله" قال: فخرج القوم يتبادرون بالتكبير استبشاراً بما سمعوه مني". (أسد الغابة، عمر بن الخطاب، رقم الترجمة: ۳۸۲۴): ۳/۶۴۲، دار الفكر بيروت)

"قال: ثم احتززت رأسه فجئت به رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فقلت: هذا رأس عدو الله أبي جهل، فقال: "والله الذي لا إله إلا هو" فحلف له، وقال: مر ابن مسعود على أبي جهل =

مگر اب تو محض نمائش ہی ہے، خاص کر ہندی لوگوں کے لئے بلکہ اکثر مواقع میں لہو ولعب کی صورت ہو جاتی ہے اس لئے اس سے اجتناب ہی بہتر ہے (۱)۔

پھولوں کا ہار ڈالنا سلف صالحین سے کہیں ثابت نہیں، مشرکین اپنے بتوں پر پھول چڑھاتے ہیں اور مبتدعین ان کی حرص میں قبور اور مزارات پر چڑھاتے ہیں، اب ایک قدم اور آگے بڑھا کر زندہ لیڈروں اور عازمین حج وحجاج پر چڑھانے لگے، اس سے زیادہ اور کوئی اس کی اصل معلوم نہیں ہوتی۔ اگر سونگھنے کے لئے کسی کو پھول یا کوئی اور خوشبو دی جائے تو وہ بہتر ہے جس کا رد کرنا بھی خلاف سنت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= فقال: الحمد لله الذي أخزاك وأعز الإسلام، فقال أبو جهل: أتشتمني يا رويعي هذيل؟ فقال: نعم والله! وأقتلك، فحذفه أبو جهل بسيفه، وقال: دونك هذا إذا. فأخذه عبد الله فضربه حتى قتله، وجاء به إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وقال: يا رسول الله! قتلت أبا جهل، فقال: "آلله الذي لا إله إلا هو"؟ فحلف له، فأخذه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بيده ثم انطلق معه حتى أراه إياه، فقام عنده، وقال: "الحمد لله الذي أعز الإسلام وأهله". ثلاث مرات". (عمدة القاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل: ۱۷/۱۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن أيوب، عن محمد، عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: صبح النبي صلى الله تعالى عليه وسلم خيبر، وقد خرجوا بالمساحي على أعناقهم، فلما رأوه قالوا: محمد والخميس، محمد والخميس! فلجؤوا إلى الحصن، فرفع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يديه، وقال: "الله أكبر". (فتح الباري، كتاب الجهاد، باب التكبير عند الحرب: ۶/۱۳۴، دار المعرفة بيروت)

"فلما دخل القرية قال: "الله أكبر، خربت خيبر، إنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين". قالها ثلاث مرار". (الصحيح لمسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة خيبر: ۲/۱۱۱، قديمي)

(۱) "قال ابن المنير: فيه: أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها". (فتح الباري، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۲/۳۳۸، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۶، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۲۰، سعيد)

(۲) راجع (فتاوى رحيميه: ۱۰/۱۸۳، دار الإشاعت كراچی)

(وكذا في زبدة المناسك، ص: ۳۳۹، سعيد)

حج کو جانے والے کو نعروں کے ساتھ رخصت کرنا

سوال[۵۱۸۰]: جب کوئی حج کو جاتا ہے تو عوام اس کے نام کے اور بھی دیگر کے نام مثلاً مسٹر جناح کے نعرے زندہ باد بولنا، حاجی زندہ باد وغیرہ اسٹیشن وغیرہ پر بعد "واذن سے روانگی کراتے وقت تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ایک نمائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، ۲۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبداللطیف، ۲۳/ذیقعدہ/۶۱ھ۔

حاجی کو رخصت کرنے کے لئے عورتوں کا اسٹیشن جانا

سوال[۵۱۸۱]: حج کرنے والے کے پیچھے عورتیں جوان و بوڑھی اسٹیشن پر پہنچ جاتی ہیں۔ یہ طریقہ کیا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کو اس مقصد کے لئے گھر سے نکلنے اور اسٹیشن پر جانے کی ضرورت نہیں، ان کو باز آنا چاہئے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "﴿الذين هم يراءون﴾ الناس، فيعملون حيث يرى الناس ويرونهم طلباً للثناء عليهم". (روح المعاني، سورة الماعون: ۳۰/۲۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وعن جندب رضي الله تعالى عنه قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سمّع": أي من عمل عملاً للسمعة بأن نوّه بعمله، وشهره ليسمع الناس به، ويمتدحوه "سمّع الله به": أي شهره الله بين أهل العرصات، وفضحه على رؤوس الأشهاد" (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۹/۱۶۶، رشيدية)

(۲) "ومن منكراتهم أيضاً خروج النساء عند ذهابهم وعند مجيئهم، لأن الواجب على المرأة قعودها في بيتها وعدم خروجها من منزلها. وعلى الزوج منعها عن الخروج، ولو أذن لها وخرجت، كانا =

حج کا ولیمہ

سوال[۵۰۸۲]: لوگ حج سے واپس آنے پر اپنے خاندان والوں کی دعوت کرتے ہیں، یہ دعوت ورکھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج اسلام کا عظیم الشان رکن ہے وہ بہت بڑی نعمت ہے اس کی ادائیگی پر اگر کوئی شخص شکریہ کے طور پر غرباء وغیرہ کیلئے اور اعزہ واحباب کو کھانا کھلائے یا کچھ ہدیہ دے تو شرعاً درست ہے(۱)، لیکن بعض جگہ اس میں

= عاصيين، وإلا فإن لم يكن بالسكوت فهو كالفرق؛ لأن النهي عن المنكر فرض. وإن خرجت بغير إذن زوجها يلعنها كل ملك في السماء وكل شيء يمر عليه إلا الإنس والجن، وقد جاء في الحديث أنه عليه السلام قال: "ما تركت بعدي فتنة أضر من النساء".

الخروج النساء في هذا الزمان من بيوتهن من أكبر الفتن، لا سيما الخروج المحرم كخروجهن خلف الجنازة وزيارة القبور، وعند خروج الحجاج وحجيجهم. والخير قعودهن في بيوتهن وعدم خروجهن عن منازلهن، ألا ترى أنه تعالى أمر خير نساء العالم وهن أزواج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بعدم الخروج من بيوتهن فقال: ﴿وقرن في بيوتكن﴾ وهذا النظم الكريم وإن نزل فيهن إلا أن حكمه يعم الجميع، لما تقرر أن خطابات القرآن تعم الموجودين وقت نزوله ومن سيوجد إلى القيامة". (مجالس الأبرار، ص: ۵۳۱، مجلس نمبر ۸۰)

﴿وقرن في بيوتكن﴾: أي الزمن فلا تخرجن من غير حاجة ... عن عبد الله رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إن المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان". وأقرب ما تكون بروحة ربها وهي في قعر بيتها ... وروى البزار بإسناده المتقدم، وأبوداؤد أيضاً عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "صلاة المرأة في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها، وصلاتها في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها". (تفسير ابن كثير، سورة الأحزاب، آيت: ۳۳: ۳/۶۳۶، ۶۳۷، دار الفيحاء دمشق)

(وكذا في روح المعاني، سورة الأحزاب: ۲۲/۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وعن أبي سعيد رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أطعموا طعامكم الأتقياء، وأولوا معروفكم المؤمنين". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، باب الضيافة، =

ریا اور تفاخر کی شان ہوتی ہے اور گویا کہ اپنے حج کا اعلان ہوتا ہے کہ حج کر کے آئے ہیں۔ اور بعض جگہ پر کھانا لازم اور ضروری تصور کیا جاتا ہے حتی کہ اگر اپنے پاس پیسہ نہ ہو تو قرض لے کر کھلایا جاتا ہے اور بعض دفعہ اس کے لئے سودی قرض لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں شریعت کی طرف سے اس کی اجازت نہیں، اس سے پرہیز کیا جائے، اس طرح کھلانے سے اور ایسا کھانا کھانے سے بھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۱۴۰۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۹/۲/۱۴۰۹ھ۔

حاجی کا خطاب

سوال [۵۲: ۵]: حجاج کرام جب حج کر کے واپس لوٹتے ہیں تو انہیں حاجی کا خطاب دیا جاتا ہے اور کچھ لوگ خود ہی حاجی لکھنے لگتے ہیں، عوام کو حاجی کے خطاب سے پکارنا درست ہے یا نہیں؟ یہاں لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی حج کئے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ہمیشہ ہی حج کیا لیکن کہیں بھی حاجی کا خطاب نظر نہیں آتا، شرع سے اس کی تفصیل لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو "حاجی" کے لفظ سے خطاب نہیں کیا جاتا تھا اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، اس لئے کہ ان کے مناقب وفضائل بے شمار تھے اور حج تو وہ ان کے مشرب بھی کرتے تھے۔ ہمارے یہاں جس غریب کے پاس کوئی فضائل ومناقب نہیں ہیں اس کو حاجی کہہ کر کچھ تعظیم

= (الفصل الثاني: ۱/۳۲۱، قدیمی)

(۱) قال ابن المنیر: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها الخ" (فتح الباري، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۲/۳۳۸، دار المعرفة، بيروت)

"وأما إذا سجد بغير سبب، فليس بقربة ولا مكروه، وما يفعل عقيب الصلوات مكروه، لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه، هكذا في الزاهدي". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۶، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۲۰، سعيد)

وتکریم کی جائے تو اس میں مضائقہ نہیں، لیکن حاجی تو اس کا منتظر رہنا، یا خواہشمند رہنا، یا خود اس کی تشہیر کرنا کہ لوگ مجھے حاجی کہیں، یہ زیبا نہیں، وہ اپنے حج کی نمائش ہرگز نہ کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۹/۱۴۰۲ھ۔

مزارات کی زیارت کرتے ہوئے سفرِ حج

سوال [۵۱۸۲]: سیاست اخبار مورخہ ۲/دسمبر ۸۰ء میں سفرِ حج کا جو طریقہ درج ہے، کیا شرع شریف میں اس طریقہ سے حج بیت اللہ شریف جائز ہے؟

فرحت اللہ، مسلم یتیم خانہ، پریڈ، کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کانپور سے اجمیر شریف تک کا ٹکٹ خرید کر آپ کے ذریعہ دہلی، اجمیر، آگرہ، جے پور، شیخوپورہ، بیکری، بمبئی، بصرہ، بغداد، کربلائے معلی، نجف اشرف، کاظمین شریف، کوفہ، بیت المقدس، جدہ، مکہ معظمہ، طائف شریف، مدینہ منورہ کی زیارت بہت سستی اور آسان ہے، بظاہر تو بہت مزے کا، خیر کا دروازہ کھول کر شائقین حج وزیارت پر احسان عظیم کیا گیا ہے، بہت مسلمان روپیہ کی کمی کی وجہ سے محروم تھے اب ان کو بھی آسانی ہوگی۔ غالباً اس اعلان پر بے شمار ٹکٹ خریدے جائیں گے اور بے شمار روپیہ بھی جمع ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے کتنے خوش نصیب ایسے ہوں گے جن کا ٹکٹ برآمد ہوگا اور کتنے ایسے ہوں گے جن کے ارمانوں پر پانی پھر جائے گا اور حسرتیں خاک میں مل جائیں گی۔

---

(۱) "﴿الذين هم يراءون﴾ الناس، فيعملون حيث يرى الناس ويرونهم طلباً للثناء عليهم". (روح المعاني، سورة الماعون: ۳۰/۲۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وعن جندب رضي الله تعالى عنه قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سمّع" أي من عمل عملاً للسمعة بأن نوّاه بعمله، وشهره ليسمع الناس به، ويمتدحوه "سمّع الله به": أي شهره الله بين أهل العرصات، وفضحه على رؤس الأشهاد". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة: ۹/۱۷۷، رشيدية)

نیز دیکھئے: (معلم الحجاج، ص: ۴۰۵، ادارۃ القرآن کراچی)

یہ درحقیقت نوا درقدرت ہے، جیسے تم قسم کے معمے حل کرنے کے لئے دفتر کھلے ہوئے ہیں دراز ی کے ذریعہ کاروبار کئے جارہے ہیں اسی کا ایک شعبہ یہ بھی کھولا گیا ہے، اسی میں کربلائے معلی اور نجف اشرف کی زیارت کا وعدہ کر کے اہل تشیع کو دعوت دی گئی ہے، اہل سنت والجماعت کو بھی ان کے مخصوص مذہبی شعار میں شرکت کا موقع مل سکے گا تاکہ یہ بیچارے تعزیہ داری اور ماتم کی پرقناعت نہ کریں بلکہ قدم آگے بھی بڑھائیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے سالانہ عرس کی شرکت تو اس میں اصل ہی قرار دیا گیا ہے کہ جو بیچارے بزرگان دین کے مزارات کی زیارت مسنونہ پر کفایت کرتے اور مشروع طریق پر ایصال ثواب کر لیتے تھے وہ طواف اور سجدۂ مزار شریف سے بھی نہ بچ سکیں گے اور وہاں کی ہر قسم کی خرافات، شرکیات میں برابر کے شریک ہو جائیں گے، پیر دستگیر کے دیگر مقامات بھی دکھائے جائیں گے۔ غرض محض حج اور زیارت کی نیت سے یہ سفر اصلاً نہ ہو سکے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

کیا ہر حج میں نو لاکھ ننانوے ہزار نوسو ننانوے آدمی شریک ہوتے ہیں؟

سوال[۵۱۸۵]: عوام میں یہ بھی مشہور ہے کہ بیت اللہ کا جب حج ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ نو لاکھ ننانوے ہزار نوسو ننانوے (۹،۹۹،۹۹۹) آدمی اس میں شامل ہوتے ہیں، اگر کمی ہوتی ہے تو فرشتے پوری

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "هو (أي الحج) بفتح الحاء وكسرها، لغة: القصد إلى معظم، لا مطلق القصد كما ظنه بعضهم. وشرعا: زيارة مكان مخصوص، أي الكعبة والعرفة في زمن مخصوص". (الدر المختار)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "فهو قصد مقترن بهذه الأفعال لا مجرد القصد ...... ولما كان الحج لغة هو مطلق القصد إلى معظم، خصصوه بكونه قصداً إلى معظم معين بأفعال معينة، ولم يجعل اسماً للأفعال المعينة إضافة إلى المعنى اللغوي المنقول عنه". (رد المحتار، كتاب الحج: ۲/۴۵۴، سعيد)

"ان الحج بفتح الحاء وبكسر، لغة: القصد المطلق، أو بقيد التكرار أو قصد المعظم، وهو المختار" في شرحه: "أي بقصد زيارة معظمين زيادة" (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب ...

کرتے ہیں۔ آیا یہ بات صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ میری نظر سے کسی حدیث میں نہیں دیکھا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= شرائط الحج، ص: ۱۰۱، مکتبہ مصطفیٰ محمد صاحب مصر)

(وكذا في مناسک الملا علي القاري، باب شرائط الحج، ص: ۴۰، إدارة القرآن كراچی)

اگر بالغہ ہو تو اس کی اجازت سے نکاح کیا جائے (۱) اور اپنی طرف سے وکیل بھی بنا سکتی ہے (۲)، گواہوں کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ لڑکی کے محرم ہوں، نہ وکیل کیلئے محرم ہونا ضروری ہے، غیر شخص کو بھی بنانے کا حق ہے، مثلاً چچا زاد بھائی۔ خطبہ کیلئے کھڑا ہونا بھی ضروری نہیں اور "النکاح من سنتی" (۳) وغیرہ احادیث اگر نہ پڑھی جائیں تب بھی خطبہ ادا ہو جائے گا۔

تین مرتبہ ایجاب وقبول کرانا زائد بات ہے، ایجاب ایک دفعہ بھی کافی ہے۔ طلوع، زوال، غروب کے وقت بھی نکاح صحیح ہے۔ رجسٹر میں درج کرنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت، طریقہ مذکورہ پر (وکیل، گواہ وغیرہ کے نام لکھنا) یہ قانونی چیز ہے کہ بوقت ضرورت عدالت میں کام دے سکے اور نزاع کو ختم کرنا آسان ہو جائے۔ فقط

۳/ ۱۵، رشیدیہ)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء ... الخ: ۳/ ۲۰۸، رشیدیہ)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۲/ ۵۰۳، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۱) "عن أبي هریرة رضي الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لا تنکح الأیم حتی تستامر، ولا تنکح البکر حتی تستأذن" الخ". (مشکوة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولي في النکاح واستئذان المرأة، الفصل الأول، ص: ۲۷۰، قدیمی)

"قال في المحیط: والسنة أن یستأمر البکر ولیها قبل النکاح بأن یقول: إن فلاناً یخطبك أو یذکرك، فسکتت. وإن زوجها بغیر استئمار فقد أخطأ السنة، ویتوقف علی رضاها اهـ. وهو محمل النهي في حدیث مسلم: "لا تنکح الأیم حتی تستامر" الخ". (البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/ ۱۹۹، رشیدیہ)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۲/ ۴۹۵، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) "یصح التوکیل بالنکاح وإن لم یحضره الشهود". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب السادس في الوکالة بالنکاح وغیرها: ۱/ ۲۹۴، رشیدیہ)

(وکذا في التاتارخانیة، کتاب النکاح، الوکالة بالنکاح: ۲/ ۴۹، إدارة القرآن کراچی)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالی عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "النکاح من سنتي، فمن لم یعمل بسنتي فلیس مني" الحدیث. (سنن ابن ماجه، أبواب النکاح، باب ما جاء في فضل النکاح: ۱/ ۱۳۳، قدیمی)

نسب وغیرہ (۱)۔ عورت اگر بالغہ ہو تو وہ خود بھی بغیر سرپرست کے اور بغیر کسی وکیل کے براہ راست عقد نکاح کر سکتی ہے مگر اس کے لئے اتنی شرط ہے کہ اپنے کفو میں مہر مثل پر نکاح کرے، اپنے سے گرے ہوئے مرد سے نکاح نہ کرے جس سے اس کے خاندان کو عار لاحق ہو (۲)۔ اس کا سرپرست ولی بھی اس کا نکاح اس کی اجازت سے کر سکتا ہے اور یہی بہتر ہے۔ ولی نے اگر بغیر اس سے اجازت حاصل کئے اس کا نکاح کر دیا اور وہ معلوم ہونے پر خاموش ہو گئی یعنی رضامندی دی تب بھی نکاح معتبر ہو جائے گا (۳)۔

نکاح کے لئے کم از کم دو مسلمان مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ایجاب وقبول ضروری ہے، بغیر گواہوں کے یا صرف عورتوں کی گواہی پر یا غیر مسلمان کی گواہی پر ایجاب وقبول کرنے سے شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوتا (۴)۔ عورت اگر خود ایجاب وقبول نہ کرے، نہ اس کا ولی اس کا عقد کرے، بلکہ عورت کسی کو اپنی طرف

---

(۱) "هو عقد يفيد ملك المتعة: أي حل استمتاع الرجل. الخ". (الدر المختار). "(قوله: أي حل استمتاع الرجل): أي المراد أنه عقد يفيد حكمه بحسب الوضع الشرعي. وفي البدائع: إن من أحكامه ملك المتعة، وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها و سائر أعضائها استمتاعاً أو ملك الذات والنفس في حق التمتع. الخ". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۶، ۱۸۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها ... ولكن للولي الاعتراض في غير الكفوء". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۲۵۷، ۲۵۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۳، ۳۲۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها، بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز. الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۲۶۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، باب الولي: ۳/۵۸، سعيد)

(۴) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول ... اعلم أن الشهادة شرط في باب النكاح، لقوله عليه السلام: لا نكاح إلا بشهود". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

سے وکیل بنادے، اور وہ وکیل اس کی طرف سے ایجاب وقبول کرے تب بھی صحیح ہے، اگرچہ وہ وکیل کوئی عورت ہی ہو۔ وکیل بنانے کے لئے یا عورت سے نکاح کی اجازت کے لئے گواہوں کا ہونا شرط نہیں ہے۔ مسلم عورت کا ولی غیر مسلم نہیں ہوسکتا۔ غیر مسلم کو نکاح میں وکیل بھی نہ بنایا جائے (۱)۔

قاضی یا کوئی بھی ایجاب وقبول کرادے اس طرح درست ہے، بہتر یہ ہے کہ مجمع میں نکاح کیا جائے (۲)، اگر بغیر قاضی کے صرف دو گواہوں کے سامنے مرد اور عورت نکاح کرلیں تب بھی نکاح ہوجائے گا، اور نکاح کے ثبوت کے لئے گواہوں کا سننا بھی کافی ہے (۳)۔ نکاح کی مجلس منعقد ہونا بھی ضروری نہیں، جب کسی کے متعلق مشہور ہے اور سب جانتے ہیں کہ اس عورت کا نکاح فلاں شخص سے ہوا ہے، وہ اس کی بیوی ہے اور عورت انکار کرے اس کے باوجود وہ اس کی بیوی ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۰ھ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۹۹، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيدية)

(۱) "ولا ولاية لكافر على مسلم، لقوله تعالى: ﴿ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً﴾"

(الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۹، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في فتح القدير، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۲۸۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۲۱۴، رشيدية)

(۲) "ويندب إعلانه: أي إظهاره، والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد، لحديث الترمذي: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف" الخ". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۹، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۳، رشيدية)

(۳) "والمنصوص أنه يشترط سماعهما معاً مع الفهم على الأصح" الخ. (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۹، رشيدية)

"والصحيح اشتراط السماع؛ لأنه المقصود من الحضور، وسيأتي تمامه" الخ. (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۹۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) "جحود جميع العقود ما عدا النكاح فسخ". (الدر المختار، مسائل شتى: ۶/۷۵۱، سعيد)

نکاح کا مسنون طریقہ

سوال[۵۸۸۸]: نکاح کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ نیز کس طرح ایجاب وقبول کرائے اور کیا خطبہ پڑھے؟

محمد بشیر احمد، پرتاب گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، من يهدى الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. ويقرأ ثلث آيات. ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون﴾۔

اور دوسری آیت: ﴿يا أيها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً كثيراً ونساءً واتقوا الله الذى تساءلون به والأرحام، إن الله كان عليكم رقيباً﴾۔

تیسری: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولاً سديداً، يصلح لكم أعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم، ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيماً﴾۔

رواه أحمد والترمذى وأبو داود والنسائى وابن ماجه والدارمى. وفى جامع الترمذى: فسر الآيات الثلاث سفيان الثورى. وزاد ابن ماجه بعد قوله: "إن الحمد لله" "نحمده"، وبعد قوله: "من شرور أنفسنا": "ومن سيئات أعمالنا". والدارمى بعد قوله: "عظيماً": "ثم يتكلم بحاجته". وروى فى شرح السنة عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه فى خطبة الحاجة من النكاح وغيره". مشكوة، ص: ۲۷۸ (۱)۔

"وصحة العقد لا يرتفع بالفقد". (الفروق للكرابيسى: ۱/۱۴۰، كويت)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثاني، ص: ۲۷۸، قديمى)

(ومسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۳۷۲۰)، مسند عبد الله بن مسعود: ۱/۶۴۸، دار إحياء التراث، بيروت)

خطبہ مذکورہ پڑھنے کے بعد عورت کا نام مع ولدیت لے کر مرد سے کہے کہ "میں نے فلانہ بنت فلاں کا نکاح تمہارے ساتھ بعوض مہر مبلغ اتنے روپیہ کیا، کیا تم نے قبول کیا"؟ وہ مرد جواب میں کہے: "میں نے اس کو قبول کیا"۔ بس نکاح ہوگیا۔ اس کے بعد دعا کرے: "بارک اللہ لک، وبارک اللہ علیک، وجمع بینکما فی خیر" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال [۵۱۹۱]: شرعی شادی کا کیا طریقہ ہے؟ مختصر بیان کیا جائے تاکہ عمل میں لایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب شادی کرنے کا ارادہ ہو بلا کسی خاص بارات و بری (۲) وغیرہ کے اہتمام کے چند آدمیوں میں

= (وسنن أبي داود، كتاب النكاح، باب في خطبة النكاح: ۱/۲۹۵، إمداديه ملتان)

(وجامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ما جاء في خطبة النكاح: ۱/۲۱۰، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب النكاح، ما يستحب من الكلام عند النكاح: ۲/۸۰، قديمي)

(وابن ماجة، أبواب النكاح، باب خطبة النكاح: ۱/۱۳۶، قديمي)

(والدارمي، كتاب النكاح، باب في خطبة النكاح: ۲/۱۹۱، قديمي)

(وكذا في عمل اليوم والليلة لأبي بكر السني، باب خطبة النكاح، ص: ۱۹۹، ۲۰۰، نور محمد كتب خانه)

(وكذا في رد المحتار، مطلب: كثيراً ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۳/۸، سعيد)

(۱) (عمل اليوم والليلة، باب ما يقول الرجل إذا تزوج، باب خطبة النكاح، ص: ۲۰۲، نور محمد كتب خانه كراچي)

(وصحيح البخاري، باب كيف يدعى للمتزوج: ۲/۷۷۴، ۷۷۵، قديمي)

(۲) "بری: ساچق کا سامان، زیور، پارچہ جات وغیرہ جو دولہا کی جانب سے دلہن کے ہاں بھیجے جاتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۹۸، فیروز سنز لاہور)

ایجاب وقبول کرادیا جائے (۱)، اگر وسعت ہو تو چھوارے تقسیم کرادیے جائیں (۲)، دولہن کو دولہا کے گھر بھیج دیا جائے، جو کچھ چیز دولہن کو بطور سلامی دینا منظور ہو بلا کسی نمائش شہرت ورسوم کے فوراً یا بعد میں بھیج دیا جائے خواہ جہیز ہی اس کے ساتھ کردیا جائے۔ اور مہر حسب استطاعت ہو، شریعت نے اس کی ادنیٰ مقدار دس درہم قرار دی ہے، اس سے کم جائز نہیں (۳) اور زیادہ کی شریعت نے مقدار مقرر نہیں کی ہے، البتہ وسعت سے زیادہ ہونا چاہئے نہیں۔ زیادہ تفصیل دیکھنا ہو تو بہشتی زیور چھٹا حصہ دیکھئے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۴/۷۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۷/ جمادی الاولیٰ/۷۲ھ۔

---

(۱) "النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول ... ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲-۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳-۲۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۵/۳، رشيديه)

(۲) "إن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم حضر في إملاك رجل من الأنصار فأتى بطبق عليها جوز ولوز وتمر، فنثرت، فقبضنا أيدينا، فقال: "ما بالكم لا تأخذون؟" فقالوا: لأنك نهيت عن النهبى، فقال: "إنما نهيتكم عن نهبى العساكر، خذوا على اسم الله" فتجاذبنا وتجاذبناه". (إعلاء السنن، باب استحباب الوليمة وكونها بعد الدخول: ۱۱/۱۰، إدارة القرآن كراچی)

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقت نکاح چھوارے تقسیم کرنا سنت ہے۔

(۳) "أقله عشرة دراهم، لحديث البيهقي وغيره: "لا مهر أقل من عشرة دراهم". ورواية الأقل تحمل على المعجل". (الدر المختار، باب المهر: ۱۰۱/۳، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في أقل المهر: ۳۴۹/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، باب المهر: ۳۲۴/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۴) (بہشتی زیور، باب: مہر کا بیان، حصہ ششم، ص: ۲۳۵، دار الاشاعت کراچی)

نکاح کا شرعی طریقہ

سوال[۵۱۰۰]: نکاح کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ خود عورت یا اس کے ولی سے اجازت لے کر دو گواہوں کے سامنے عقد کرلیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۸۸ھ۔

نکاح کا طریقہ، ایجاب وقبول کون کرائے؟

سوال[۵۱۰۱]: شادی میں نکاح پڑھانے کے وقت امام صاحب نکاح قبول نہیں کرتے، بلکہ وکیل ہی قبول کراتے ہیں، یہ حق وکیل کا ہے یا امام صاحب کا؟ نکاح میں ایجاب وقبول کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کی طرف سے اس کا وکیل، ولی، امام، یا کوئی بھی گواہوں کے سامنے کہے کہ "میں نے فلاں کی بیٹی اتنے مہر پر تمہارے نکاح میں دی" لڑکا کہے کہ "میں نے اس کو قبول کیا"۔ لڑکی خود بھی گواہوں کی موجودگی میں اپنے متعلق یہ کہہ دے اور لڑکا قبول کرلے تب بھی درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۱۳۹۲ھ۔

---

(۱) "ویعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر ...... وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر، لیتحقق رضاهما، وشرط حضور شاهدین حرین مکلفین الخ". (الدرالمختار، کتاب النکاح ۳/۹، ۲۱، ۲۲، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح، ۲/۳۰۵، ۳۰۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب النکاح ۲/۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۴، مکتبه امدادیه ملتان)

(۲) "(وینعقد) متلبساً (بإیجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضی) ...... (کزوجت) نفسی أو بنتی أو موکلتی منک (و) یقول الآخر (تزوجت)". (الدرالمختار، کتاب النکاح ۳/۹، سعید)

(وکذا فی الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب النکاح ۲/۴، ۵، دارالمعرفة بیروت)

نکاح کا حکم وجوب وسنیت مطلق ہے یا بدلتا رہتا ہے؟

سوال [۵۱۱۲]: مسئلہ احکام نکاح سے متعلق جاننا چاہتا ہوں کہ نکاح کا حکم مطلق ہے یا اس کا حکم حال کے مطابق ہوتا رہتا ہے؟ از راہ کرم اس مسئلہ کے چند پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا حکم سب کے حق میں یکساں نہیں ہے۔ جس پر شہوت غالب ہو کہ بغیر نکاح کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو اور وہ مہر ونفقہ پر قادر ہو، اس کے ذمہ نکاح کرنا فرض ہے، نکاح نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا، اتنی بات بلا اختلاف ہے، چنانچہ ملک العلماء نے لکھا ہے:

"لا خلاف أن النكاح فرض حالة التوقان، حتى أن من تاقت نفسه إلى النساء بحيث لا يمكنه الصبر عنهن وهو قادر على المهر والنفقة ولم يتزوج، يأثم اهـ". بدائع: ۲/۲۲۸ (۱)۔

جس پر ایسا غلبہ شہوت نہ ہو اس کے متعلق متعدد اقوال ہیں: اصحاب ظواہر کے نزدیک نماز روزہ کی طرح فرض عین ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیع وشراء کی طرح مباح ہے، احناف میں سے بعض نے مندوب مستحب کہا ہے، بعض وجوب علی الکفایہ کے قائل ہیں، بعض وجوب علی العین کے۔ ان سب اقوال کے دلائل بدائع میں مذکور ہیں۔

راجح یہ ہے کہ اعتدال شہوت کے وقت یعنی جب کہ ابتلائے معصیت کا خطرہ بھی نہ ہو بلکہ مہر ونفقہ پر قدرت ہو اور ادائے حق زوجیت پر قدرت ہو اور ادائے نفقہ ومہر پر بھی قدرت ہو، سنت مؤکدہ ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ نکاح کی وجہ سے ترک فرائض وسنن کا خوف نہ ہو، نیز خوف جور نہ ہو، اسی حالت اعتدال میں اگر نہیں کرے گا تو ترک سنت مؤکدہ کے وبال میں ماخوذ ہوگا، اگر حالت اس اعتدال سے گری ہوئی ہو تو اس کے حق میں سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ اس حالت میں اگر ادائے مہر ونفقہ پر قدرت نہ ہو یا جور میں مبتلا ہو جائے، یا اس کی وجہ

(کذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی رکن النکاح ۳/۳۲۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب النکاح ۳/۳۱۱، دار الکتب العلمیہ بیروت)

سے فرائض وسنت ترک کرنے کی نوبت آجائے تو گنہگار ہوگا، ایسے شخص کو نکاح سے بچنا لازم ہوگا، بعض صورتوں میں نکاح کرنا مکروہ ہوگا اور بعض میں حرام ہوگا۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: "وصفته فرض وواجب وسنة وحرام ومكروه ومباح. اهـ". بحر: ۳/۷۹(۱)۔

پھر ہر ایک کا محمل بیان کیا ہے اور مختصر دلائل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے:

"أما الأول فبأن يخاف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج، بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه إلا به؛ لأن ما لا يتوصل إلى ترك الحرام إلا به، يكون فرضاً. وأما الثاني فبأن يخافه لا بالحيثية المذكورة؛ إذ ليس الخوف مطلقاً مستلزماً بلوغه إلى عدم التمكن، وبه يحصل التوفيق بين قول من عبّر بالافتراض وبين من عبّر بالوجوب. وكلٌّ من هذين القسمين مشروط بشرطين: الأول: ملك المهر والنفقة، فليس من خافه إذا كان عاجزاً عنهما آثماً بتركه، كما في البدائع.

الثاني: عدم خوف الجور، لو تزوج قدم الثاني، فلا افتراض بل مكروه، كما أفاده في فتح القدير، ولعله لأن الجور معصية متعلقة بالعباد، والمنع من الزنا من حقوق الله تعالى، وحق العبد مقدم عند التعارض، لاحتياجه، وغنى المولى تعالى.

وأما الثالث فحالة الاعتدال وسيأتي بيانه. وأما الرابع فبأن يخاف الجور بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه؛ لأنه إنما شرع لمصلحة من تحصين النفس وتحصيل الثواب، وبالجور يأثم ويرتكب المحرمات، فتعدم المصالح لرجحان هذه المفاسد. وأما الخامس فبأن يخافه لا بالحيثية المذكورة، وهي: كراهة تحريم. ومن أطلق الكراهة عند خوف الجور فمراده القسم الثاني من القسمين. وأما السادس فبأن يخاف العجز عن الإيفاء بمواجبه - كذا في المجتبى - يعني في المستقبل. وأما محاسنه فكثيرة" بحر. ۳/۷۹(۲)۔

حالتِ اعتدال میں نکاح کو سنتِ مؤکدہ قرار دیا گیا ہے، شرائط پائے جانے کے باوجود سنتِ مؤکدہ کا

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۰، رشيدية)

(۲) (البحر الرائق، المصدر السابق)

نکاح کا اعلان اور اس سے پہلے خطبہ اور اس کا مسجد میں ہونا اور جمعہ کا دن ہونا مستحب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۲/۱۳۹۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۲/۱۳۹۹ھ۔

اعلانِ نکاح کے مصالح

سوال [۱۰۱۰۳]: آپ نے یہ فرمایا ہے کہ "نکاح سے پہلے یا نکاح کے بعد اعلان ہو"، اعلان ہونا سخت ضروری امر ہے، حق سبحانہ تعالیٰ کی یہی غرض ہے کہ خفیہ نکاح کی اطلاع خاص و عام کو ہو، ورثاء کو بھی بیوی اور بچے تک کی بھی معلوم ہو سکے، کیونکہ پوشیدہ نکاح سے لوگوں سے کسی قسم کا تعارف نہیں ہوتا ہے، اگر نکاح سے پہلے یا بعد میں اطلاع نہ دی جاوے تو سخت نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ صرف خادم کی یہ عرض ہے کہ نکاح کی اطلاع اعلان تا زندگی معلوم نہ ہو۔ آپ یہ فرماویں کہ تا زندگی کے لئے خفیہ نکاح جائز ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً نکاح صرف دو گواہوں کے سامنے منعقد ہو جاتا ہے(۲)، البتہ اس کا اعلان کرنا مستحب ہے(۳)۔

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، ۲۲، سعيد)

(۱) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۴۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين، رجلين أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول" الخ. (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۲۱-۲۲، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۸۴، ۴۸۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". (رواه الترمذي)

اس میں بھی بہت سی مصلحتیں ہیں مثلاً اگر دو گواہ ہوں، ہے یک گواہ کہیں چلا گیا یا مر گیا اور عورت نے نکاح سے انکار کر دیا تو قضاءً ثبوت میں دشواری ہوگی، اولاد کے نسب میں بھی اشکال ہوگا، جن لوگوں کو نکاح کا علم نہیں وہ طرح طرح کی بدگمانیاں کریں گے، زوجین کے تعلقات کو حرمت اور زنا وغیرہ پر محمول کریں گے۔ اہلِ تجربہ سے یہ بات مخفی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/محرم/۵۹ھ۔

نکاح کا اعلان

سوال [۵۱۰۵]: بوقتِ نکاح اعلان کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر جماعت سے آدمی کثرت سے موجود ہوں پھر بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اور کس چیز سے شریعت میں اعلان کرنا جائز ہے؟ ہمارے یہاں رواج ہے کہ شادی میں گانے بجانے کے ساز و باجہ جو ہمارے ہاں مروج ہے اس سے اعلان کرایا جاتا ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا اعلان مستحب ہے "ویندب إعلانه"(۱) درمختار (۱۰۴۳-۱۰۴۴)۔ اعلان کے لئے

= قال ملا علي القاري رحمه الله تعالى: "أعلنوا هذا النكاح" أي بالبينة، فالأمر للوجوب، أو بالإظهار والاشتهار، فالأمر للاستحباب، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثاني: ۶/۳۰۳، رشيدية)

(۱) "ويندب إعلانه". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيدية)

(۱) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(۲) روى الترمذي عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". كذا في فتح القدير.

(والبحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيدية)

بوقتِ عقد محفل دف بجادینا کافی ہے، اور طریقۂ مروجہ پر باجا وغیرہ بجانا جیسا کہ سوال میں درج ہے جائز نہیں۔

"وكره كل لهو: أي كل لعب وعبث، فالثلاثة بمعنى واحد كما في شرح التأويلات، والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق، فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زي الكفار، واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلك حرام الخ". شامی ۵/۲۷۹ (۱)۔ "وعن الحسن: لا بأس بالدف في العرس ليشتهر. وفي السراجية: هذا إذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطرب الخ". شامی ۵/۲۴۷ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۱۳۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

بذریعۂ دف نکاح کا اعلان

سوال [۵۱۹۶]: گانا بجانا اور شہنائی جب حرام ہے تو دف باجا کس طرح حلال ہو؟ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ "اعلان نکاح اس سے کیا جائے" جس سے دف کے بجانے کی اباحت معلوم ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کے اعلان کا حکم ہے جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس پر دف بجایا جائے، اگر اعلان بلا دف کے ہو جائے تو اس کی ضرورت نہیں ہے، اور دف بھی وہ جس میں جلاجل نہ ہو، جلاجل کے ساتھ مکروہ ہے۔

— (مشکوٰة المصابیح، کتاب النکاح، باب إعلان النکاح والخطبة، الفصل الأول: ۲/۲۷۲، قدیمی)

(۱) (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۶/۳۹۵، سعید)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۴/۲۲۲، المكتبة الغفارية)

(۲) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۵۰، سعید)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع، المتفرقات: ۴/۲۲۳، المكتبة الغفارية كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۳۳، رشيديه)

"وروى الترمذي عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". كذا في فتح القدير والذخيرة"(۱)۔

اور جس ضرب دف اور ضرب فرمایا جس میں کوئی تطریب نہ ہو، صرف صوت مسموع ہو، اس میں کوئی لذت اور حظ نہیں ہے جیسا کہ سحری کی اطلاع کے لئے نقارہ بجادیا جائے، یا مدرسہ کے وقت کے لئے گھنٹہ بجادیا جائے۔

العرف الشذی میں ہے: "(قوله: الدف، الخ) ما يكون مجلداً من جانب واحد، وصرح الفقهاء بعدم جواز ذي جلاجل، أقول: تدل المسائل على الترسيع وجواز ما يقال له: الدهل، ويجوز النقارة ومثلها، فإنه لا ذوق ولا حظ في هذه الأشياء"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۹ھ۔

نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنا

سوال[۵۱۹۰]: اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ کو بغیر دیکھے نکاح کرنے پر راضی نہ ہو تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے کہ لڑکی کو دیکھ جائے؟ جواب مع حوالجات سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صاف صاف مطالبہ کرنا کہ مجھے دکھاؤ، میں خود دیکھوں گا تو مناسب نہیں، ہاں، کہیں موقع مل جائے

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۳/۳، رشيديه)

(والحديث أخرجه الترمذي في سننه في باب ما جاء في إعلان النكاح: ۲۰۷/۱، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۴۳۷/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(۲) (العرف الشذي، باب إعلان النكاح: ۲۰۸/۱، سعيد)

"قال الفقهاء: المراد بالدف ما لا جلاجل له، كذا ذكره ابن الهمام". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط: ۳۱۲/۶، رشيديه)

طور پر دونوں فریقین ایک دوسرے کو پسند کرنے کے لئے قطعی خود مختار ہیں، لہٰذا اس صورت میں کیا جائز اور صحیح نہیں ہوگا کہ دیکھنے کا موقع میسر کیا جائے۔

"نمائش" اور "دیکھنے" میں بڑا فرق ہے، میرا مقصود صرف دیکھنے سے ہے نمائش سے نہیں ہے۔ آپ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس کا اردو ترجمہ بھی کردیجئے، چونکہ بعض جگہ اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید جس سے عقدِ نکاح کرنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ وہ ایک دفعہ پہلے ایک نظر اس کو دیکھ لے تو اس کی شریعت نے گنجائش دی ہے۔ اگر زید کی کوئی محرم (خالہ، پھوپھی، نانی، دادی، وغیرہ) اپنے مکان پر زید کی منسوبہ کو پردے کے ساتھ بلالیں اور زید وہاں کسی کمرہ میں ہو جس کا منسوبہ کو علم نہ ہو اور وہاں سے دیکھ لے تو یہ درست ہے۔ اس صورت پر آپ کے پیش شدہ اشکالات وارد نہیں ہوں گے۔

مگر ہر شخص صاف صاف دیکھنے کا مطالبہ کرے اور یہ دروازہ کھول دیا جائے تو نہیں معلوم ایک ایک لڑکی کو شادی کرنے کے لئے کتنے لڑکوں کو دکھانے کی نوبت آئے گی، ایک ناپسند کرے گا، اس کی بھی شہرت ہوگی، اس سے احباب ناپسندیدگی کی وجہ دریافت کریں گے وہ اس کا حلیہ پوری تفصیل سے بتائے گا، گھوڑی اور گائے کی سی کیفیت ہوجائے گی کہ گاہک آتے ہیں، دیکھتے ہیں، ناپسند کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ شادی عمر بھر کے ساتھ کی نیت سے کی جاتی ہے (چھوڑنے کی نیت سے نہیں کی جاتی) لیکن ساتھ کا نباہ صرف صورت پر نہیں، بسا اوقات صورت اچھی ہونے کے باوجود طبائع کا ملاپ نہیں ہوتا، تعلیم نہیں ہوتی، اخلاق کی تربیت نہیں ہوتی، گفتگو شستہ نہیں ہوتی، اور بھی امور ہیں جن کو نباہ میں بڑا دخل ہے اور محض صورت دیکھ کر ان کے متعلق رائے صحیح قائم کرنا دشوار ہے، پھر منسوبہ کو بھی قلبی تعلق ہوگا یا نہیں۔

اس قسم کے امور کی وجہ سے ایک قوم نے مستقل انٹرویو شروع کردیا کہ تنہا کمرہ میں اپنی منسوبہ سے ملاقات کرکے بات ملاکر دیکھے، گفتگو اور خوش طبعی کرکے طرفین اندازہ کرلیں۔ ایک قوم نے یہ روش اختیار کی کہ لڑکے اور لڑکی کو خاندان والے واحباب کسی جگہ ساتھ رہنے دیں، زندگی کا کچھ حصہ گذارنے کے لئے تجربہ کے طور پر بھیج دیں کہ دونوں اپنے اپنے خاندان سے علیحدہ ہوکر کاروبار کریں اور سال دو سال کے بعد اگر اندازہ ہوجائے کہ نباہ ہوجائے گا تو پھر شادی کردی جائے، ورنہ تجربہ کے لئے لڑکے کے لئے دوسری لڑکی تجویز کی

عیب نکالنا اور تحقیر کرنا کفر ہے، ایسی چیز سے ایمان جاتا رہتا ہے(۱)۔ شریعت کی طرف سے نکاح میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے، لیکن مصالح اور معاشرت کی وجہ سے طرفین کی عمر میں تناسب کی رعایت رکھی جائے تو بہتر ہے(۲)۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل میں شبہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ آپ کا ہر فعل مصالح سے پُر تھا، اس نکاح میں بھی بے شمار مصالح تھیں جیسا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح میں بہت سی مصلحتیں تھیں جبکہ ان کی عمر چالیس سال تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵/ سال تھی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الثانی /۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ۔

کثرتِ ازدواج کی حکمت

سوال[۱۰۰۴۵]: کیا وجہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اقدس کے لئے نو یا سات ازواج مطہرات کو جائز قرار دیا اور عام امت کے لئے بیک وقت چار کی قدغن لگادی؟ واضح باد کہ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وذات مبارک میں -معاذ اللہ- کوئی تحدید وتخصیص نہیں ہے، بلکہ یہ کوئی کافر کا اعتراض ہوسکتا ہے، اس کی تشفی کے لئے وضاحت مطلوب ہے۔

محمد محمود قیس، کلبرگہ میسور اسٹیٹ۔

---

(۱) "ومن استخف بسنة أو حديث من أحاديثه عليه الصلاة والسلام، أو رد حديثاً متواتراً، أو قال: سمعناه كثيراً بطريق الاستخفاف، كفر". (مجمع الأنهر، باب أحكام المرتدين، ثم إن ألفاظ الكفر أنواع، الثاني في الأنبياء عليهم الصلاة والسلام: ۱/۶۹۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"من لم يقر ببعض الأنبياء عليهم السلام، أو عاب نبياً بشيء، أو لم يرض بسنة من سنن المرسلين عليهم السلام، فقد كفر". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يعود إلى الأنبياء عليهم السلام: ۵/۴۷۷، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع في أحكام المرتدين، ما يتعلق بالأنبياء: ۲/۲۶۳، رشيديه)

(۲) "وكونها دونه سناً". (الدر المختار). "(قوله: دونه سناً) لئلا يسرع عقمها، فلا تلد". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کثرتِ ازدواج کا منشا جذباتِ نفسانی کا غلبہ اور تسکین نہیں ہے جیسا کہ حاشیہ ذیل میں غور کرنے سے بغیر کسی کے سمجھائے، ایک سلیم الفطرت آدمی خود بخود سمجھ سکتا ہے:

پہلی شادی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵/سال کی عمر میں کی جب کہ قوتِ نامیہ کی ترقی ختم ہو جاتی ہے اور ایسی عورت سے جس کی ایک سے زائد شادیاں پہلے ہو چکی تھیں اور وہ بیوہ تھیں اور عمر چالیس سال تھی، پچاس سال سے عمر متجاوز ہونے تک ایک ایسی عورت پر کفایت کی، اس کے انتقال کے بعد پھر ایک نکاح کیا۔ مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد نو دس سال کی مدت میں تریسٹھ سال کی عمر تک زیادہ نکاح کئے۔ ان شادیوں میں کنواری صرف ایک تھیں، بقیہ سب بیوہ تھیں، یہ بات بھی نہیں کہ کنواری لڑکیوں کی آپ کے لئے کمی تھی، اگر جذباتِ نفسانی کے غلبہ کی وجہ سے یہ شادیاں کی جاتیں تو جوانی میں کی جاتیں، کنواریوں سے کی جاتیں۔

بات اصل یہ ہے کہ دینِ اسلام عورتوں اور مردوں سب کے لئے آیا ہے، بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً: حیض ونفاس، ان مسائل کو عورتوں تک پہونچانے کے لئے عورتیں ہی مناسب ہیں، مردوں سے متعلق مسائل تو خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم براہِ راست بیان فرما دیتے تھے اور عورتوں سے متعلق مسائل کی تلقین وتعلیم ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ذریعہ ہوتی تھی، اس طرح پر تعلیم وتلقین کی تکمیل کی گئی (۱)۔

---

(۱) "والحكمة في كثرة أزواجه أن الأحكام التي ليست ظاهرة يطلعن عليها، فينقلنها، وقد جاء عن عائشة رضي الله تعالى عنها من ذلك الكثير الطيب، ومن ثم فضلها بعضهم على الباقيات" (فتح الباري، كتاب الغسل، باب: إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد: ۱/۴۹۰، قديمي)

"ذكر في حكمة تكثير نسائه وحبه لهن أشياء: الأول: زيادة في التكليف حتى لا يلهو بهن حب الهن عن التبليغ. الثاني: ليكون مع من يشاهدها فيزول عنه ماير ميه به المشركون من كونه ساحراً. الثالث: الحث لأمته على تكثير النسل. الرابع: لتشرف به قبائل العرب بمصاهرته فيهم. الخامس: لكثرة العشيرة من جهة نسائه عوناً على أعدائه. السادس: نقل الشريعة التي لا يطلع عليها الرجال. السابع: محاسنه الباطنة، فقد تزوج أم حبيبة وأبوها في ذلك الوقت عدوه، وصفية بعد قتل أبيها ترو جها. فلو لم تطلع من باطنه على أنه أكمل الخلق، لنفرن منه". (تلخيص الحبير، الفصل في —

اگر دوسرے مردوں پر قیاس کرکے شادیوں کا اعتبار کیا جائے تو سمجھنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں کی قوت عطا ہوئی تھی، ایک مرد کے لئے چار کی اجازت ہے، اس اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر شادی کرتے تو آپ کے لئے ایک سو ساٹھ کی گنجائش تھی۔ نیز چالیس مردوں کی جو قوت عطا ہوئی تھی وہ اس دنیا کے چالیس مردوں کی نہیں بلکہ جنت کے چالیس مردوں کی قوت تھی اور جنت کے ایک مرد کی قوت دنیا کے ایک سو مردوں کے برابر ہے(۱)۔

اس لحاظ سے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر کمال ظاہر ہوتا ہے کہ اتنی قوت کے باوجود آپ اپنے نفس پر کس قدر قابو یافتہ تھے کہ اتنی کثیر قوت اور گنجائش کے باوجود کس قدر قلیل پر کفایت فرمائی۔ یہ تحقیقی جواب منصف مزاج کے لئے ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

= التخفيف في النكاح: ٣/١٣٦، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة)

"وكان للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم أن ينكح ما شاء، وذلك لأن ضرب هذا الحد إنما هو لدفع مفسدة غالبية دائرة على مظنة، لا لدفع مفسدة عينية حقيقية، والنبي صلى الله عليه وسلم قد عرف المظنة فلا حاجة له في المظنة، وهو مأمون في طاعة الله وامتثال أمره دون سائر الناس". (حجة الله البالغة، باب الحكمة في تحديد عدد الزوجات: ٢/٣٥٤، قديمي)

(١) "قال: كنا نتحدث أنه أعطي قوة ثلاثين". (صحيح البخاري، باب إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد: ١/٤١، قديمي)

"وفي صفة الجنة لأبي نعيم من طريق مجاهد مثله "وزاد من رجال أهل الجنة"، ومن حديث عبد الله بن عمرو رفعه "أعطيت قوة أربعين في البطش والجماع". وعند أحمد والنسائي، وصححه الحاكم من حديث زيد بن أرقم رفعه "إن الرجل من أهل الجنة ليعطى قوة مائة في الأكل والشرب والجماع والشهوة". فعلى هذا يكون حساب قوة نبينا أربعة آلاف". (فتح الباري، كتاب الغسل، باب إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد: ١/٤٩٨، قديمي)

(وكذا في إرشاد الساري: ١/٥٠٥، ٥٠٦)

(وكذا مرقاة المفاتيح: ٢/١٥٥، ١٥٦، باب مخالطة الجنب، الفصل الأول، رشيديه)

نکاح کے لئے پیر، جمعرات، جمعہ کی فضیلت

سوال [۵۲۰۱]: جیسے مہینوں میں عید شوال کا نکاح کے لئے مسنون یا مستحب بیان کیا جاتا ہے اسی طرح دنوں میں کوئی دن بھی مسنون یا مستحب بھی مشروع ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ، جمعرات، پیر کو فضیلت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۶ھ۔

نکاح ہر ماہ، ہر تاریخ میں درست ہے

سوال [۵۲۰۲]: قمری تاریخوں میں کس ماہ، کس دن اور کس تاریخ میں نکاح ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی ماہ کی کوئی تاریخ اور کوئی شب یا کوئی دن ایسا نہیں جس میں نکاح ناجائز ہو، ہر رات، ہر دن، ہر

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد" الحديث. (قوله: "واجعلوه في المساجد". هو إما لأنه أدعى إلى الإعلان أو لحصول بركة المكان. وينبغي أن يراعي أيضاً فضيلة الزمان ليكون نوراً على نور، وسروراً على سرور. قال ابن الهمام: يستحب مباشرة عقد النكاح في المسجد لكونه عبادة، وكونه في يوم الجمعة. اهـ. وهو إما تفاؤلاً للاجتماع أو توقع زيادة الثواب، أو لأنه يحصل به كمال الإعلان". (مرقاة المفاتيح: ۲۱۱/۶، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۳۱۵۲)، رشيديه)

"ويندب ... كونه في مسجد يوم الجمعة". (قوله: يوم الجمعة)، لأنه أشرف أيام الأسبوع". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۲/۵، كتاب النكاح، دار المعرفة، بيروت)

"(ويوم الجمعة ولو منفرداً) ... إن صومه بانفراده مستحب عند العامة كالاثنين والخميس ... وكذا في المحيط معللاً بأن لهذه الأيام فضيلة". (رد المحتار: ۴۱۵/۲، كتاب الصوم، سعيد)

تاریخ میں نکاح جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۵/۱۴۰۰ھ۔

اندیشۂ تقسیم وراثت سے نکاح نہ کرنا

سوال[۵۲۰۳]: دولڑکیوں کا باپ پہلے مرگیا تھا اور سوائے لڑکیوں کے اور کوئی لڑکا نہیں تھا، اس کی عورت ابھی زندہ تھی تو وراثت کا شریعت کے اعتبار سے پنجاب میں رواج نہیں ہے تو خاوند نے زمین اور گھر چھوڑا، اس کی مالک اس کی عورت تھی۔ اس کے مرنے کے بعد اب صرف دولڑکیاں رہ گئیں، وہ عاقلہ اور بالغ ہیں، ان کی منگنی والدہ نے اپنے بھائیوں کے لڑکوں کے ساتھ کروائی تھی۔

اب والدہ کے مرنے کے بعد والدہ کے بھائیوں نے ان لڑکیوں کو کہہ دیا کہ تم شادی نہ کراؤ اور خاوند کی طرف سے جو لڑکیوں کے چچا وغیرہ ہیں ان کے کہنے پر بھی شادی نہ کراؤ، اگر شادی کرالوگی تو شریعت کے اعتبار سے تو وہاں تقسیم نہیں ہے اور قانون کے اعتبار سے اب لڑکیوں کو حصہ نہیں ملتا۔ اب جب تک وہ لڑکیاں شادی نہ کراویں گے تب تک تو وہ مالک ہیں، اگر شادی ہوگئی تو دوسرے چچا وغیرہ کو جائیداد مل جائے گی۔

تو وہ چچا کہتے ہیں کہ ہم لڑکیوں کو قانون کی طرف سے اگر کسی طرح شادی کرانے پر مجبور کریں تو شریعت کے اعتبار سے گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ ہماری نیت ٹھیک ہے تاکہ ہر گناہ سے بچ جاویں، کیونکہ آج کل فتنہ کا زمانہ ہے اور وہ بائیس، پچیس برس کی ہیں۔ پھر انھوں نے زمین مزارعت پر دوسروں کو دے رکھی ہے جو کہ کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہیں اور وہ ان کے سامنے آتی جاتی ہیں، ہم کو شرم اور غیرت آتی ہے اور صرف ماموں کے کہنے پر شادی سے انکار کرتی ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر واقعی یہی ہے تو ماموں کی نیت صحیح نہیں، لڑکیوں کو ماموں کے کہنے پر عمل نہ کرنا چاہیے، بلکہ ان کو

---

(۱) نکاح کے بارے میں قرآن، حدیث اور فقہ کی عبارات مطلق ہیں، کسی معین دن اور تاریخ کی تخصیص نہیں اور مطلق کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ "المطلق يجري على إطلاقه". (شرح المجلة: ۱/۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في قواعد الفقه للمفتي محمد عميم الإحسان، ص: ۱۲۳، الصدف پبلشرز)

چاہیے کہ وہ سنت کے موافق نکاح کرلیں (۱)، پھر اگر کسی حیثیت سے لڑکیوں کا حصہ انہیں ملتا ہو، چچا کو ملتا ہو تو چچا کو لازم ہے کہ ان کا حصہ ان کے حوالہ کردیں، اس کو خود رکھنا حرام ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

☆ … ☆ … ☆ … ☆ … ☆

(۱) "لقد قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج"… عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "النكاح من سنتي، فمن لم يعمل بسنتي، فليس مني" الخ". (سنن ابن ماجة، باب ماجاء في فضل النكاح: ۱۳۳، مير محمد كتب خانه كراچی)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲۶۷، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾. والمراد من الأكل ما يعم الأخذ والاستيلاء، وعبر به؛ لأنه أهم الحوائج، وبه يحصل إتلاف المال غالباً . . . والمراد من الباطل الحرام كالسرقة والغصب وكل ما لم يأذن بأخذه الشرع". (روح المعاني، (سورة البقرة): ۲/۶۹، ۷۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

وقال الله تعالى: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

"قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية: ۱/۲۵۵، قديمي)

باب النکاح الصحیح

(نکاحِ صحیح کا بیان)

ثبوتِ نکاح کس طرح ہوتا ہے؟

سوال [۵۰۰۲]: زید کی لڑکی مسماۃ ہندہ غیر شادی شدہ عمر ۱۷ سال جوان عمر ہے، ایک مرتبہ خالد نے عمرو کو زید کی لڑکی ہندہ مذکورہ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو خالد کے دل میں شبہ ہوا کہ یہ ایک اجنبیہ لڑکی سے کیوں تخلیہ میں باتیں کررہا ہے؟ خالد نے ہندہ کے والد اور اپنے محلّہ کے معتبرین سے ذکر کیا تو عمرو سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ عمرو نے محلّہ کے مولوی صاحب اور دیگر معتبر آدمیوں سے حلفیہ طور پر بیان کیا کہ "خدا تعالیٰ کی قسم! ہندہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری اپنی لڑکی، خدا کرے میرا روسیاہ ہو جو میں جھوٹ بولتا ہوں، میں تو اس کو اپنی لڑکی کی طرح سمجھتا ہوں"۔ نیز عمرو کی زوجہ نے محلّہ کے اکثر گھروں میں جاکر بیان کیا کہ میں قسم کھاتی ہوں کہ میرا خاوند ہندہ کو اپنی لڑکی کی طرح سمجھتا رہتا ہے اور یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔

اس واقعہ کے بعد زید اور عمرو کی مصالحت کرادی گئی، بعد ازاں جب عرصہ چار ماہ کا گزر چکا تو ایک روز عمرو نے محلّہ کے مولوی صاحب سے بیان کیا کہ زید کی لڑکی مسماۃ ہندہ سے میرا دو سال کا میرا خفیہ طور پر نکاح پڑھا ہوا ہے، نکاح کا کاغذ لکھا ہوا ہے، دو گواہ بھی ہیں، نکاح خواں میں خود ہی ہوں، تین مرتبہ اس عرصہ میں ہندہ کو حمل ہوچکا جس کو دوائی پلا کر خود ہی ضائع کراتا رہا ہوں، اب ہندہ کو میرا ہی حمل ٹھہرا ہوا ہے، آپ عمر سے کہہ دیں کہ مجھ سے فیصلہ کرلیوے اور یہ لڑکی مجھے دیدیوے، اس کے عوض مجھ سے میری ہمشیرہ اور میری حقیقی لڑکی کا نکاح اپنے لئے اور اپنے لڑکے کے لئے لے لیوے۔

مولوی صاحب مذکور نے یہ تمام قصہ زید سے بیان کیا، زید نے جواب دیا کہ آپ اس نکاح کے کاغذ اچھی طرح تحقیق کرلیجئے، یہ شخص بہت مکار اور جھوٹا ہے، ہمیشہ جھوٹی قسمیں کھایا کرتا ہے اور نہایت چالاک شخص ہے، اگر واقعی اس کے پاس نکاح کا صحیح طور پر کاغذ موجود ہے اور بات اس طرح پر ہے تو پھر باہمی مشورہ کرکے بات کریں گے۔ مولوی صاحب نے عمرو کو بلوا کر فرمایا کہ آپ وہ نکاح کا کاغذ لے آویں تاکہ میں اس کو دیکھ کر غور

کروں، اسکے دیکھنے کے بعد آپ سے گواہ بھی بلوا لوں گا۔ عمر نے کہا کاغذ تو کسی دوسرے گاؤں میں ہے یہاں پر نہیں ہے، اگر فرمائیں تو گواہ حاضر کر دیتا ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ گواہ تو آج کل ایک دو ڈیڑھ دو روپیہ میں مل جاتے ہیں تم پہلے وہ کاغذ دکھاؤ۔ اس نے کاغذ دکھانے سے بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ کاغذ میں نہیں دکھاتا۔ عمر کے ایک دوست نے بیان کیا کہ کاغذ تو اس نے کوئی لکھوایا ہی نہیں ہے، کون گواہ بنتا ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے فرمایا کہ جب تم ہمیں کاغذ نہیں دکھاتے ہو تو اب ہمارے پاس تحقیق کا ذریعہ صرف لڑکی مسماۃ ہندہ ہی ہے، دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے، چنانچہ ہندہ سے دو مولوی صاحب نے جو سند یافتہ عالم ہیں ہندہ کے متعلق رسوں کی موجودگی میں دریافت کیا کہ عمر کہتا پھرتا ہے کہ میرا نکاح ہندہ سے عرصہ دو سال سے خفیہ طور پر دو گواہوں کے روبرو پڑھا گیا ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ نیز تو از روئے ایمان کہہ، بلا کسی کے اجبار وخوف کے: آیا عمر سے تیرا خفیہ طور پر نکاح ہوا ہے یا نہیں؟ ہندہ نے بلا کسی خوف کے دلیری سے بیان کیا کہ میں ایمان سے کہتی ہوں کہ عمر بالکل جھوٹ بولتا ہے، میرا اس سے کوئی خفیہ نکاح وغیرہ نہیں ہے۔ مولوی صاحبان نے فرمایا کہ تو سر پر کلام مجید رکھ کر کہہ کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو خدا کرے کلام مجید سے ماری جاؤں، اس نے اسی طرح بیان کیا اور کہا کہ میرا عمر سے کوئی نکاح وغیرہ نہیں ہے وہ جھوٹ بولتا ہے، تین چار مرتبہ یہی کلمات دہرائی رہی۔

اس کے بعد عمر سے کہا گیا کہ تم جھوٹے ہو، عمر نے کہا کہ میں آپ کو دو اس قسم کے نشانات بتلاتا ہوں جن کو یا تو وہ جانتی ہے یا میں جانتا ہوں، وہ نشان اس لڑکی کے آگے ظاہر کر کے میرے نکاح کے متعلق دریافت کیا جائے، اگر پھر بھی انکار کرے تو میں جھوٹا اور کاذب ہوں۔ چنانچہ بالکل تنہائی میں جا کر مولوی صاحبان نے دریافت کیا تو ہندہ نے بدستور سابق نکاح سے بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میرا نکاح عمر سے پڑھا گیا ہوتا تو میں کلام مجید سر پر رکھ کر کیوں انکار کرتی، عمر سے میرا قطعاً کوئی نکاح وغیرہ نہیں ہے۔ یونہی مجھ پر بہتان لگایا گیا ہے۔

اس کے بعد محلہ کے مولوی صاحبان نے زید سے کہا کہ عمر نکاح کے متعلق غلط کہتا ہے۔ چنانچہ اسی شب کو ہندہ کا نکاح خالد سے کر دیا گیا۔ قبل از نکاح ہندہ سے پھر گواہوں کے روبرو نکاح خواں نے دریافت کیا کہ کیا خالد سے تیرا نکاح کر دیا جائے؟ ہندہ نے بآواز بلند کہا کہ میری طرف سے اجازت ہے۔ چنانچہ ہندہ

مذکورہ کا نکاح خالد سے کردیا گیا اور ہندہ وخالد کا نکاح درج رجسٹر کرادیا گیا اور دونوں کے نشانِ انگشت نکاح کے رجسٹر پر لگا دیئے گئے، نکاح خواں اور گواہان کے دستخط بھی کرادیئے گئے، نکاح کی مجلس میں تقریباً چالیس آدمی موجود تھے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا نکاح خالد سے شرعی طور منعقد ہوگیا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندہ کا نکاح خالد سے صحیح نہیں ہوا ہے۔ نیز شراب کہتا پھرتا ہے کہ ہندہ سے میرا نکاح ہے۔ خالد کے نکاح میں شرعی طور پر کوئی نقص آیا ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر مفصل جواب ارشاد فرماویں تاکہ اطمینان ہوجاوے، جواب جلد دیں۔ فقط۔

نور محمد طالب علم از ابوہر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا ثبوت اولاً گواہوں سے ہوتا ہے(۱)، اگر عادل ثقہ معتبر کم از کم دو گواہ بھی موجود نہ ہوں تو پھر زوجین کی تصدیق کافی ہوتی ہے(۲)، اگر ایک انکار کردے تو نکاح کا ثبوت نہیں ہوتا، لہٰذا اگر دو عادل ثقہ گواہ موجود ہوں تو ان کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر عمر کے پاس دو معتبر گواہ موجود نہ ہوں تو اس کا قول معتبر نہیں اور خالد سے جو

---

(۱) "وسببه العدد: فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد، لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا نكاح إلا بشهود". وقوله: "لا نكاح إلا بشاهدين". الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الشهود: ۳/ ۴۰۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"ويشترط العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد، هكذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/ ۲۶۷، رشيدية)

(۲) "(قوله: ولا بالإقرار) لا ينافيه ما صرحوا به أن النكاح يثبت بالتصادق، لأن المراد هنا أن الإقرار لا يكون من صيغ العقد، والمراد من قولهم: إنه يثبت بالتصادق، أن القاضي يثبته به: أي بالتصادق، ويحكم به. أبو السعود عن الحموي". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۳/ ۱۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۸، رشيدية)

نکاح ہوا ہے وہ صحیح اور معتبر ہے، اور اگر عمر کے پاس دو شاہد موجود ہیں تو اس کا قول معتبر ہے اور خالد کا نکاح صحیح نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نکاح کے لئے ایجاب وقبول کو سننا ضروری ہے

سوال [۵۲۰۵]: نکاح کے گواہوں میں ایک گواہ وکیل (قاضی) کے ساتھ باپ تھے اور دوسرا گواہ لڑکی سے اجازت لے اور قبول کے وقت دونوں گواہ ایک ساتھ وکیل کے ایجاب جملہ کیا تو قبول بھی سنیں تو نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں بھی نکاح صحیح ہو جائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مذاق میں نکاح کا ایجاب وقبول

سوال [۵۲۰۶]: کوئی شخص کسی عورت سے کہے کہ "میں نے تجھ سے نکاح کیا" اور عورت بھی

---

(۱) "(فإن أحضرها) أي فإن أحضر المدعي البينة على وفق دعواه قضي بها: أي قضى القاضي بالبينة، لانتفاء التهمة عنها: أي عن الدعوى، لترجيح جانب الصدق على الكذب بالبينة الخ". (فتح القدير، كتاب الدعوى، ۸/۱۶۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، كتاب الدعوى: ۳/۲۰۰، شركت علميه ملتان)

(۲) "وإذا أذنت المرأة للرجل أن يزوجها من نفسه، فعقد بحضرة شاهدين جاز". (الهداية، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۲/۳۲۴، شركت علميه ملتان)

"ثم إذا تولى طرفيه قال المصنف: فقوله: زوجت فلانة من نفسي، يتضمن الشطرين، فلا يحتاج إلى القبول بعده، وكذا ولي الصغيرين القاضي وغيره، والوكيل من الجانبين يقول: زوجت فلانة من فلان". (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۳/۲۰۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

مذاق میں کہہ دے کہ "میں نے قبول کیا"۔ اور ایسے ہی خرید و فروخت میں بھی اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز مذاق کے طور پر فروخت کردے اور دوسرا بھی مذاق سے قبول کرلے تو کیا یہ بیع منعقد ہوجائے گی یا نہیں؟ نیز یہ بھی تحریر کردیں کہ کون سی چیزیں مذاق سے واقع ہوجاتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا ایجاب وقبول اگر مذاق میں گواہوں کے سامنے کیا جائے تو یہ نکاح منعقد ہوجائے گا (۱)۔ اگر بیع کا ایجاب وقبول مذاق میں کیا ہے حقیقۃً بیع کرنا مقصود نہیں تھا اور بائع ومشتری دونوں کو اس کا اعتراف ہے تو اس سے بیع منعقد نہیں ہوگی (۲)۔ آپ کو جس جس چیز کے متعلق دریافت کرنا مقصود ہو تو اس کو متعین کرکے دریافت کرلیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو "نور الانوار" دیکھیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ثلاث جدهن جد وهزلهن جد: النكاح، والطلاق، والرجعة". "(النكاح) فمن زوج ابنته هازلاً انعقد النكاح وإن لم يقصده". (فيض القدير: ۳/۴۲۸، رقم الحديث: ۳۴۵۱، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(۲) "ومنه ينعقد (أي البيع) مع الهزل لعدم الرضاء بحكمه معه". (الدر المختار). "والهازل يتكلم بصيغة العقد قولاً باختياره ورضاه، لكن لا يختار ثبوت الحكم ولا يرضاه". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في حكم البيع مع الهزل: ۴/۵۰۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۳/۲۰۹، كتاب البيوع، الباب العشرون، مطلب: بيع التلجئة، رشيديه)

(۳) "والهزل: وهو أن يراد بالشيء ما لم يوضع له، ولا ما صلح له اللفظ استعارة، وهو ضد الجد.
وإنه ينافي اختيار الحكم والرضاء به، ولا ينافي الرضاء بالمباشرة فصار الهزل بمعنى خيار الشرط أبداً في البيع، لعدم الرضاء بحكم البيع، لا لعدم الرضاء بنفس البيع، ولكن بينهما فرق من حيث أن الهزل يفسد البيع وخيار الشرط لا يفسده. وشرطه أي شرط الهزل أن يكون صريحاً مشروطاً باللسان بأن يذكر العاقدان قبل العقد أنهما يهزلان في العقد، ولا يثبت ذلك بدلالة الحال فقط، إلا أنه لم يشترط ذكره في العقد بخلاف خيار الشرط ... فإن تواضعا على الهزل بأصل البيع ... ثم جاء-

= اواتفقا على البناء ... يفسد البيع ولا يوجب الملك وإن اتصل به القبض ... كالبيع بشرط الخيار لهما ... وإن اتفقا على الإعراض ... فالبيع صحيح والهزل باطل، وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ عند البيع ... أو اختلفا في البناء والإعراض، فالعقد صحيح عند أبي حنيفة رحمه الله خلافاً لهما، فجعل أبو حنيفة رحمه الله صحة الإيجاب أولى ... وهما اعتبرا المواضعة المتقدمة ... وإن كان ذلك في القدر ... فإن اتفقا على الإعراض كان الثمن ألفين ... وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ، أو اختلفا فالهزل باطل والتسمية صحيحة عنده، وعندهما العمل بالمواضعة واجب والألف الذي هزلا به باطل ... وإن اتفقا على البناء على المواضعة، فالثمن ألفان عنده وإن كان ذلك في الجنس ... فالبيع جائز على كل حال من الأحوال الأربعة ... وإن كان في الذي لا مال فيه كالطلاق والعتاق واليمين، فذلك صحيح والهزل باطل بالحديث، وهو قوله عليه السلام: "ثلث جدهن جد وهزلهن جد: النكاح والطلاق واليمين" وفي بعض الروايات: "النكاح والعتاق واليمين" ... وإن كان المال فيه تبعاً كالنكاح ... فإن هزلا بأصله فالعقد لازم والهزل باطل ... وإن هزلا في القدر ... فإن اتفقا على الإعراض فالمهر ألفان بالاتفاق ... وإن اتفقا على البناء فالمهر ألف بالاتفاق ... وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ، أو اختلفا، فالنكاح جائز بألف في رواية محمد عن أبي حنيفة، وقيل: بألفين في رواية أبي يوسف عنه ... وإن كان في الجنس ... فإن اتفقا على الإعراض فالمهر ما سميا وإن اتفقا على البناء، واتفقا على أنه لم يحضرهما شئ، أو اختلفا، يجب مهر المثل في الصور الثلث ... وإن كان المال فيه مقصوداً كالخلع والعتاق على مال والصلح عن دم العمد، لأن المال مقصود في كل واحد من هذه الأمور ... فإن هزلا بأصله واتفقا على البناء على المواضعة بعد العقد، فالطلاق واقع والمال لازم عندهما ... لأن الهزل لا يؤثر في الخلع عندهما، ولا يختلف المال بالبناء أو بالإعراض أو بالاختلاف ... وعنده لا يقع الطلاق بل يتوقف على اختيار المرأة، سواء هزلا بأصله أو بقدره أو بجنسه ... وإن أعرضا: أي الزوجان عن المواضعة ... وقع الطلاق، ووجب المال إجماعاً ... وإن اختلفا فالقول لمدعي الإعراض، وإن سكتا فهو لازم إجماعاً ... وإن كان ذلك في القدر ... فإن اتفقا على البناء ... فعندهما =

نکاح کے لئے ایجاب وقبول کی ایک صورت

استفتاء [۵۲۰۸]: ۱:... زید کہتا ہے کہ سوال نمبر ۱،۲ میں روبرو گواہان دے کر یعنی دختر بکر کو نیز اس کی وکالت کو تین مرتبہ قبول کیا ہے اور دختر بکر نے بھی ہر دو سوال کے اندر زید کی زوجیت روبرو گواہان قبول کی ہے اور روبرو بکر کے زید کہتا ہے کہ میں نے دختر بکر کے تئیں کو جیسا کہ نکاح کے اندر قبول کرتے ہیں تین مرتبہ ہر دو سوال میں روبرو گواہان قبول کیا ہے اور دختر بکر نے بھی روبرو گواہان سوال نمبر ۱،۲ میں زید کی زوجیت میں جانا قبول کیا ہے اور زوجیت میں رہنا قبول کیا ہے۔

۲... ہر دو سوال کی شکل میں نکاح منعقد ہوا تھا، زید و دختر بکر و گواہان کو معلوم تھا کہ نکاح ہے۔

۳... ہر دو سوالات کے اندر گواہان موافق شریعت تھے۔

۴... زید کو اور دختر بکر کو ایجاب وقبول جیسا کہ نکاح کے اندر ہوتا ہے ہر دو جانب سے ویسا ہی ہوا ہے، ہر دو نے نکاح کو قبول کیا ہے۔

۵... ایک ہی مجلس میں ایک کا ایجاب اور دوسرے کا قبول ہوا ہے روبرو گواہان۔

۶... بکر و زید ایک ہی برادری سے ہیں، نیز دختر بکر بالغہ ہے۔

"کما سیجیء فی المأذون منهم من هؤلاء المحجورين وهو يعقله أجاز وليه أو رد، وإن لم يعقله فباطل". (الدر المختار)

"أقول: والذي يحل عقدة الإشكال ما قدمناه عن ابن الكمال، فإنه إن أريد بالمغلوب من غلب على عقله: أي الذي لا يعقل أصلاً، فالمراد به الذي يجن ويفيق ناقص العقل وهو المعتوه ... والمعتوه في تصرفاته كمميز ... وإن أريد به من لا يفيق من جنونه الكامل أو الناقص، ليحترز به عمن يفيق أحياناً، أي يزول عنه ما به بالكلية، وهذا كالعاقل البالغ في تلك الحالة". (رد المحتار، كتاب الحجر: ۶/۱۴۳-۱۴۴، سعيد)

"وأما ركن النكاح فهو الإيجاب والقبول، وذلك بألفاظ مخصوصة الخ". (بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/۲۲۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۷۰، رشيدية)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۷۶، امدادیہ ملتان)

ے دختر بکر کے نکاح کے اندر ایک مرد عاقل وعورت عاقل چودہ سالہ لڑکی بالغہ مسلمان شہادت میں

ہیں مندرجہ بکر کے بیان سوالات سے بروئے شرع نکاح ہوگیا ہے؟

فقط غلام محمد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مسلمان مرد اور دو عورت کے سامنے اگر نکاح کا ایجاب وقبول کیا جائے تو شرعاً نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور ان کی گواہی معتبر ہوتی ہے۔ چودہ سالہ لڑکی اگر بالغہ ہو تو اس کی گواہی بھی شرعاً نکاح میں معتبر ہے(۱)۔ لڑکی جب بالغہ ہے تو اس کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف نہیں رہتا اور ولی کو بغیر اس کی مرضی کے جبراً نکاح کردینے کا حق نہیں، بلکہ وہ اپنے نکاح میں خود مختار ہے اپنی مرضی سے اپنی برادری میں غیر مشکل پر بغیر ولی کی اجازت کے اپنا نکاح کرسکتی ہے(۲)۔ پس اگر بکر نے اپنی مرضی کے موافق کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں

---

(۱) "ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین، عدولاً کانوا أو غیر عدول". (الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰۶/۲، شرکة علمیة، ملتان)

(وکذا في الدر المختار، کتاب النکاح: ۲۲/۳، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، باب الأولیاء والأکفاء: ۱۵۵/۳، رشیدیة)

(۲) "وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم یعقد علیها ولي، بکراً کانت أو ثیباً عند أبي حنیفة الخ". (الهدایة، باب في الأولیاء والأکفاء: ۳۱۳/۲، مکتبه شرکة علمیة ملتان)

(وکذا في البحر الرائق، باب الأولیاء والأکفاء: ۱۵۵/۳، رشیدیة)

(وکذا في مجمع الأنهر، باب الأولیاء والأکفاء: ۳۳۴/۱، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

"المراد بالنفاذ الصحة وترتب الأحکام من طلاق وتوارث وغیرها، لا اللزوم، إذ هو أخص منها، لأنه ما لا یمکن نقضه، وهذا یمکن رفعه إذا کان من غیر کفؤ. وأما حدیث: "أیما امرأة نکحت نفسها بغیر إذن ولیها، فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل". وحسنه الترمذي. وحدیث: "لا نکاح إلا بولي" رواه أبو داود وغیره. فمعارض بقوله صلی الله علیه وسلم: "الأیم أحق بنفسها من ولیها" رواه مسلم وأبو داود والترمذي والنسائي ومالک في الموطأ. والأیم من لا زوج لها، بکراً أولا، فإنه لیس للولي إلا مباشرة العقد إذا رضیت، وقد جعلها أحق منه به. ویترجح هذا بقوة السند والاتفاق

کے سامنے زید سے یہ الفاظ کہے ہیں کہ "میں نے اپنی فلاں دختر کا نکاح تیرے ساتھ کر دیا، یا اپنی لڑکی تیرے نکاح میں دیدی" اور زید نے اس کے جواب میں کہا کہ "میں نے اس نکاح کو قبول کیا یا تمہاری لڑکی کو اپنے نکاح میں قبول کیا" تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہو گیا۔

یا زید نے اور دختر بکر نے تم از کم دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے اس طرح ایجاب وقبول کیا کہ مثلاً دختر بکر نے کہا کہ "میں نے اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں دے دیا، یا تمہاری زوجیت میں دے دیا"۔ اس کے جواب میں زید نے کہا کہ "میں نے اس کو قبول کر لیا"۔ یا زید نے کہا کہ "میں نے تم سے نکاح کر لیا" اس کے جواب میں دختر بکر نے کہا کہ "میں نے اس نکاح کو، یا تمہاری زوجہ بننے کو قبول کیا" تو شرعاً یہ نکاح صحیح ہو گیا (۱)، اب یہ بلا وجہ شرعی نہیں ٹوٹ سکتا، بکر کو اس کے فسخ کرانے کا حق نہیں۔ اس سے پہلے سوال میں بکر کا مقولہ تو نقل کیا تھا، لیکن اس کے جواب میں زید کی طرف سے نکاح کے قبول کرنے کا کوئی ذکر نہ تھا، اس لئے اس کا حکم اس وقت لکھ دیا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۵/۵۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ جمادی الاولیٰ/ ۵۲ھ۔

تین دفعہ ایجاب وقبول

سوال [۵۲۰۴]: ایجاب وقبول تین دفعہ کرانا اور گواہوں کا نام تین مرتبہ لینا ضروری ہے یا نہیں؟

= على صحته بخلاف العدلين الأولين، فإنهما ضعيفان أو حسنان أو يجمع بالتخصيص أو بأن النفي للكمال" الخ. (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۵۵/۳، ۵۹، سعيد)

(۱) "وينعقد: أي النكاح بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر　　كزوجت نفسي أو بنتي أو مؤكلتي منك، و يقول الآخر تزوجت". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۳۱۷/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین دفعہ ایجاب وقبول کی ضرورت نہیں، ایک دفعہ ہی کافی ہے(۱)۔ گواہوں کا نام لینا ضروری نہیں، البتہ گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

لڑکی کا اپنا ایجاب وقبول خود کرنا

سوال[۵۲۱۰]: ۱... ایک بالغہ نے برضا ورغبت حسب منشا باپ کے گھر سے ہم کفو پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ آکر ایک مولوی صاحب اور ان کی بیوی اور صاحب کا ایک بالغ لڑکا اور ان کا داماد اور ایک بالغ بھائی اور منکوحہ کی والدہ کے سامنے مع مہر معینہ پر ایجاب وقبول کرلیا۔ اب دریافت امر یہ ہے کہ ایسے ہی ایجاب وقبول سے دونوں کا نکاح شرعاً منعقد ہوجائے گا؟

۲... بلا اجازت ولی ایجاب وقبول ہوجانے میں ولی چاہتا تھا کہ حدیث: "أیما امرأۃ تزوج بغیر إذن ولیہا فنکاحہا باطل باطل باطل"(۳) پر عمل کرکے نکاح فسخ وباطل کرسکتا ہے؟

---

(۱) "النکاح ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدہما وقبول من الآخر". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

(وکذا فی الہدایۃ، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، شرکۃ علمیۃ ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۴۳، رشیدیہ)

(۲) "وشرط حضور شاہدین حرین مکلفین سامعین قولہما معاً". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۲۱، ۲۲، سعید)

(وکذا فی الہدایۃ، کتاب النکاح: ۲/۳۰۶، شرکۃ علمیۃ ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۵۵، رشیدیہ)

(۳) حدیث میں مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ نہیں ملی، البتہ کتب حدیث میں مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

"عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "أیما امرأۃ نکحت بغیر إذن ولیہا، فنکاحہا باطل، فنکاحہا باطل، فنکاحہا باطل، فإن دخل بہا فلہا المہر بما استحل =

۳۔ اگر موافق مذہب حنفیہ دونوں کا نکاح منعقد ہو گیا تو "وعند محمد ینعقد النکاح موقوفاً (أی علی إجازة الولی)" (۱)۔ جبکہ نکاح بدون اجازت ولی موقوف رہتا ہے تو ولی اجازت نہ دے کر اس ولد خاتون لڑکی کا نکاح دوسرے کسی کے ساتھ کر دینا جائز ہے؟ حالانکہ صاحب ہدایہ نے "ویروی رجوع محمد إلی قولهما" تحت میں "أی قول أبی حنیفة وأبی یوسف رحمهما الله تعالی" (۲)۔

۴۔ اگر امام ابو یوسف کے مذہب کے موافق کوئی صحیح نقل نہیں ہے تو امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ تعالی کے مذہب کے موافق نکاح فسخ یا باطل کرنے کی کوئی صورت بن سکتی ہے؟

۵۔ خود منکوحہ اور ولی منکوحہ مذہب حنفیہ کے مقلد ہیں اور منکوحہ بوقت نکاح مذہب حنفیہ کے مقلد رہے، اب ولی اپنی ضد کو برقرار رکھنے کی غرض سے صرف اس مسئلہ کے بارے میں امام شافعی کا مقلد بن کر یعنی تبدیلی مذہب کر کے اس نکاح باطل کر کے لڑکی کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کر دے جائز ہے؟

۶۔ تبدیلی مذہب کسی خاص غرض سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱۔ یہ نکاح شرعاً منعقد ہو گیا لیکن جس لڑکی کے سرپرست باپ موجود ہوں اس کو ایسا اقدام کرنا مناسب نہیں "فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضا ولی" درمختار (۳)۔

"فلها المهر بما استحل من فرجها، فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له" (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ما جاء لا نكاح إلا بولي: ۱/۲۰۹، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في الولي: ۱/۲۹۱، إمداديه ملتان)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح واستئذان المرأة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۰، قديمي)

(۱) (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۴، شركت علميه ملتان)

(۲) (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۳، شركت علميه ملتان)

(۳) (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۵۵، سعيد)

"يستحب للمرأة تفويض أمرها إلى وليها كي لا تنسب إلى الوقاحة" (رد المحتار: ۳/۵۵، سعيد)

اجازت نہیں(۱)۔

۵...اس کا جواب: ۳۴۳ میں آگیا۔

۶...جس مجتہد کے مذہب کو حق تصور کرکے اختیار کیا ہے، اس کے مذہب کو بلا مجبوری چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرنا درست نہیں: "وفی التتمة: قالوا: المنتقل من مذهب إلى مذهب باجتهاد وبرهان آثم يستوجب التعزير، فبلا اجتهاد وبرهان أولى انتهى". حموی، ص: ۳۶۵(۲)۔

"ليس للعامي أن يتحول من مذهب إلى مذهب، ويستوي فيه الحنفي والشافعي. وفي السراج: المنتقل إلى مذهب الشافعي ليزوج له: أخاف أن يموت مسلوب الإيمان لإهانته للدين لجيفة قذرة". فيه، ص: ۳۶۵. "أن الرجوع عن التقليد بعد العمل باطل اتفاقاً، وهو المختار في المذهب". در مختار: ۱/۵۶(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولی کی اجازت سے نابالغ کا ایجاب وقبول

سوال[۵۲۱۱]: جو لڑکا لڑکی نابالغ ہیں تو ولی ایجاب وقبول کرسکتا ہے یا نہیں؟ یا یہ خود ایجاب وقبول کرسکتے ہیں یا نہیں، جبکہ ان کو معلوم ہو کہ نکاح کے کیا معنیٰ ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بھی درست ہے کہ ولی نابالغ لڑکے لڑکی کی طرف سے ایجاب وقبول کرے اور یہ بھی درست ہے کہ ولی کی اجازت سے نابالغ ایجاب وقبول کرلے، کذا فی الشامی: ۲/۳۰۱(۴)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) (انظر الحاشية: ۳۰۳)

(۲) (الحموي شرح الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الحدود: ۱/۲۰۵، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (مقدمة الدر المختار، مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه: ۱/۷۵، سعيد)

(۴) "التصرف إن كان لها أب أو جد، زوجت نفسها، كذلك توقف؛ لأن له مجيزاً وقت العقد؛ لأن الأب والجد يملكان العقد، فلذلك والصغير كالصغيرة" (رد المحتار: ۳/۸۰، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

اور شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی کرانا صحیح نہیں، ان کو تو گھر میں رکھنے سے ہرگز نہ روکیں (۱)۔ ختنہ سنت ہے (۲) اور اس کی تاکید ہے، مگر اس کی وجہ سے نکاح ناجائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۸ھ۔

کیا نکاح کے وقت والد کا نام لینا ضروری ہے؟

سوال [۵۲۱۳]: کیا نکاح میں بوقت ایجاب وقبول دولہا دلہن کے والد کا نام لینا ضروری ہے؟ نیز اگر نام نہیں لیا صرف عمر تو کیا نکاح ہو گیا ہے یا دوبارہ پڑھنا پڑے گا؟ نیز ولد الزنا یا لقیط کا نکاح کس طرح پڑھا جائیگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بغیر والد کا نام لئے بھی دولہا دلہن کی پہچان میں کوئی شبہ نہ رہے تو بھی نکاح صحیح ہو جائے گا، مثلاً: دونوں مجلس میں سامنے موجود ہیں اور گواہوں کے سامنے دونوں خود ہی ایجاب وقبول کرلیں، یا ان کا ولی کہہ دے کہ اس کا نکاح اس سے کردیا، یا خود ان کے متعین ہونے کو خود جانتے ہیں، والد کا نام لینے سے مقصود تعارف ہوتا ہے، وہ جس طرح بھی ہو جائے صحیح ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "والثاني: أنه نهي للأولياء عن المنع عن نكاحهن أنفسهن من أزواجهن إذا تراضى الزوجان" الخ.
(بدائع الصنائع، فصل في ولاية الندب: ۳/۳۷۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "والأصل أن الختان سنة، كما جاء في الخبر، وهو من شعائر الإسلام" الخ. (رد المحتار، مسائل شتى: ۶/۷۵۱، سعيد)

"واختلفوا في الختان، قيل: إنه سنة وهو الصحيح، كذا في الغرائب". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان الخ: ۵/۳۵۷، رشيديه)

(۳) "والمحصل أن الغائبة لابد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها، وإن كانت معروفة عند الشهود على قول ابن الفضل، وعلى قول غيره يكفي ذكر اسمها إن كانت معروفة عندهم، وإلا فلا، وبه جزم

رجسٹر میں ولدیت بدلنے سے نکاح پر اثر

سوال [۵۲۰۴]: ایک شادی کے رجسٹر میں دولہا کی ولدیت میں لڑکے کے ماموں کا نام لکھا گیا، اس صورت میں یہ شادی درست ہوگی یا نہیں؟ چونکہ لڑکا بچپن میں اپنے ماموں کی تربیت میں تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ لڑکی دولہا کے یہاں جاتی ہے اور گواہ اس کو دیکھ رہے ہیں تو انعقادِ نکاح کیلئے اتنی بات کافی ہے، رجسٹر میں بالکل ہی اندراج نہ ہو تب بھی نکاح صحیح ہے (۱)۔ والد کے نام کی جگہ ماموں کا نام لکھ دیا گیا ہو، کیونکہ وہ ماموں کی تربیت میں تھا، تب بھی نکاح میں خرابی نہیں آئی، والد کے نام کی ضرورت رفعِ جہالت کیلئے ہوتی ہے جو حاضر میں موجود نہیں، کذا فی رد المحتار، ص: ۲۷۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۹۳ھ۔

= صاحب الهداية في التجنيس، وقال: لأن المقصود من التسمية التعريف، وقد حصل، الخ".

(رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۲۲، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۷، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول، الفصل الأول: ۱/۳۲۳، رشيدية)

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، ۲/۳۰۵، شركة علمية ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۳۳۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "قوله: ولا المنكوحة مجهولة، قلت: وظاهره أنها لو جرت المقدمات على معينة وتميز عند الشهود أيضاً، يصح العقد، وهي واقعة الفتوى؛ لأن المقصود نفي الجهالة، وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود، وإن لم يصرح باسمها . فإن عرفها الشهود وعلموا أنه أرادها، كفى ذكر اسمها، وإلا لابد من ذكر الأب والجد". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب التزوج بإرسال كتاب: ۳/۱۵، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۰، رشيدية)

نکاح پڑھاتے وقت غلطی سے نام بدلا گیا

سوال [۵۱۰۱]: کچھ ماہ پہلے میری شادی ہوئی تھی، میری بیوی کا اصلی نام کوثر حسین ہے، لیکن نکاح میں اقرار کے وقت قیصر جہاں کے نام سے اقرار کرایا گیا، قاضی صاحب نے قیصر جہاں ہی نام لیکر مجھ سے تین مرتبہ اقرار کرایا، اور رسید میں بھی قیصر جہاں نام ہے۔ ذہنی الجھن میں مبتلا ہوں کہ یہ نکاح ہوا ہے یا اس میں کچھ خامی ہے؟ شرعی اعتبار سے مجھے کیا کرنا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اصلی نام قیصر جہاں تھا، لیکن صحیح تلفظ نہ ہونے کی وجہ سے کوثر حسین کہنے لگے، یا اصلی نام کوثر حسین تھا، اسی کو قیصر جہاں کہنے لگے، یا دونوں ہی نام ہیں کوئی کوثر حسین کہتا ہے کوئی قیصر جہاں، تو ان سب صورتوں میں نکاح صحیح ہوگیا۔ اگر نام ایک ہی ہے اور وہی لیا جاتا ہے اور جس نام سے قبول کرایا جاتا ہے اور جس نام سے قبول کرایا گیا ہے وہ نام نہیں ہے اور غلطی سے نام بدل گیا تو دو گواہوں کے سامنے دوبارہ ایجاب وقبول کرلیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۱۵ھ۔

---

(۱) یہ حکم اس وقت ہے جبکہ گواہوں نے زوجہ کو نہ دیکھا ہو، لیکن اگر زوجہ کو گواہوں نے پہچان لیا ہو اور پھر نام لینے میں غلطی ہوتو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا:

"غلط وكيلها في اسم أبيها بغير حضورها، لم يصح للجهالة، وكذا لو غلط في اسم بنته، إلا إذا كانت حاضرةً وأشار إليها، فيصح". (الدر المختار). (قوله: إلا إذا كانت حاضرة) راجع إلى المسئلتين: أي فإنها لو كانت مشارًا إليها وغلط في اسم أبيها أو اسمها، لا يضر؛ لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية، لما في التسمية من الاشتراك العارض، فتلغو التسمية عندها كما لو قال: اقتديت بزيد هذا فإذا هو عمرو، فإنه يصح". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۲۶/۳، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۳۲۲/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب النكاح: ۱۵۰/۳، رشيدية)

"أو لم تكن ووقع في قلبه صدقها، فلا بأس بأن تزوجها، الخ". (الدر المختار، كتاب الطلاق،=

قبولِ اسلام کے بعد نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۱۶]: ایک مسماۃ عیسائی اپنے کو یہ کہتی ہے کہ میرا شوہر تو مر گیا اب میں مسلمان سے شادی کر کے رہنا چاہتی ہوں۔ ایسی صورت میں اس عورت کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلام قبول کرنے، عدت گزر چکی ہو تو کسی مسلمان سے شادی کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲/۱/۹۶ھ۔

نومسلم کا نکاح

سوال[۵۲۱۷]: زید کا لڑکا عمر عیسائی ہے، بکر کی لڑکی فریدہ مسلمان ہے بالغہ ہے، عمر اگر مذہب اسلام قبول کرلے تو کیا فریدہ کا نکاح عمر سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

= باب الطلاق: ۵۲۹/۳، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۳۱۳/۵، رشيديه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن، ولأمة مؤمنة خير من مشركة ولو أعجبتكم﴾ (سورة البقرة: ۲۲۱)

"لايجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا كتابي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۲۸۲/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۳/۶۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

قال الله تعالى: ﴿فإذا بلغن أجلهن، فلاجناح عليكم فيما فعلن في أنفسهن بالمعروف﴾ (البقرة: ۲۳۴) "وعن المسور بن مخرمة أن سبيعة الأسلمية نفست بعد وفاة زوجها بليال، فجاءت النبي صلى الله عليه وسلم فاستأذنته أن تنكح، فأذن لها فنكحت" (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب العدة، الفصل الأول، ص: ۲۸۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بالکل ہوسکتا ہے(۱) مگر اس کا بھی اطمینان کرلیا جائے کہ یہ قبول اسلام محض نکاح ہی کی خاطر تو نہیں، کہیں نکاح کے بعد کہیں لڑکی کا دین ہی تباہ ہو جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۸۸ھ۔

عدت کے بعد نومسلمہ کا نکاح

سوال[۵۲۱۸]: ایک غیر مسلم لڑکی تھی جو شادی شدہ تھی، ایک مسلم کا اس سے تعلق ہو گیا اور لڑکی نے پانچ دنوں بعد اسلام قبول کر لیا، ایک سال سے وہ لڑکی اس مسلمان کے ساتھ رہ رہی ہے، ابھی تک انہوں نے نکاح نہیں کیا، لڑکی چاہتی ہے کہ نکاح ہو جائے۔ کیا دونوں کا نکاح درست ہوگا، اور اس لڑکی کے لئے عدت بھی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلام قبول کرنے کے بعد سال بھر گزر چکا ہے تو اب اس کی شادی اس شخص سے درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) "ومنها: إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمة، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالى: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۳/۵۰۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۱/۲۸۲، رشيدية)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث المحرمات من النساء، زواج المسلمة بالكافر: ۹/۶۶۵۲، رشيدية)

(۲) "ولو أسلم أحدهما ثمة لم تبن حتى تحيض أو تمضي ثلاثة أشهر قبل إسلام الآخر ... بعدة ... وهل تجب العدة بعد مضي هذه المدة؟ إن كانت المرأة حربية فلا؛ لأنه لا عدة على الحربية، وإن كانت هي المسلمة فخرجت إلينا فتمت الحيض هنا، فكذلك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى خلافاً لهما؛ لأن المهاجرة لا عدة عليها عنده، خلافاً لهما، كما سيأتي. بدائع وهداية، وجزم الطحاوي بوجوبها، قال في البحر: وينبغي حمله على اختيار قولهما" الخ. (الدر المختار مع

نومسلمہ کا نکاح

سوال[۵۱۱۹]: ایک عورت غیر مسلمہ کی شادی اپنے مذہب کے اعتبار سے سات سال کی عمر میں ہوچکی تھی، لیکن بلوغ تک نہ شوہر کے گھر گئی، نہ اس سے کچھ تعلق پیدا کیا۔ اس کے بعد وہ ایک مسلمان کے گھر رہنے لگی اور مسلمان ہوکر اسی دن اس سے شادی کرلی، اس کے بھائی اس کی شادی دوسری جگہ کردینا چاہتے تھے۔ شادی کے بعد اس کا ایک لڑکا چار سال بعد ہوا، تو کیا قبولیتِ اسلام کے بعد کیا ہوا نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر والی عورت (مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ) جب دار الحرب میں اسلام قبول کرے تو تین حیض گذرنے پر اس کا نکاح فسخ ہوتا ہے، پھر اگر غیر مدخولہ ہو تو اس پر عدت واجب نہیں ہوتی، بلکہ نکاح فسخ ہونے کے بعد اس کا نکاح درست ہوجاتا ہے۔ صورتِ مسئولہ میں اسلام قبول کرتے ہی اس کا نکاح دوسری جگہ کردیا گیا، یہ درست نہیں ہوا، تین حیض کا انتظار لازم تھا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

نومسلمہ کا نکاح

سوال[۵۱۲۰]: ہندوستان میں ایک عورت مسلمان ہوگئی اور اس کا خاوند کفر پر ہے، اس میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندوستان اگر دار الحرب ہے تو فرقت کے لئے تین حیض ضروری ہے، کیونکہ اسلام عدمِ ولایت کی وجہ سے پیش نہیں کیا جاسکتا، مگر یہاں بعض دفعہ میں پیش کیا جاسکتا ہے بعض دفعہ نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اور اگر دار الامن ہے تو مذکورہ صورت کا کیا حل ہے، آیا مہاجرۃ النساء کی صورت ہے؟ غرضیکہ جیسی تحقیق ہو تحریر ہو۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے فرقت تین حیض سے لکھی ہے۔ کیا وہ بھی صورت ہے جو

---

(۱) ردالمحتار، باب نکاح الکافر: ۳/۱۹۰، ۱۹۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب نکاح الکافر: ۳/۳۷۰، رشیدیہ)

(وکذا فی النہر الفائق، باب نکاح الکافر: ۲/۲۸۸، امدادیہ ملتان)

(وکذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند، باب وہ عورتیں جن سے نکاح درست ہے: ۷/۱۹۲، امدادیہ ملتان)

(۲) (راجع، ص: ۵۰۵، رقم الحاشیۃ: ۲)

ہندوستان میں باقی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کے متعلق پہلے سے اختلاف چلا آتا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت شاہ اسماعیل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دارالحرب فرمایا ہے، مولانا عبدالحی صاحب اور نواب صدیق صاحب اور مولانا عبدالباری صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کا انکار کیا ہے۔ فریقین اس تحقیق کی میں اور اپنے دعوے پر دلیل بھی پیش کرتے ہیں جیسا کہ مجموعہ فتاوی (۱) اور فتاوی عزیزی میں موجود ہے (۲) اور یہ اختلاف درحقیقت دارالحرب کے آثار اور صورت میں اکابر ائمہ کے اختلاف پر مبنی ہے، مبسوط (۳)، عالمگیری (۴)، شامی (۵) وغیرہ میں ان اکابر کے اقوال دارالحرب کی تعریف کے متعلق ذکر کرتے ہیں۔

---

(۱) (مجموعة الفتاوى: ۱/۲۳۴، كتاب الصلاة، سعيد)

(۲) (فتاوى عزيزى (فارسى): ۱/۳۳، سعيد)

(۳) "والحاصل أن عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى إنما تصير دارهم دار الحرب بثلاثة شرائط: أحدها أن تكون متاخمة أرض الترك ليس بينها وبين أرض الحرب دار للمسلمين، والثاني أن لا يبقى فيها مسلم آمن بإيمانه ولا ذمي آمن بأمانه، والثالث أن يظهروا أحكام الشرك فيها. وعن أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى إذا أظهروا أحكام الشرك فيها فقد صارت دارهم دار حرب؛ لأن البقعة إنما تنسب إلينا أو إليهم باعتبار القوة والغلبة، فكل موضع ظهر فيه حكم الشرك فالقوة في ذلك الموضع للمشركين فكانت دار حرب، وكل موضع كان الظاهر فيه حكم الإسلام فالقوة فيه للمسلمين، ولكن أبو حنيفة رحمه الله تعالى يعتبر تمام القهر والقوة؛ لأن هذه البلدة كانت من دار الإسلام محرزة للمسلمين فلا يبطل ذلك الإحراز إلا بتمام القهر من المشركين، وذلك باستجماع الشرائط الثلاث". (المبسوط للسرخسي، باب المرتدين: ۱۰/۱۱۴، مكتبه حبيبيه كوئته)

(۴) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، مطلب فيما تصير به دار الحرب دار إسلام وعكسه: ۲/۲۳۲، رشيديه)

(۵) (رد المحتار على الدر المختار، باب المستأمن، مطلب فيما تصير به دار الإسلام دار حرب وبالعكس: ۴/۱۷۴، سعيد)

ی اختلاف کی بناء پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کا تحریر فرمانا احوط ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ تین حیض کے گزرنے کے بعد ایسی عورت کا نکاح منقطع ہوگا اور پھر تین حیض اور عورت کو انتظار کرنا چاہیے، غرض چھ حیض کے بعد اس کو نکاح ثانی کی اجازت ہوگی، یہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر عدت واجب نہیں، لہٰذا صرف تین حیض گزر جانے پر نکاح ثانی درست ہوگا، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ارجح ہے۔

ہندوستان میں بلکہ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے محض قبول اسلام کی بناء پر مہاجرۃ النساء کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے

"(وإذا أسلم أحدهما) أي في دار الحرب لم تبن حتى تحيض ثلاثاً أو تمضي ثلاثة أشهر قبل إسلام الآخر، إقامة لشرط الفرقة مقام السبب، وليست بعدة لدخول غير المدخول بها". قال الشامي: "(قوله: وليست بعدة) أي ليست هذه المدة عدة؛ لأن غير المدخول بها داخلة تحت هذا الحكم، ولو كانت عدة لاختص ذلك بالمدخول بها. وهل تجب العدة بعد مضي هذه المدة؟ فإن كانت المرأة حربية، فلا؛ لأنه لا عدة على الحربية، وإن كانت هي المسلمة فخرجت إلينا فتمت الحيض هنا، فكذلك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، خلافاً لهما؛ لأن المهاجرة لا عدة عليها عنده، خلافاً لهما، كما سيأتي" الخ. رد المحتار: ۲/۲۹۰، مطبوعہ نعمانیہ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۷/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۰/رجب/۶۲ھ۔

---

(۱) (رد المحتار مع الدر المختار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، مطلب: الصبي والمجنون ليسا بأهل لإيقاع الطلاق: ۳/۱۹۱، ۱۹۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۲۲۷، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك: ۳/۲۲۱، ۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۲/۲۸۸، إمدادية ملتان)

بچوں کے نکاح کا طریقہ

سوال[۵۲۲۱]: ۹/ سال سے کم عمر کے بچوں کے نکاح کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں کی طرف سے ان کے لئے ان کے والد ایجاب وقبول کریں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۹۳ھ۔

جو لڑکی سنی ہوجائے اس سے نکاح کرنا

سوال[۵۲۲۲]: میں شیعہ لڑکی سے محبت کرتا ہوں، اس لڑکی کی عمر ۳۰/ یا ۳۲/ سال ہے اور میری عمر ۲۸/ سال ہے، اس کی والدہ بمبئی میں گذر گئی تھیں، اس کی دادی نے اس کو پالا ہے، اس کی دادی آٹھ سال سے پاگل ہے اور والد گونگے اور بہرے ہیں، وہ لڑکی اپنے والدین کی اکیلی ہے اور وہ لڑکی بے رنگی ہے اور وہ لڑکی بہت غریب ہے اور میرے گھر والے اس رشتے کے خلاف ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس لڑکی سے شادی کرلوں اور وہ لڑکی بھی میرے سے شادی کیلئے تیار ہے اور میرے پاس شادی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور وہ لڑکی اپنا شیعہ مذہب چھوڑ کر سنی ہوجائے گی اور اس لڑکی نے کہا ہے کہ اگر وہ شادی نہیں کرے گا تو وہ خودکشی کرے گی۔ اس لئے آپ سے فتویٰ چاہتا ہوں، مہربانی کرکے جواب سے جلد از جلد نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ اس کے حقوق ادا کرسکتے ہیں تو اس سے شادی کرلیں، حقوق میں کھانا کپڑا رہنے کیلئے مکان بھی داخل ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وللولی إنکاح الصغیر والصغیرة" (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی: ۳/۶۵، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۲۰۸، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۲/۵۰۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "یا معشر الشباب! من استطاع منکم الباءة فلیتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج". (مشکوة المصابیح، =

بغیر عورت کی اجازت کے نکاح جب کہ وہ رضامند نہ ہو اور سہیلی کا انگوٹھا لگانا

سوال[۵۲۲۲]: ایک لڑکی کا نکاح ہونے لگا، نکاح کے وقت لڑکی سے اجازت نہیں لی گئی، بلکہ اس کی والدہ نے اجازت دے دی اور رجسٹر میں بھی اس کی سہیلی نے انگوٹھا لگا دیا، بعد لڑکی رضامند تھی اور لڑکی بالغ بھی تھی۔ اس حالت میں نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکی نے بعد عقد اس کو منظور کر لیا ہو قولاً ہو یا فعلاً تو یہ نکاح صحیح ہوگا(۱)، سہیلی کا انگوٹھا لگانا بیکار ہے جبکہ اس کا ایجاب وقبول نہیں کرایا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

= إسلام الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الصبي والمجنون ليسا بأهل لإيقاع الطلاق: ۳/۱۹۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۳۷۰، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك: ۳/۴۲۱، ۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

اور باقی تین ماہواریاں اس منکوحہ کی عدت ہیں، قال اللہ تعالیٰ: ﴿والمطلقٰت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ [البقرة: ۲۲۸]

(۱) "ومنها رضا المرأة إذا كانت بالغة، بكراً كانت أو ثيباً، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۹، رشيدية)

"وتثبت الإجازة لنكاح الفضولي بالقول والفعل، كذا في البحر الرائق". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۱/۲۹۹، رشيدية)

"ومن شرائط الإيجاب والقبول ... وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر ليتحقق رضاهما". (الدرالمختار) "(قوله: ليتحقق رضاهما) أي ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا، إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۲۱-۲۲، سعيد)

"وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها، الخ". (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

حیض نہ آنے اور خصیتین ابھرے ہوئے نہ ہونے کی حالت میں نکاح

سوال[۵۲۲۵]: زید کا نکاح ہندہ سے ہوا تھا، خلوت صحیحہ کا بھی ثبوت ہے، مگر چار سال کے بعد ڈاکٹروں نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ہندہ مرد کے قابل نہیں، حیض نہیں آتا ہے نہ خصیتین ابھرے ہوئے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا یا نہیں؟ بصورت نکاح مہر کا لزوم ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خصیتین کے نہ ابھرنے اور حیض نہ آنے کے باوجود اگر اس کے محل جماع ہے تو زید اس کے پاس جا کر ہمبستری کر سکتا ہے اور نکاح بھی صحیح ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۱/۹۳ھ۔

جواب صحیح ہے: چونکہ خلوت ہو چکی ہے اس لئے مہر بھی پورا لازم ہوگا(۲)۔ بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "هو عند الفقهاء: عقد يفيد ملك المتعة، أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي، فخرج الذكر والخنثى المشكل، الخ" (الدر المختار). "وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها وسائر أعضائها استمتاعاً ..... فخرج الذكر والخنثى المشكل: أي أن إيراد العقد عليهما لايفيد ملك استمتاع الرجل بهما لعدم محليتهما له، الخ". (رد المحتار: ۳/۳، سعید)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۳۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"النكاح ينعقد ملتبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار: ۳/۹، سعيد)

(۲) "والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لايسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني: ۱/۳۰۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان ما يتأكد به المهر: ۳/۵۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

گونگے بہرے کا نکاح

سوال [۵۲۲۲]: زید کہتا ہے میرا بھائی گونگا بھی ہے اور بہرا بھی، اس کا نکاح کس طریقہ سے پڑھایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح اور ضروریات اس کو سمجھائی جاتی ہیں اور اس سے دریافت کی جاتی ہیں اسی طرح نکاح بھی کرادیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۵ھ۔

گونگے کا نکاح

سوال [۵۲۲۳]: کسی نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے والدین نے گونگے مرد کے ساتھ کردیا اور گونگے نے (قبولیت کے لئے) اشارہ کئی مرتبہ کیا۔ تو سوال یہ ہے کہ گونگے کا اشارۃً نکاح کو قبول کرنا کافی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گونگا اگر اشارہ سے قبول کرے تو نکاح درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "وینبغی أن لا یختلف فی انعقاده بالإشارة إذا کان کل من الزوج والزوجة أخرس، لأن نکاحهما – کما قالوا – یصح بالإشارة حیث کانت معلومة" (رد المحتار، مطلب: الخصاف کبیر فی العلم یجوز الاقتداء به، کتاب النکاح: ۳/۲۲، سعید)

"وکما ینعقد النکاح بالعبارة ینعقد بالإشارة من الأخرس إذا کانت إشارته معلومة الخ" (بدائع الصنائع، فصل فی رکن النکاح: ۳/۳۲۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

"وفی کافی الحاکم الشهید ما نصه: فإن کان الأخرس لا یکتب وکان له إشارة تعرف فی طلاقه ونکاحه وشرائه وبیعه، فهو جائز الخ" (رد المحتار، کتاب الطلاق، مطلب فی [illegible]: ۳/۲۴۱، سعید)

(۲) "(وإیماء الأخرس وکتابته کالبیان) باللسان" (الدر المختار، مسائل شتی: ۶/۷۳۵، سعید)

میرا قریبی بھائی ہے، اس نے پہلے ایک نکاح کیا ہے "الف" کے ساتھ، پھر اس کو طلاق دے کر دوسری شادی کر لی "ب" کے ساتھ، ایک سال کے بعد اس کے ساتھ بھی ان بن ہوگئی اور "ب" کو بھی طلاق شرعی لکھ کر عدالت سے دیدی، نہ کہ تین عدتوں میں جس طرح شریعت کہتی ہے۔ کچھ عرصہ ۸/ ماہ ہوئے تو یہ عورت "ب" نادم ہو کر آئی اور اس نے شادی کرنی چاہی، وہ دونوں عدالت میں گئے اور وہاں ایک یونین حلفی پبلک نوٹری سے تصدیق کرا کے شادی دوبارہ رچالی اور کوئی خطبۂ نکاح انجام نہ پایا۔

اسی دوران اس عورت کو حمل ٹھہرا اور ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ پھر اس عورت "ب" کو تشنگی کلامی کی بناء پر اس مرد نے دوبارہ عدالت سے طلاق نامہ دے کر اپنی زوجیت سے الگ کر دیا ہے اور تقریباً آٹھ سال سے لگ بھگ ہے عورت "ب" نے دوسری شادی کر کے دوسرے مرد سے دو بچے حاصل کئے۔

غرض یوں ہے کہ جو لڑکا عورت "ب" کے پہلے مرد سے ہوئے یعنی میرے بھائی سے ہوا ہے، کیا وہ شرعاً مرد کا ہے یا عورت کا؟ جبکہ وہ لڑکا اس وقت نو سال کا ہے اور اپنی جان کے پاس رہتا ہے، کیا یہ شرعی طور پر باپ کا وارث کہلائے گا؟ مجھے شک ہے کیونکہ شادی شرعی طور پر انجام نہیں پائی تھی تو یہ بچہ کس کا ہے؟ صحیح قرآنی وشرعی فیصلہ دے کر مشکور وممنون فرمائیں۔

۲　اب یہ جو مرد ہے یعنی میرا بھائی اس نے دوسری دفعہ پہلے والی عورت "الف" سے دوبارہ شادی کی ہے اور اس کے تین بچے ہیں، اس طرح سے اس نے چار دفعہ نکاح کیا ہے جبکہ بیویاں صرف دو ہیں، تو کیا ایسے مرد پر شرعی حد یعنی چار نکاح کا ہونا عمل میں آیا ہے، یا یہ مرد اگر چاہے شریعت کی رو سے تیسری بیوی کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... شخص مذکور نے "ب" کو جو طلاق شرعی لکھ کر دی ہے وہ بعینہ یا اس کی نقل ارسال کریں اس کو دیکھ کر معلوم ہو سکے گا کہ پھر اس نے جو دوبارہ نکاح کیا ہے اس کی اجازت شرعاً تھی یا نہیں؟ نیز بتائیں کہ دوبارہ نکاح گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے ہوا یا پہلی طلاق سے رجعت کی ہے اور پہلے نکاح ہی کو باقی رکھا گیا ہے؟

نوٹ: جب بچہ نو سال کا ہو گیا ہے تو آج اس کی تحقیق کی کیا ضرورت پیش آئی؟ پہلے سے اتنی مدت

میں مسئلہ دریافت کیوں نہیں کیا؟ کیا یہ شخص وراثت کی بنا پر دریافت کرتا ہے؟ اور وہ شخص خود کیا انتقال کر گیا ہے یا زندہ ہے؟

۲..... عورتیں تو وہی اس کے نکاح میں آئی ہیں اگرچہ ان سے بار بار نکاح کی نوبت آئی، ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ چار نکاح کر چکا ہے اس کی چار بیویاں موجود ہیں، اب اگر کسی اور سے نکاح کرے گا تو وہ پانچویں بیوی ہوگی جو کہ ناجائز ہوتی، بلکہ وہ تیسری ہوگی اور جائز ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/۱۳۹۶ھ۔

جس عورت سے کئی نکاح ہوئے، اس سے نکاح کی کیا صورت ہے؟

سوال [۵۰۳۰]: ہمارے پڑوس میں ایک عورت تھی، جب ہمارا پڑوسی اس عورت کا نکاح کر کے لایا تھا جب ہی سے سنا تھا کہ اس عورت کا پچھلا خاوند زندہ ہے، جب ہمارا پڑوسی اس کا خاوند مر گیا تو اکثر یہ عورت ہمارے گھر بیٹھا کرتی تھی، کیونکہ ہمارے گھر کے پاس اس کا گھر ہے، درمیان میں صرف ایک دیوار ہے۔ اس عورت کی ایک نابالغ لڑکی تھی، جس روز اس نابالغ لڑکی کا نکاح ہونے لگا تو میں نے انکار کر دیا، کیونکہ میں نے سن رکھا تھا کہ اس لڑکی نابالغ کی ماں کا پچھلا خاوند زندہ ہے۔

انکار کر کے جب گھر میں آیا تو میں نے گھر میں کہا کہ میں نے تو اس لڑکی کے نکاح کرنے سے انکار کر دیا ہے، کہنے لگی کہ کیوں انکار کر دیا؟ میں نے کہا کہ اس کی ماں کا پچھلا خاوند زندہ ہے سنا کرتے ہیں، کہنے لگی

---

(۱) "وللحر أن يتزوج أربعاً من الحرائر ... وإذا تزوج الحر خمساً على التعاقب، جاز نكاح الأربع الأول، ولا يجوز نكاح الخامسة". (الفتاوى العالمكيرية، القسم الرابع المحرمات بالجمع: ۱/۲۷۷، رشيديه)

"أما الجمع في النكاح فنوعان: لا يجوز للحر أن يتزوج أكثر من أربع زوجات من الحرائر، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في الجمع بين الأجنبيات: ۳/۴۴۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۲۰۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیک وقت کسی کے نکاح میں چار بیویاں موجود ہوں تو پانچویں عورت سے نکاح نہیں کر سکتا، اور اگر ان عورتوں سے دوبارہ نکاح کرتا ہے تو وہ چار کے حکم میں نہیں ہوں گی، بلکہ ان کے موجود ہوتے ہوئے یہ دو اور عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔

دو تین کئی عورتوں کے سامنے ہمارے گھر بیٹھ کر کہہ رہی تھی کہ جس سے میرا پہلا بیاہ ہوا وہ تو مر گیا، دوسرے مرد سے نکاح کیا، میرا اس سے تعلق نہیں رہا، پھر دوسرے گھر چھوڑ دیا اور پھر بیٹھے نہیں آیا، پھر تیسرا نکاح کیا، اس نے بھی چھوڑ دیا کیونکہ وہ ملازم تھا جب وہ شخص آیا تو میں گھر پر نہیں ملی کیونکہ میری عادت پاس پڑوس میں بیٹھنے کی ہے، جب گھر پر ملی تو اس نے کہا کہ میرے کام کی نہیں رہی کیونکہ میرے گھر پر نہیں ملی۔ پھر میں نے غسل کیا اور کپڑے بھی بدلے، پھر بھی کہا کہ میرے کام کی نہیں رہی، پھر اس نے بھی چھوڑ دیا۔ میں اپنے گھر چلی آئی۔

پھر یہ ہمارا پڑوسی نکاح کر کے چار سو روپے میں لے آیا، طلاق کا کبھی بھی ذکر نہیں کیا کہ مجھ کو طلاق بھی دیدی تھی، یہ بھی کبھی نہیں کہا کہ میرا دوسرا تیسرا نکاح عدت کے بعد یا عدت کے اندر ہوا ہے، وجب ہمارا پڑوسی مرگیا تو پھر ایک دوسرے مرد سے نکاح کر لیا پھر وہ بھی مرگیا، پھر موضع بھاگلہ کا ایک مرد نکاح کر کے لے گیا، سنا ہے وہ عورت اب بھی زندہ ہے۔

جس عورت کی بابت یہ باتیں مشہور ہوں کہ اس کے کئی نکاح ہوئے ہیں اور عدت کا پتہ ہے نہ طلاق کا اور یہ بھی مشہور ہے کہ اس کا پچھلا خاوند زندہ ہے تو شرعاً ایسی عورت کا نکاح یا ایسی عورت کی بالغ لڑکی کا نکاح بغیر تحقیق کے کرنا چاہیے یا نہیں؟ یا انکار کر دینا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ اس عورت کا شوہر زندہ ہے اور دونوں میں شرعی علیحدگی ہو کر عدت نہیں گزری تو اس عورت کا نکاح دوسری جگہ جائز نہیں (۱) اور نکاح پڑھانے والا بھی گنہگار ہوگا (۲)۔ اگر تحقیق ہو جاوے کہ دونوں میں شرعی علیحدگی ہو چکی ہے تو پھر نکاح جائز ہے۔ اگر دونوں باتوں میں سے کسی کی تحقیق نہ

---

(۱) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس في المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشیدیہ)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۵۰۳، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لا تكون منكوحة الغير، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال العلامة الآلوسي في تفسير قوله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾: "فيعم النهي كل ما هو من مقولة الظلم والمعاصي، ويندرج فيه النهي عن التعاون على الاعتداء والانتقام". (روح المعاني: ۶/۷۵، مبحث في ﴿وتعاونوا على البر والتقوى﴾، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ہو تو پھر اگر وہ عورت شرعاً عادلہ ہے وہ اس کی شہادت مقبول ہے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے اور نکاح پڑھانا بھی درست ہے، اگر عادلہ نہیں بلکہ فاسقہ ہے اور اس کی شہادت مقبول نہیں تو پھر تحری کی جاوے یعنی اگر غور وفکر کے بعد غالب گمان ہوجاوے کہ عورت سچی ہے جب تو نکاح درست ہے، اگر غور وفکر کے بعد معلوم ہو کہ عورت جھوٹی ہے کیونکہ اور باتوں میں بھی جھوٹ بولتی ہے اور حرام حلال اور دوسرے احکام شرعیہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتی بلکہ اغراض نفسانی کے درپے رہتی ہے اس سے غالب گمان اگر ہو کہ اس امر میں بھی جھوٹ بولتی ہے تو اس سے نکاح نہیں کرنا چاہیے، اسی طرح نکاح پڑھنے سے اجتناب چاہیے۔

"وإن قالت امرأة لرجل: إن زوجي طلقني ثلاثًا وانقضت عدتي، وإن كانت عدلة، وسعه أن يتزوجها، وإن كانت فاسقة، تحرى وعمل بما وقع تحريه، كذا في الذخيرة" عالمگیری: ۵/۳۱۳(۱)۔

اور اس کی نابالغ لڑکی کے نکاح میں یہ تفصیل ہے کہ بغیر شرعی ولی کے نکاح موقوف رہے گا، یعنی اگر کسی نے اس کا نکاح کردیا تو وہ ولی شرعی کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر ولی شرعی نے اجازت دیدی تب تو نافذ ہوجاوے گا ورنہ نافذ نہ ہوگا، اس لڑکی کے باپ نے اگر اس کی ماں کو طلاق دیدی تو اس سے اس کی ولایت سلب نہیں ہوئی، البتہ اگر اس کا انتقال ہوگیا ہو تو پھر جو کوئی اس کا ولی اقرب ہو اس کی اجازت نکاح کے لئے درکار ہوگی۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۱۹/۴/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۰/ربیع الاول/۵۳ھ۔

ایک سے چار تک نکاح کی اجازت

سوال [۵۴۴۱]: ہمارے بھارت سرکار نے یہ قانون نافذ کردیا ہے کہ کوئی شخص ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ بیوی نہیں رکھ سکتا ہے، کیا ہم بھارتی مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا لازم ہے جبکہ اسلامی شریعت کے مطابق ایک شخص ایک وقت چار بیوی رکھ سکتا ہے؟

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۵/۳۱۳، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت نے حسب استطاعت ایک مرد کو چار عورتوں تک اجازت دی ہے (۱)۔ اس اجازت کو کوئی بھی ضبط نہیں کرسکتا (۲)، البتہ جو شخص مساوات کا برتاؤ نہ کرسکے اس کو ایک سے زیادہ کی اجازت خود شریعت نے نہیں دی، بلکہ اس کو تاکید کی ہے کہ ایک ہی پر کفایت وقناعت کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۲/۱۳۹۲ھ

بے داڑھی قاضی کا پڑھایا ہوا نکاح

سوال [۵۲۳۴]: ۱... زید کا نکاح مشتری کے ساتھ منعقد کیا گیا، قاضی ایسا شخص ہے کہ جس کے چہرہ پر داڑھی نہیں ہے اور وہ نکاح پڑھا چکا ہے، نکاح ہوا یا نہیں؟

غلط رسوم کے ساتھ کیا گیا نکاح کا حکم

سوال [۵۲۳۵]: ۲... زید کو نکاح میں جوڑا پہنا دیا گیا، ہاتھوں میں مہندی لگا دی گئی، اس کا نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... قاضی بغیر داڑھی کا ہو تو اس کا پڑھایا ہوا نکاح درست ہو چکا (۴)۔

۲... نکاح کے وقت لڑکے کے ہاتھوں پر مہندی لگانا اور یہ غلط رسم کرنا ناجائز ہے (۵)، مگر نکاح

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربٰع﴾ الآية (النساء: ۳)

(۲) وقال الله تعالى: ﴿لم تحرم ما أحل الله لك﴾ الآية (التحريم: ۱)

(۳) وقال الله تعالى: ﴿فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة﴾ الآية (النساء: ۳)

(۴) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر" (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيدية)

(۵) "ولا ينبغي للصغير أن يخضب يده بالحناء؛ لأنه تزين، وإنه يباح للنساء دون الرجال" (خلاصة الفتاوى، -

اس حالت میں منعقد ہوجائے گا (۱) اور غلط کاموں پر گناہ بھی ہوگا، نکاح کو سنت طریقہ پر کرنا لازم ہے (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تحقیق کے بعد منکوحہ کا نکاح پڑھانا جرم نہیں

سوال [۵۲۲۲]: ایک شخص ایک مسجد میں امام ہے، دو آدمی امام کے پاس آئے اور وہ کہنے لگے کہ امام صاحب! ہمارے یہاں چل کر ایک لڑکی کا نکاح پڑھا دیجئے، جس پر امام نے یہ تحقیق کی کہ بیوہ عورت کا نکاح ہے یا کنواری لڑکی کا؟ انہوں نے کہا کنواری لڑکی کا نکاح ہے اور قسم کھا کر دونوں شخص کہنے لگے: امام صاحب! گھبراؤ نہیں، یہ نکاح اس لڑکی کا پہلا نکاح ہے۔ اس کے برخلاف صورت یہ تھی کہ اس لڑکی کا نکاح نابالغی کی عمر میں پہلے کسی دوسرے سے ہوچکا تھا، جس کا علم امام صاحب کو نہیں تھا، اس بیان پر امام صاحب نکاح پڑھانے کیلئے چل دیئے۔

جب مکان پر پہونچے تو وہاں ۱۰/۱۵ آدمی موجود تھے، امام صاحب نے ان سے بھی دریافت کیا کہ لڑکی مطلقہ ہے یا غیر مطلقہ؟ تو سب نے یہی جواب دیا کہ کنواری لڑکی ہے اور اس لڑکی کا یہ پہلا نکاح ہے، امام صاحب نے نکاح پڑھا دیا۔

= کتاب الکراہیة، الفصل السابع فی اللبس: ۳۳۳/۴، امجد اکیڈمی لاہور)

"لا یدیه ولا رجلیه، لأنه مکروه للتشبه للنساء". (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۴۲۲/۶، سعید)

(۱) (راجع، ص: ۵۲۱، رقم الحاشیة: ۴)

(۲) تمام کاموں میں طریقۂ مسنونہ اختیار کرنا ضروری ہے اور امور محدثہ سے اجتناب ضروری ہے: قال اللہ تعالیٰ: ﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوة حسنة﴾ (الأحزاب: ۲۱)

"وعن العرباض بن ساریة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ذات یوم ثم أقبل علینا بوجهه فوعظنا موعظة بلیغة ...... الخ". "فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین، تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ، وإیاکم ومحدثات الأمور، فإن کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة". (مشکوة المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، ص: ۳۰، قدیمی)

تین دن کے بعد امام صاحب کو معلوم ہوا کہ اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو چکا تھا اور وہاں سے طلاق بھی نہیں ہوئی۔ اب بتلائے کہ امام صاحب کا جرم مانا جائے گا یا نہیں جبکہ امام صاحب بالکل بے خبر تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب نے تحقیق کی، متعدد آدمیوں سے دریافت کیا کہ جب اطمینان ہو گیا تب نکاح پڑھایا، اس لئے امام صاحب مجرم نہیں (۱)، البتہ وہ نکاح صحیح نہیں ہوا جب اس لڑکی کا نکاح ہو چکا ہے اور وہاں سے طلاق نہیں ہوئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱/۱۴۰۵ھ۔

تین طلاق کے بعد کسی دوسرے سے نکاح

سوال [۵۲۲۵]: میاں بیوی میں کسی بات پر تکرار ہو گیا، عورت بچوں کو لیکر میکے چلی آئی، اکتوبر

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا﴾

"كمنبه على أنه إذا كان الخبر شيئاً عظيماً وماله قدر، فحقه أن يتوقف فيه، وإن علم أو غلب صحته على الظن حتى يعاد النظر فيه ويتبين فضل تبين". (روح المعاني: ۲۶/۱۴۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وفي الآية دليل على فساد قول من قال: إن المسلمين كلهم عدول حتى تثبت الجرحة، لأن الله تعالى أمر بالتثبت قبل القبول، ولا معنى للتثبت بعد إنفاذ الحكم، فإن حكم الحاكم قبل التثبت، فقد أصاب المحكوم عليه بجهالة". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۶/۳۱۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لا تكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، ثانياً المرأة المتزوجة: ۹/۶۶۳۲، رشيدية)

والوں کے کہنے پر پھر بچوں کو لے کر شوہر کے گھر گئی، وہاں بچوں کو چھوڑ کر چلی آئی، لڑکی کی ماں پھر لڑکی کو ہمراہ لیکر شوہر کے پاس چلی، راستے میں شوہر اور چند گاؤں کے آدمی مل گئے، بات چیت ہوئی مگر شوہر رکھنے کیلئے اور گھر لے جانے کے لئے تیار نہ ہوا اور بیوی کو مارا، بیوی نے شوہر کو مارا، آخر میں شوہر نے کہا کہ "میں نے تجھے تین طلاق سچے دل سے اللہ کو گواہ بنا کر دی" اور عورت نے بھی کہا کہ "میں نے بھی خدا کو گواہ بنا کر طلاق قبول کی" اور میکے چلی آئی، اس کے بعد لڑکے کے باپ بھائی لڑکے سے نکاح کرنے پر مصر ہیں، عورت تیار نہیں۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاق مغلظہ ہو کر وہ اپنے شوہر پر حرام ہو گئی (۱)۔ اب اس کو کوئی شخص مجبور نہیں کر سکتا کہ فلاں شخص سے نکاح کرے، اس کا دل چاہے تو عدت گزار کر اپنے خاندان میں اپنی مرضی کے موافق نکاح کر سکتی ہے (۲)۔ حلالہ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (سورة البقرة: ۲۳۰)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول". (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث: ۲/۷۹۱، قديمي)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها، كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۱/۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۳/۱۶۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولا تجبر بكر بالغة على النكاح: أي لا ينعقد عقد الولي عليها بغير رضاها عندنا". (البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۹۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۹۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۳۳۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

کے بعد طلاق دینے والے سے بھی نکاح درست ہو سکے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۹/ ۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال[۵۲۳۱]: زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی اور گھر سے نکال دیا، لڑکی اپنے باپ کے گھر چلی آئی، پھر لڑکے کا ماموں آیا اور خوشامد کر کے لڑکی کو لے گیا، لڑکے نے پھر اس کو نکال دیا اور اس کے ماموں کے یہاں بھیج آئی۔ لڑکی کچھ دنوں کے بعد پھر شوہر کے مکان پر پہونچ گئی تو لڑکے نے کہا: "جب میں تجھ کو تین طلاق دے چکا ہوں تو بار بار میرے مکان پر آنے کی کیا ضرورت ہے؟" جو کچھ تھا وہ زید نے رکھ لیا۔ اب لڑکی اپنے باپ کے گھر ہے، اب لڑکی کو دوسری جگہ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس بات کو ایک سال کا عرصہ گذر گیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب شوہر کو طلاق کا اقرار ہے اور وہ رکھنے پر تیار نہیں اور تب طلاق سے تین حیض گذر گئے تو دوسری جگہ لڑکی کا نکاح درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) راجع، ص: ۵۲۳، رقم الحاشیة: ۱

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن﴾ الآية (البقرة: ۲۳۲)

وقال الله تعالى: ﴿والمطلقت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

"عدة الحرة التي تحيض للطلاق أو الفسخ ثلاثة قروء، لقوله تعالى: ﴿والمطلقت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾". (مجمع الأنهر، باب العدة: ۲/ ۱۴۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

بیوہ کے لئے نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۳۷]: زید کی عورت بیوہ ہوگئی وہ یہ چاہتی ہے کہ میں اپنی عمر اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزاروں یعنی نکاح ثانی نہ کروں، یہ ڈر ہے کہ کہیں قیامت میں ماخوذ نہ ہوں چونکہ وہ جانتی ہے کہ نکاح ثانی کرنا سنت ہے۔ فرمائیے اس صورت میں جب کہ وہ صوم وصلوۃ پر قائم ہے بوجہ نکاح ثانی نہ کرنے کے مستحق عذاب ہوگی یا نہیں؟

محمد یامین، ۲۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کو معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں بلکہ اطمینان سے زندگی بسر کرسکتی ہے تو اس کے ذمہ نکاح ثانی ضروری نہیں اور نکاح ثانی نہ کرنے سے مستحق عذاب نہ ہوگی، تاہم اگر سنت سمجھ کر کرلے گی تو ثواب کی مستحق ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ۶/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۰/ رجب المرجب/ ۵۶ھ۔

نکاح میں طلاق دینے کی شرط لگانا

سوال[۵۲۳۸]: مسافر سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ جب تم اپنے وطن جاؤ گے تو طلاق دے کر جانا ہوگا۔ تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح صحیح ہوجائے گا اور محض وطن جانے کی بناء پر طلاق واقع نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/ ۵/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "ویکون واجباً عند التوقان وسنة عند الاعتدال" (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/ ۶، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح: ۲/ ۴۲۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/ ۱۳۲، رشیدیہ)

(۲) "ولکن لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد، وإنما یبطل الشرط دونه الخ". (الدر المختار، فصل فی =

نکاح میں شرطیں لگانا

سوال [۵۰۴۴]: الف: عمر نے اپنی لڑکی کا نکاح کرنے سے قبل زید نامی اپنے داماد زید کے سامنے یہ شرطیں رکھیں:

۱... اگر زید نے اس لڑکی کی حیات میں دوسری شادی کی تو اس کی منکوحہ ثانیہ پر طلاق مغلظہ۔

۲... مہر بغیر عمر کی مرضی کی معاف نہ ہوگا۔

۳... اگر لڑکی پر ظلم وتعدی کیا گیا تو عمر لڑکی کو از خود طلاق دے سکتا ہے (وغیرہ)۔

ب: دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ پہلی شرط کا وقوع کیا زید کے دستخط کرنے سے ہو جائے گا؟ نیز کسی شرط کا یا شرط لگانے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ کبیرہ کا مرتکب ہوگا یا صغیرہ کا؟

ج: اگر زید کی وجہ سے مثلاً طلاق وغیرہ کا خطرہ ہے تو کیا یہ شرط اور شرط لگانے والا ان دونوں پر کسی گناہ کا اندیشہ ہے؟

د: زید کا شرائط والے صرف شرط والے پر دستخط کرنا کیسا ہے؟ دستخط کرنے کے بعد پہلی شرط سے نجات کی کیا صورت ہے؟ مطلب یہ ہے کہ زید اپنی بیوی کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیسے کرے گا؟

ہ: پہلی شرط کو جائز سمجھنے والا کیسا ہے؟ شرط نمبر: ۲ پر زید کے دستخط کے بعد اس کا وقوع بھی ہوگا یا نہیں؟ یعنی کیا معافی مہر کا اختیار عمر کو رہے گا یا اس کی لڑکی کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاق مغلظہ دینا گناہ کبیرہ ہے، اس کی شرط کرنا اور شرط کو منظور کرنا بھی گناہ کبیرہ ہوگا۔ زید کا شرط مذکور پر دستخط کرنا اس کی رضامندی کے لئے کافی ہے۔ اور اب اگر زید اپنی زوجۂ اول کے زندہ ہوتے ہوئے نکاح ثانی کرے گا تو اس کی زوجۂ ثانیہ پر طلاق مغلظہ پڑ جائے گی" (قوله: ثلاثة في طهر أو بكلمة بدعي) —المحرمات، مطلب فيما لو زوج المولى أمته: ۳/۵۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب المحرمات: ۳/۲۰۵، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

"لأنه لو تزوجها على أن يطلقها بعد شهر، فإنه جائز؛ لأن اشتراط القاطع يدل على انعقاده مؤبداً ويبطل الشرط". (مجمع الأنهر، باب المحرمات: [illegible]/۳۲۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

وتعرف بيانها المحرمة؛ لأنهم صرحوا بعصيانه". كذا في البحر: ۳/ ۲۳۹(۱)۔

زید کا اپنی زوجۂ اول کے زندہ ہوتے ہوئے نکاح کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ نہ بذات خود نکاح کرے نہ کسی کو اپنے نکاح کا وکیل بنائے بلکہ کسی فہیم آدمی کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ میں نے یہ شرط لگادی ہے کہ میں اگر زوجۂ اولی کی حیات میں نکاح کروں تو زوجۂ ثانیہ پر طلاق مغلظ ہو اور مجھ کو نکاح ثانی کی ضرورت ہے۔ اور اس کی شرعاً یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کوئی آدمی بلا میری اجازت نکاح کردے اور مجھ کو خبر کردے میں اس کو عمل سے جائز رکھوں تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور زوجۂ ثانیہ پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، پھر وہ فہیم آدمی کسی مناسب جگہ اس طرح نکاح کردے تو درست ہوگا:

"وفي البحر نقلاً عن البزازية: والتزوج أولى من فسخ اليمين في زماننا، وينبغي أن يجيء إلى عالم ويقول له ما حلف واحتياجه إلى نكاح الفضولي، فيزوجه العالم امرأةً ويجيز بالفعل فلا يحنث اهـ". كذا في الشامي: ۲/ ۶۸۳(۲)۔

• مہر لڑکی کا حق ہے، اس کی معافی کا تعلق لڑکی ہی سے ہے، بالغہ ہونے پر خود لڑکی اور اس کی اجازت سے اس کا باپ بھی معاف کر سکتا ہے، بغیر لڑکی کی اجازت کے اور رضامندی کے باپ کو معاف کرنے کا حق نہیں اور نابالغہ کی اجازت غیر معتبر ہے:

"(وصح حطها) وقيد بحطها؛ لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرة، ولو كبيرة توقف على إجازتها ولا بد من رضاها اهـ". كذا في الشامي: ۲/ ۴۱۲(۳)۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۳/ ۲۷۴، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة: ۲/ ۳۵۵، شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، باب طلاق السنة: ۳/ ۴۸۲، ۴۱۲، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۲) (رد المحتار، باب التعليق، مطلب في فسخ اليمين بتعليقه إلى الملك: ۳/ ۳۶۸، سعيد)

(۳) (رد المحتار، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه: ۳/ ۱۱۳، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ۱/ ۳۴۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل السابع في الزيادة في المهر والحط عنه: ۱/ ۳۱۳، رشيديه)

۳... عمر کا زید سے مذکورہ شرط لگانا درست ہے اور عمر کو زید کے ظلم وتعدی کے وقت اپنی لڑکی کو زید کی طرف سے طلاق دینے کا اختیار ہوگا: "وإذا وجدت الحاجة المذكورة أبيح". كذا في الشامي: ۲/۵۷۹(۱)۔

مگر طلاق مغلظہ نہ ہو، بلکہ طلاق بائن غیر مغلظہ کا اختیار ہوگا: "رجل قال لآخر: إن أمر امرأتي بيدك إلى سنة، صار الأمر بيده إلى سنة، حتى لو أراد أن يرجع لا يملك، وإذا تمت خرج الأمر من يده، كذا في التجنيس". كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۷۰(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کو طلاق مغلظہ کی شرط پر نکاح

سوال[۵۲۲۰]: مسمی غلام محمد ولد غلام رسول نذر نے بھاگ بھری دختر محمد یار سے شادی کرنا چاہی تو اس کے والدین نے مندرجہ ذیل شرائط لکھ کر اس سے دستخط کروائے:

اگر میں اس کے ساتھ ناتفاقی کا برتاؤ کروں گا تو اس کے عوض مسماۃ مذکورہ کو ماہواری خرچ مبلغ (...) بلا عذر دوں گا اور مسماۃ مذکورہ کی حین حیات میں دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کو طلاق ثلاثہ مغلظہ ہوگی۔ یہ شرائط مذکورہ میں نے اپنی خوشی کے ساتھ منظور کر لئے ہیں، ان میں میرا کوئی عذر نہ ہوگا۔ دستخط غلام محمد بقلم خود۔

اب طرفین میں ناچاقی ہو چکی ہے۔ دریافت طلب امور یہ ہیں:

۱... غلام محمد دوسری عورت سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟

۲... اگر نہیں کر سکتا تو پہلی عورت مسماۃ بھاگ بھری کو طلاق دینے کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

۳... صرف ایک نکاح کرنے پر ثانی منکوحہ مطلقہ متصور ہوگی یا جو نکاح بھی مسماۃ مذکورہ کی زندگی میں کرتا رہے گا وہ مطلقہ ہوتی رہے گی؟

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الطلاق: ۳/۲۲۹، سعید)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني في الأمر باليد: ۱/۳۹۲، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱. یہ لفظ کہ "دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کو طلاق ثلاثہ مغلظہ ہوگی" اگر محض وعدہ ہے یعنی طلاق دیدوں گا، تب تو دوسری شادی سے طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک طلاق نہیں دے گا(۱)۔ اگر یہ تعلیق ہے تو دوسری شادی سے منکوحہ ثانیہ پر طلاق مغلظہ ہوجائیگی(۲)۔

۲. چونکہ تحریر میں "بحین حیات زوجۂ اولیٰ" کی قید ہے لہٰذا بعد طلاق بھی شادی کرنے سے طلاق واقع ہوجائے گی، اگر بحین حیات کی قید نہ لگاتا تو یہ بات نہ ہوتی، کذا یفہم مما فی البحر:

"ولا تطلق في: إن نكحتها عليك فهي طالق، فنكح عليها في عدة البائن، يعني لا تطلق امرأته الجديدة فيما إذا قال لمن تحته: إن تزوجت عليك امرأة فأمرها بيدك، أو قال: ما دمت امرأتي، ثم طلقها بائناً أو خالعها وتزوج أخرى في عدتها، ثم تزوج بالأولى، لا يصير الأمر بيدها؛ لأن المراد حال المنازعة في القسم، ولم يوجد وقت الإدخال. ولو قال: إن تزوجت امرأة فأمرها بيدك، فأبانها، ثم تزوج أخرى، صار الأمر بيدها". البحر (المطبوعة العلمية مصر، ۴/۲۹)(۳)۔

(۱) "بخلاف قوله: (سأطلق) كنت، لأنه استقبال، فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية: ۱/۳۸۴، رشيديه)

"ولو قال أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعد، جوهرة". (الدر المختار مع رد المحتار، باب تفويض الطلاق: ۳/۳۱۹، سعيد)

"قال: طلقي نفسك، فقالت: أنا أطلق، لم يقع". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق: ۳/۵۴۵، رشيديه)

(۲) "وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً الخ". (الدر المختار، باب التعليق: ۳/۳۵۵، سعيد)

"وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة "إن" و"إذا" وغيرهما: ۱/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب التعليق: ۳/۱۰۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (البحر الرائق، باب التعليق: ۴/۲۹، رشيديه)

۳...ظاہر تو یہ ہے کہ صرف ایک شادی کرنے پر طلاقِ مغلظہ ہوگی اور قسم پوری ہوجائے گی کیونکہ اس میں ایسا عموم کا لفظ موجود نہیں ہے جس سے ہر ہر شادی کرنے پر طلاقِ مغلظہ ہو(۱)۔ تاہم احتیاط یہ ہے کہ کوئی فضولی شخص اس کا نکاح (بغیر اس کے امر کے) کردے اور یہ اس کو فعلاً نافذ کردے، اس طرح کہ مثلاً مہر زوجہ کے حوالے کردے قولاً نافذ نہ کرے بلکہ خاموش رہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ سہارنپور، ۱۵/جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ۔　صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

نکاح کے بعد شرط کے خلاف کرنا

سوال[۵۴۲۱]: شریعت کا حکم اس مسئلہ میں کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح اس شرط پر کہ میرے پاس ایک لڑکا ہے اس لڑکے کا نکاح تم کو کرنا پڑے گا، جیسا کہ آج کل ہندوستان میں رواج ہے

(وكذا في النهر الفائق، باب التعليق: ۲/۵۰۳، امداديه ملتان)

(۱) "وفيها كلها تنحل: أي تبطل اليمين ببطلان التعليق إذا وجد الشرط مرةً، إلا في "كلما" فإنه ينحل بعد الثلاث لاقتضائها عموم الأفعال". (الدر المختار، باب التعليق، مطلب: لا يكرر في حكم الشرط: ۳/۳۵۲، سعيد)

"إذا وجدت الشرط انتهت اليمين، لأنها غير مقتضية للعموم والتكرار لغةً، فبوجود الفعل مرةً تم الشرط، وإذا تم وقع الحنث، فلا يتصور الحنث مرةً أخرى إلا بيمين أخرى إلا في "كلما" الخ". (مجمع الأنهر، باب التعليق: ۱/۱۸۴، ۱۹۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب التعليق: ۳/۱۵، ۲۱۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "والخروج فعلاً أولى من فسخ اليمين في زماننا، وينبغي أن يجيء إلى عالم، ويقول له ما حلف واحتياجه إلى نكاح الفضولي، فيزوجه العالم امرأةً ويجيز بالفعل، فلا يحنث". (رد المحتار، باب التعليق، مطلب في فسخ اليمين المضافة إلى الملك: ۳/۳۴۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، باب التعليق، الفصل الثاني في تعليق الطلاق بكلمة "كل وكلما": ۱/۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب التعليق: ۲/۱۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

کہ بدلہ کرتے ہیں جس کے پاس ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوتی ہے اور دوسرے شخص کے پاس بھی اسی طرح سے ہوتی ہیں تو اس میں وہ لڑکی اس کو دے دیتا ہے اور وہ اس کو غرض اس شرط پر اس شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا کہ اگر میری لڑکی کا نکاح کرو تو میں اپنی لڑکی کا نکاح تمہارے لڑکے کے ساتھ کرتا ہوں لڑکے والے نے یا اس کے وکیل نے منظور کر لیا کہ لکھ دو کہ بعد میں تمہارے لڑکے کا بھی کر دیں گے۔

چند دنوں کے بعد اس لڑکے والے نے جواب دے دیا کہ میرے پاس لڑکی نہیں ہے نہ میں نے تم سے کوئی شرط کی۔ آیا اس صورت میں اس لڑکی کا نکاح جو کہ لڑکی کے والدین نے اس شرط پر کیا تھا وہ شرط اس نے پوری نہیں کی اب وہ نکاح صحیح درست ہے یا نہیں؟ اگر وہ درست ہے تو لڑکی بالغ ہونے پر اس کو فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور وہ شرط پوری نہ کرنے پر لڑکی کے والدین بھی ناراض ہیں اور لڑکی کا نکاح فسخ کرانا چاہتے ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرط پوری نہ کرنا ایک قسم کا دھوکہ بازی معلوم ہوتا ہے اور اگر یہ دھوکہ نہ دیا جاتا تو لڑکی والے کی مرضی نہیں تھی کہ نکاح کرتے اور وہ لڑکی والا کچھ بے عقل سا آدمی تھا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نکاح صحیح ہو گیا اب نہ لڑکی فسخ کرا سکتی ہے نہ لڑکی کا والد(۱)، البتہ لڑکے والے نے جو وعدہ خلافی کی ہے اس سے وہ گناہگار ہوا، اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا(۲)۔ لڑکی والے کے بے عقل ہونے کا کیا مطلب

---

(۱) "ولزم النكاح ولو بغبن فاحش ... لو المزوج أبا أو جداً" [illegible] (الدر المختار، باب الولي: ۳/ ۶۶، ۶۷، سعيد)

"فإن زوجهما الأب والجد يعني الصغير والصغيرة، فلا خيار لهما بعد بلوغهما". (الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/ ۳۱۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۱/ ۳۳۵، دار إحياء التراث العربي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾. (سورة المائدة: ۱)

وقال الله تعالى: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً﴾ (سورة بني اسرائيل: ۳۴)

"الخلف في الوعد حرام، كذا في أضحية الذخيرة". (شرح الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة، (رقم القاعدة: ۲۰)، ۳/ ۲۳۷، إدارة القرآن كراچی)

ہے؟ کیا وہ دیوانہ ہے؟ اور اس کے کس کس فعل میں بے عقلی ظاہر ہوتی ہے؟ اگر لڑکے والا کم عمری میں نکاح کر دیتا تو کیا پھر بھی لڑکی والے کو بے عقل کہا جاتا۔ اگر لڑکے کے یہاں لڑکی نہیں جانا چاہتی اور لڑکا بالغ ہے تو کسی طرح اس سے طلاق حاصل کرے، اس کے بعد دوسری جگہ نکاح درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۷/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ رجب/ ۶۴ھ۔

شرط کے خلاف کرنے سے نکاح پر اثر

سوال [۵۲۴۴]: ایک شخص اپنی لڑکی کا نکاح کسی لڑکے کے ساتھ اس شرط پر کرتا ہے کہ اس لڑکے کو اس کے گھر پر ہی رہنا ہوگا، لڑکے نے یہ شرط منظور کر لی اور نکاح ہوگیا۔ اب یہ سب پانچ ماہ کے بعد اس لڑکے سے کہتا ہے کہ تو میرے گھر نہیں رہتا اور لڑکا اس کے گھر پر رہتا ہے، مگر اس کے کہیں بھی جانے کو یہ کہتا ہے کہ تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور اس بات کو عذر بنا کر اس نے اپنی لڑکی کو طلاق، بن کر دوسری جگہ نکاح کی تاریخ مقرر کر دی ہے۔ آپ شریعت مطہرہ کی روشنی میں یہ تحریر کیجئے کہ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ پہلے شوہر کا رشتۂ زوجیت ٹوٹ گیا یا قائم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف اتنی بات سے طلاق نہیں ہوئی، پہلا نکاح ہی باقی ہے، دوسرے نکاح کی ہرگز اجازت نہیں، اگر دوسرا نکاح کردے گا تو وہ شرعی نکاح نہیں ہوگا بلکہ نکاح کے نام پر حرام کاری ہوگی جس کا وبال سخت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۷/۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) بغیر طلاق حاصل کئے کسی دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں: "لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیرہ، وکذلک المعتدۃ، کذا فی السراج الوھاج". (الفتاوی العالمکیریة، القسم السادس فی المحرمات التی یتعلق بھا حق الغیر: ۱/ ۲۸۰، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار، مطلب فی النکاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی شرط أن لا تکون منکوحة الغیر: ۳/ ۱۵۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) (راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً)

جو عورت اپنے آپ کو بیوہ بتلائے اس سے نکاح

سوال [۵۰۳۳]: بنگلہ دیش سے جو عورتیں آتی ہیں، جن کے ساتھ آتی ہیں وہ آدمی ادھر ادھر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، سب عورتیں ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہیں، وہ اپنے کو بیوہ بتاتی ہیں۔ ان کے بیوہ بتلانے کے مطابق ادھر کے آدمی ان سے نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر تحقیق نہیں کہ وہ بیوہ ہیں یا منکوحہ ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دل گواہی دے کہ وہ عورتیں بیوہ ہیں اور ان کی عدت ختم ہو چکی ہے تو ان سے نکاح کرنا درست ہے (۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۷/۹۵ھ۔

یہ اس وقت ہے جب کہ تحقیق ممکن نہ ہو، اور اگر ان کے وطن سے تحقیق ممکن ہو تو پھر تحقیق کے بعد ہی نکاح کرنا چاہیے، خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ اس کا عام رواج ہو رہا ہے اور بعض لوگوں نے اس کو کاروبار بنا رکھا ہے۔

(وكذا في رد المحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۳، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لا تكون منكوحة الغير: ۳/۵۰۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وكذا لو قالت امرأة لرجل: طلقني زوجي وانقضت عدتي، فلا بأس أن ينكحها". (الدر المختار)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: فلا بأس أن ينكحها) قالت: ارتد زوجي بعد النكاح، وسعه أن يعتمد على خبرها ويتزوجها. وإن أخبرته بالحرمة بأمر عارض بعد النكاح من رضاع طارئ أو نحو ذلك، فإن كانت ثقة أو لم تكن ووقع في قلبه صدقها، لا بأس بأن يتزوجها". (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في النعي إليها زوجها: ۳/۵۲۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۵/۳۱۳، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۳۲، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ولی کی اجازت سے پڑھایا ہے تو صحیح ہے(۱)۔ ولی کو خود سوچنا چاہئے کہ یہ مناسب ہے یا نہیں(۲)، اگر لڑکی بالغ ہو تو خود اس کی رائے بھی معتبر ہے جبکہ نکاح کفو میں ہو، اس سے پیچھا نہ کرتا ہو(۳)۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ناجائز حمل ساقط کرانے سے نکاح باقی ہے یا نہیں؟

سوال [۵۲۲۶]: زید پردیس میں مقیم ہونے کی حالت میں اس کی بیوی نے ۳،۲/ ماہ کا ناجائز حمل ساقط کرادیا تو اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کتنے شرعی گواہ کی ضرورت ہے؟ ثابت ہو جانے پر زید کی بیوی نکاح میں ہے یا فسخ ہوگیا؟ فسخ ہونے کی صورت میں دوبارہ رکھنا چاہے تو کس صورت میں جائز ہوگا؟

---

(۱) "القاضي إنما يملك إنكاح من يحتاج إلى الولي إذا كان ذلك في عهده ومنشوره، وإن لم يكن ذلك في عهده لم يكن وليًا" (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۸۴، كتاب النكاح، الباب الرابع، رشيديه)

"رجل قال لغيره: زوج ابنتي هند رجلاً يرجع إلى علم ودين بمشورة فلان، فزوجها رجلاً بهذه الصفة من غير مشورة ... جاز" (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۹۴، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها، رشيديه)

(۲) "عن عبد الله بن بريدة عن أبيه قال: خطب أبوبكر وعمر رضي الله تعالى عنهما فاطمة رضي الله تعالى عنها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنها صغيرة"، فخطبها علي، فزوجها منه" (سنن النسائي: ۲/۶۹، كتاب النكاح، باب تزوج المرأة مثلها في السن، قديمي)

(۳) "(وينعقد نكاح حرة مكلفة بلا ولي) لأنها تصرفت في خالص حقها، وهي من أهله، لكونها عاقلة بالغة ... وروى الحسن عن الإمام أنه إن كان الزوج كفؤاً نفذ نكاحها، وإلا فلم ينعقد" (البحر الرائق: ۳/۱۹۲-۱۹۳، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۱۳، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، مكتبه شركة علمية)

(وكذا في رد المحتار: ۳/۵۵، ۵۶، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز حمل باقی رہے یا ساقط ہو جائے اس سے نکاح فسخ نہیں ہوتا، پہلا ہی نکاح باقی ہے اس لئے گواہوں کی ضرورت نہیں، اس کی فکر نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۵/۹۶ھ۔

نکاح ثانی کے لئے بیوی کا مشورہ

سوال [۵۲۲۷]: ایک بیوی ہے، تو اس پر نکاح کرنے میں اس بیوی کی اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً تو ضروری نہیں، مگر نباہ اس سے کرنا ہے، اگر اس کا مشورہ نہیں ہوگا تو دشواری ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بیوی کو طلاق دیکر کسی مصلحت سے اس کی بہن سے نکاح

سوال [۵۲۲۸]: میری بیوی قریب ۱۲/۱۴/ سال سے ٹی بی کی مریض ہے، اس سے کوئی کام نہیں ہوتا اور اسکے دو لڑکے بھی ہیں اور بچوں کی کوئی محبت نہیں ہے۔ اس لئے میری بیوی یہ چاہتی ہے کہ مجھے آزاد کرکے میری چھوٹی بہن بیوہ سے عقد نکاح کرلیں، اس سے کام کی پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ یہ نکاح جائز

---

(۱) ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع، فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة﴾ (النساء: ۳)

"وللحر أن يتزوج أربعاً من الحرائر والإماء وليس له أن يتزوج أكثر من ذلك، لقوله تعالى: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع﴾". (الهداية، فصل في المحرمات: ۳۱۱/۲، مكتبة شركة علمية، ملتان)

(وكذا في فتح القدير، فصل في المحرمات: ۲۳۹/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند، باب: دو عورتیں جن سے نکاح درست ہے: ۲۲۵/۷، مكتبة امدادیہ ملتان)

جائے، یا اس کو شریفانہ طریقہ پر آباد کیا جائے، یا طلاق دے کر آزاد کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۱۴۰۵ھ۔

بلا اجازت زوجۂ اُولیٰ نکاحِ ثانی

سوال [۵۲۵۰]: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی رضامندی یا اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کرے تو کیا دوسرا نکاح نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسرے نکاح کی وجہ سے پہلا نکاح منسوخ نہیں ہوگا اگرچہ بیوی سے بغیر اجازت لئے کیا ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۱۳۹۲ھ۔

ایک بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں نکاحِ ثانی کی اجازت

سوال [۵۲۵۱]: ایک شخص شادی شدہ نے بغیر علم والدین واعزاء واہلیہ دوسری شادی جوان لڑکی سے کرلی، نہ اس لڑکی کو علم ہوا کہ یہ شادی شدہ ہے، نکاح کے کافی دنوں بعد لڑکی کو معلوم ہوا کہ پہلی بیوی بھی ہے اور اس کے بچے بھی ہیں، مکان میں لانے پر دونوں میں گزارہ اور نباہ مشکل ہوگیا، یہ مسئلہ تمام اعزاء کے لئے پریشانی کا باعث بن گیا۔ اب یہ لڑکی اپنے والدین کے پاس عرصہ سے مقیم ہے، شوہر نہ آتا جاتا ہے، نہ نان

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿الطلاق مرتان فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان . ومن یتعد حدود اللہ فأولئک هم الظالمون﴾. (البقرة: ۲۲۹)

(۲) کیونکہ مرد کو چار نکاح کرنے کی اجازت ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع﴾. (النساء: ۳)

قال فی البزازیة: "له امرأة أو جاریة فأراد أن یتزوج أخری، فقالت: اقتل نفسي، له أن یأخذ ولا یمتنع؛ لأنه مشروع، قال اللہ تعالیٰ: ﴿لم تحرم ما أحل اللہ لک تبتغي مرضاة أزواجک، واللہ غفور رحیم﴾". (الفتاوی البزازیة، کتاب النکاح، نوع آخر: مباشرة النکاح في الصحة مستحب: ۱۵۵/۴، سعید)

کے سپرد ہے۔ زید کہتا ہے کہ میں رکھوں گا۔ والدین کہتے ہیں کہ جب تو جوے میں اپنی بیوی کو ہار گیا تو تیرا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے یا نہیں؟ یا زید ہی کے نکاح میں رہے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوا حرام ہے(۱)، جوے میں اگر بیوی ہار گیا تو اس سے نکاح ختم نہیں ہوا، لیکن حیا اور شرافت بالکل ختم ہوگئی، آئندہ بھی اس سے کیا توقع ہے؟ جو شخص مہر یا کسی اور طرح کا لالچ دے کر اس سے طلاق حاصل کر لینا لڑکی کے حق میں مفید ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مہر میں معجل ومؤجل کی تصریح نہ ہونے سے نکاح پر کوئی اثر نہ ہوگا

سوال [۵۰۵۱]: ایک شخص زید کا ایک مسماۃ خیرن کے ساتھ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۶۳ء تک زندگی گذارتا رہا، اس عرصہ میں مسماۃ مذکورہ سے نو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں، ان میں سے سات لڑکے اور تین لڑکیاں اور خود مسماۃ مذکورہ بقید حیات ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں زید کے والد نے ان واقعات کے علم کے بعد اعلان کر دیا تھا کہ اگر زید مسماۃ خیرن سے نکاح کرے گا تو وہ اپنے کو عاق سمجھے اور زید کو خاندان سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ ۱۹۵۶ء میں زید کے پیروں کی ہڈیاں ٹوٹ جانے سے دونوں ٹانگیں (گھٹنے سے نیچے تک) قطعی بیکار ہوگئیں۔ بعدہ زید نے تقریباً دو یا تین کی عمر تک پلنگ پر پڑے پڑے گذاری، خود سے کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، پیشاب وغیرہ نہ کر سکتا۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یا ایها الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوه لعلکم تفلحون﴾ (المائدة: ۹۰)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعل ذلك وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال. كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثامن في الخلع، الفصل الأول: ۱/۴۸۸، رشيدية)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب الخلع: ۲/۴۰۴، شركة علمية ملتان)

چونکہ عمر بھی ستر سال سے اوپر تھی۔

اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۹۵۸ء میں خیرن نے اپنے کو منکوحہ کہلانے اور ثابت کرنے کیلئے زید کو مجبور کیا اور اس کا اقرار و اظہار اس طور پر کہ اپنا مہر تیس ہزار تعین کر کے ایک لاکھ روپے کی جائیداد بعوض مبلغ سولہ ہزار بجملہ تیس ہزار کے اپنے نام منتقل کرائی اور دستاویزات رجسٹری کرائی، اور دستاویزات میں یہ تحریر کرلیا کہ مسماۃ خیرن کا مہر تیس ہزار روپے ہے اور اسی کے بجملہ سولہ ہزار میں جائیداد اس کے مہر میں دی گئی اور چودہ ہزار مہر باقی رہا (مسماۃ خیرن کا آبائی پیشہ عصمت فروشی تھا اور ہے) اور اس پر مہر کا تعین تیس ہزار روپیہ کیا گیا۔

زید کا انتقال ۱۹۶۳ء میں ہوگیا، اس کے انتقال کے بعد اولاد جو کہ منکوحہ بیوی سے ہوئی ہے اس نے اپنے حقوق کی داورسی چاہی۔ اس پر خیرن نے ایک نکاح نامہ تحریر کردہ مورخہ ۱۹/ اپریل ۱۹۲۸ء پیش کیا، اس تحریر میں سے تعداد و رقم منادی گئی، اور آگے نصف جس کے تحریر ہے اسکے بعد جو رقم تحریر ہے اس پر روشنائی ڈال کر معدوم کر دیا گیا ہے۔ اس تحریر پر نکاح نامہ میں مہر معجل و مؤجل متعلق تحریر نہیں، اور اس نکاح نامہ پر مسماۃ خیرن کا نہ انگوٹھا ہے نہ دستخط، صرف نکاح خواں کے اور گواہوں کے اور وکیل کے دستخط ہیں اور جس جگہ مسماۃ کا نام تحریر ہے اس پر بھی روشنائی پڑی ہے بایں طور کہ صحیح نام پڑھنا دشوار ہے۔ حق وراثت جس کا دعویٰ مسماۃ مذکور کرتی ہے۔

(الف) خیرن اپنے کو منکوحہ زید بتلاتی ہے۔ (ب) قمرالدین عرف چھوٹو بڑا لڑکا خیرن کا۔ جس کی پیدائش ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔ بقید حیات پاکستان میں ہے اس کو مسماۃ اپنی اولاد تسلیم کرتی ہے نہ وارث، جبکہ ایک فوٹو تمام بچوں کا ۱۹۴۰ء کا موجود ہے جس میں یہ لڑکا بھی موجود ہے۔ (ج) غلام قادر اس کی پیدائش ۲۷ء میں ہوئی، یعنی نکاح نامہ کی تحریر سے ایک سال چار ماہ قبل، اس کو وارث مان کر حق وراثت طلب کرتی ہے۔ (د) سراج الدین لڑکا بقید حیات پیدائش بعد ۳۳ء، معین الدین بقید حیات پ بعد ۳۵ء، کنیز فاطمہ لڑکی بقید حیات پ ۳۸ء، الٰہی بخش فوت پ بعد ۲۸ء، عزیزہ فاطمہ بقید حیات، نذیر فاطمہ بقید حیات پ بعد ۲۸ء، عدن لڑکا بقید حیات پ بعد ۲۸ء، غلام قادر لڑکا بقید حیات پیدائش بعد ۱۹۲۹ء۔ یہ سب ۱۹۲۸ء کے بعد پیدا ہوئے ہیں، پ بعد ۲۸ء سب کو وارث بتاتی ہے۔

۱ نکاح نامہ جس میں معجل و مؤجل تحریر نہ ہو، جو نکاح بلا صراحت معجل و مؤجل پڑھایا گیا ہو کیا شرعی

طور سے واضح نہیں کرتا کہ اقرار مہر، تعین زید و خیرالنساء نہیں ہوا؟ اسی لئے تحریر میں وضاحت نہیں کی گئی۔ یہ نکاح شرعی ہوا یا نہیں؟ ایسے کاغذات کی تحریر شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

۲۔ وہ اولاد جس کا حمل ثبوت خود خیرالنساء پیش کرے وہ نکاح سے ہے کہ اس تحریر سے ۱۲ سال قبل پیدا ہوا ہے، کیا شرعاً وارث ہوسکتا ہے؟

۳۔ بلا تفصیل مہر معجل و مؤجل کے کیا اقرار مہر شرعاً جائز ہے؟ اور تکمیل نکاح ہوسکتی ہے؟

۴۔ ان حالات میں شرعی فیصلہ جبکہ نکاح نامہ معجل و مؤجل بذاتِ خود مشکوک و مشتبہ ہے اور واقعات شاہد ہیں کہ یہ سب کچھ ٹھیک تحریر نہیں ہے، وہ انتقالات بے بنیاد، یعنی ایک لاکھ کا بعوض سولہ ہزار اپنے مہر کی رقم میں منتقل کیا جانا قرار دیا ہے کہ جبر و تشدد اور مجبور کرنے پر یہ کرایا گیا ہے، اور نکاح کا قاضی نہ وکیل نہ گواہ نہ خاندان کا کوئی فرد نہ اہل محلہ کا کوئی شخص یہ کہ نکاح ہوگیا اور نکاح کے متعلق تصدیق کرتے ہیں اور نہ ان میں سے کسی کو کسی طرح کا کوئی علم ہے۔ ایسی حالت میں اس تحریری نکاح نامہ کی حیثیت کیا ہے؟

۵۔ ان حالات کے پیش نظر جو بالکل صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ جبر و تشدد سے کرایا گیا ہے اور صرف اس مشکوک تحریر پر نکاح قابلِ تسلیم ہے یا نہیں؟

۶۔ زید کے والد کا اعلان کہ اگر خیرالنساء سے نکاح کیا تو عاق سمجھا جائے گا اور جائیداد کی وراثت سے محروم رہے گا، اور زید جو کہ منکوحہ بیوی سے موجود ہے اس کی اور اس کی جائیداد کے شرعی وارث ہوں گے۔ اس اعلان عام کے بعد حسبِ شرعی حکم اس کو عاق کیا گیا، کیسا ہے؟ جو زید کے والد نے چھوڑی ہے؟

شیخ فخر الدین [illegible]

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔ اگر نکاح کا ایجاب وقبول شریعت کے مطابق ہوا ہے اور اس میں مہر معجل یا مؤجل کی کوئی صراحت نہ ہو تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نکاح صحیح ہو جاتا ہے(۱)۔

---

(۱) "النکاح ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، شرکة علمیة ملتان)

مہر وسعت سے زیادہ ہو تب بھی نکاح درست ہے

سوال[۵۲۵۵]: زید کی تنخواہ ایک سو تیس روپے ہے شادی سے قبل مہر پندرہ سو روپے طے ہوا تھا، لیکن عین موقع پر خسر نے چار ہزار روپیہ پر اصرار کیا اور زید نے چار ہزار دو اشرفی دین مہر قبول کر لیا۔ اب زید کو شک ہے کہ یہ تو وسعت سے زیادہ ہو گئے، کیا شرع کے مطابق یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح تو صحیح ہو گیا اب یا تو مہر کے ادا کرنے کی تدبیر کرے یا معاف کرائے(۳)"وتجب العشرة إن سماها أو دونها، ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر: أي بالغاً ما بلغ، فالتقدير بالعشرة لنفي النقصان". درمختار وشامی ۲/۳۳۰(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۸ھ۔

زنائے شوہر سے بیوی کا نکاح فاسد نہیں

سوال[۵۲۵۶]: زید کی منکوحہ بیوی شریفہ ہے اور منکوحہ ہوتے ہوئے پھر اگر زید زنا کرے ہندہ کے ساتھ تو کیا زید کا نکاح شریفہ کے ساتھ قائم رہے گا یا نکاح خارج ہو جائے گا؟ اور منکوحہ بیوی شریفہ سے جو اولاد ہو گی وہ حرامی ہو گی یا حلالی؟ اور صرف زید گنہگار ہو گا؟

= الله ميراثه من الجنة يوم القيامة" (مشكوة المصابيح، باب الوصايا، الفصل الثالث: ۱/۲۶۶، قديمي)

"الإرث لا يسقط بالإسقاط". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإقرار: ۲/۵۴، المطبعة الميمنية مصر)

(۳) (الدر المختار مع رد المحتار، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

"فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط شيء منه بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق". (بدائع الصنائع، فصل في بيان ما يتأكد به المهر: ۳/۵۸۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ۱/۳۴۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، باب المهر: ۳/۲۵۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نکاح منقطع نہیں ہوگا(۱)، گناہ ہوتا ہے، اولاد حرامی نہیں ہوگی بلکہ ثابت النسب ہوگی(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حالتِ نفاس میں نکاح

سوال[۵۲۵۷]: ۱... زید نے ایک عورت سے نکاح کیا جب کہ وہ حالت نفاس میں تھی اور اس کی گود میں بچہ ۳۲یوم کا تھا۔ اس حالت میں نکاح درست ہوا یا نہیں؟

۲... نفاس کی کم سے کم مدت کیا ہے؟ نفاس سے فراغت کے بعد کب نکاح درست ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... اگر بچہ پیدا ہونے سے پہلے اس عورت کا شوہر مرگیا یا اس نے طلاق دے دی تو بچہ پیدا ہونے پر اس کی عدت ختم ہوگئی(۳)۔ حالت نفاس میں نکاح درست ہے مگر صحبت درست نہیں، اس کے لئے

---

(۱) "زنا سے شوہر سے بیوی کا نکاح منقطع نہیں ہوا کیونکہ نکاح جن طریقوں سے ختم ہوتا ہے ان میں زنا نہیں:

"و شرعاً رفع قید النکاح فی الحال بالبائن، أو المآل بالرجعی بلفظ مخصوص، هو ما اشتمل علی الطلاق، فخرج الفسوخ خیار عتق و بلوغ و ردة، فإنه فسخ لا طلاق .... الثالث أنه کان ینبغی تعریفه بأنه رفع عقد النکاح بلفظ مخصوص ولو مآلاً". (الدر المختار، کتاب الطلاق: ۲۲۶/۳، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الطلاق، الباب الأول فی تفسیره: ۳۴۸/۱، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الطلاق: ۴۶۳/۳، مصطفی البابی الحلبی بمصر)

(۲) "قال أصحابنا: لثبوت النسب ثلاث مراتب: الأولی النکاح الصحیح وما هو فی معناه من النکاح الفاسد، والحکم فیه أنه یثبت النسب من غیر دعوة الخ". (الفتاوی العالمکیریة، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب: ۵۳۶/۱، رشیدیه)

"لأن النسب کما یثبت بالنکاح الصحیح یثبت بالنکاح الفاسد، وبالوطء عن شبهة وبملک الیمین الخ". (الهدایة، باب ثبوت النسب: ۴۳۴/۲، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۳) "وعدة الحامل أن تضع حملها، کذا فی الکافی .... وسواء کانت عن طلاق أو وفاة الخ".

میں اس لڑکی کا نکاح پڑھانا کیسا ہے؟ آیا قاضی کو مکمل علم ہوتے ہوئے پھر نکاح پڑھانا اس پر کوئی گناہ عائد ہوگا یا نہیں؟ اور وہ لڑکا جس کے ساتھ نکاح ہو رہا ہے اسکو اس واقعہ کا بالکل علم نہیں ہے۔ اب ایسی صورت میں لڑکا بیوی کے پاس شب زفاف کیسے جائے گا جو بحالت نفاس حرام ہے۔ تو اس حرام کاری کا ذمہ دار قاضی ہوگا یا نہیں؟ چونکہ وہی اس کا سبب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حالت نفاس میں نکاح جائز ہے، البتہ صحبت ناجائز ہے جیسے کہ حالت حیض میں ناجائز ہے(۱)، جب لڑکا اس کے پاس آئے گا تو بتادے کہ اس حالت میں صحبت درست نہیں، لیکن اگر لڑکے کو یہ بتایا گیا کہ یہ لڑکی باکرہ ہے نہ اس کے اولاد ہوئی ہے اور نہ نکاح ہوا ہے تو یہ بتانا غلط ہے اور جھوٹ ہے۔ ایسا بتانے والے گنہگار ہوئے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۸/۱۳۹۹ھ۔

عورت کی زنا سے نکاح ختم نہیں ہوتا

سوال[۵۲۵۹]: زید کی بیوی نے بکر کے ساتھ زنا کیا جس کا ثبوت موجود ہے اور دونوں نے اپنے اس فعل بد کا اقرار بھی کیا ہے۔ تو زید کی بیوی نکاح سے خارج ہوئی یا نہیں؟ زید اس کو دوبارہ رکھنے پر تیار ہے،

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ویسئلونک عن المحیض قل هو أذی فاعتزلوا النساء في المحیض ولا تقربوهن حتی یطهرن﴾ (البقرۃ: ۲۲۲)

"وقربانها زوجها، لقوله تعالیٰ: ﴿ولا تقربوهن حتی یطهرن﴾ اهـ". (الهدایة، کتاب الطهارة، باب الحیض والاستحاضة: ۱/۶۴، شرکة علمیة ملتان)

"وحکمه کالحیض في کل شيء إلا في سبعة ذکرتها في الخزائن". (الدر المختار، باب الحیض، مطلب في حکم المستحاضة ومن به عذر، ۱/۲۹۹، سعید)

(۲) "عن أبي هریرة عن النبي صلی اللہ علیه وسلم قال: "آیة المنافق ثلاث: إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحیح البخاري، کتاب الإیمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قدیمي)

(والصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قدیمي)

(وکذا في تنبیه الغافلین، باب الزجر عن الکذب، ص: ۸۴، المکتبة الحقانیة بشاور)

شرعاً حکم کیا ہے؟ مع حوالہ معتبر وضاحت فرماویں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس حرکت سے نکاح ختم نہیں ہوا، زید اگر رکھنا چاہتا ہے تو بیوی سے توبہ واستغفار کرالے اور آئندہ کو اس سے ایسی حرکت نہ کرنے کا عہد لے لے، وہ مختار ہے: "ولا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة". ۵/۲۷۴ (۱)۔ اور شامی میں ہے: "والفجور یعم الزنا وغیرہ" اس کے لئے استدلال میں حدیث بھی نقل کی ہے: "وقد قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لمن زوجته لا ترد ید لامس، وقد قال: إني أحبها "استمتع بها". رد المحتار: ۵/۲۷۴ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۹۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

ڈاکٹر کے ساتھ خلوت کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال [۵۴۶۰]: اگر کوئی عورت اپنے معالج سے جو کافر بھی ہو خفا ملاپ پیدا کرے، اس سے تحفے قبول کرے، اس کے ساتھ بالکل بے حجاب ہو جائے، اس کے ساتھ خط وکتابت کرے، اس کو تحفہ دستیاں کشیدہ نکال کر دے جس میں اپنا اور اس کا نام ایک جگہ کشیدہ میں نکالے، تو کیا ان افعال سے نکاح ٹوٹ گیا؟ اور جب نکاح ٹوٹ گیا تو حسب تحریر شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی بحاشیہ آیت ایک، رکوع ایک، پارہ پانچ جملہ مہر

(۱) (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۶/۴۲۷، سعید)

(۲) (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۶/۴۲۷، سعید)

"امرأة فاسقة لا تنزجر بالزجر، لا یجب تطلیقها، کذا في المنیة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثلاثون في المتفرقات: ۵/۳۷۲، رشیدیه)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۴/۲۱۲، دار المعرفة بیروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالی عنهما قال: جاء رجل إلی النبي صلی الله تعالی علیه وسلم فقال: إن امرأتي لا تمنع ید لامس، قال: "غربها إن شئت" قال: إني أخاف أن تتبعها نفسي، قال: "استمتع بها". (سنن النسائي، کتاب الطلاق، باب ما جاء في الخلع: ۲/۱۰۰، قدیمی)

ساقط نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان افعال کے ناجائز اور گناہ ہونے میں شبہ نہیں، مگر ان سے نکاح نہیں ٹوٹتا، کذا فی مجموعۃ الفتاوی (۱)، لہٰذا مہر بھی ساقط نہیں ہوتا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۲/۵/۹۲ھ۔

لڑکی نے بھاگ کر لڑکے کے ساتھ نکاح کرلیا

سوال [۵۲۶۰]: ایک گاؤں کا لڑکا دوسرے گاؤں کے ایک بوڑھے اور بڑھیا کے پاس رہنے لگا، کچھ دنوں کے بعد اس بوڑھے کا انتقال ہو گیا، وہ لڑکا اب تک اس بڑھیا کے پاس ہے۔ اس بڑھیا کی لڑکی کی ایک لڑکی بالغ ہے، اس لڑکی کے والدین نے لڑکے سے کہا تم فکر نہ کرو تمہاری شادی ہم اپنی لڑکی سے کردیں گے، لیکن دو چار سال انتظار کرنا ہوگا۔ وہ لڑکا کہتے لگا کہ جب شادی کرنی ہے تو ابھی ہاں کردیجئے۔ اس کے بعد ان لوگوں میں جھگڑا ہو گیا اور جھگڑے کے بعد اس لڑکی کے والدین نے شادی کرنے سے انکار کردیا۔ اور لڑکی کو جب انکار کا علم ہوا تو اس نے اپنے والدین سے کہا کہ جب تم لوگوں نے شادی کی بات کرلی تو انکار نہیں کرنا چاہئے تھا، مگر اس کے والدین شادی پر رضامند نہیں ہوئے۔ اور جب ان دونوں کی شادی نہیں ہوئی تو لڑکی

---

(۱) سوال: "اگر بیوی زوجہ سے زنا کرے تو نکاح باطل ہوگا یا نہیں؟"

جواب: "نہیں"۔ (مجموعۃ الفتاوی، کتاب النکاح: ۲/۱۷، سعید)

"لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ (والفجور یعم الزنا وغیرہ)". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی البیع: ۶/۴۲۷، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمگیریۃ، کتاب الکراہیۃ، الباب الثلاثون فی المتفرقات: ۵/۳۷۲، رشیدیہ)

(۲) "والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثۃ: الدخول والخلوۃ الصحیحۃ ... حتی لا یسقط منه شیء بعد ذلک إلا بالإبراء". (الفتاوی العالمگیریۃ، الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر: ۱/۳۰۳، رشیدیہ)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی بیان ما یتأکد به المهر: ۳/۵۸۴، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی رد المحتار، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعید)

بھاگ کر لڑکے کے پاس آئی اور شادی کرلی، تو کیا یہ نکاح درست ہوا؟ گواہ بہت لوگ بیٹھے تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ لڑکی بھاگ کر آئی تو سب لوگ بھاگ گئے، صرف دو آدمی نکاح کے وقت بچے: ان میں سے ایک کی داڑھی تھی اور ایک کی نہیں تھی، یہی دو آدمی نکاح کے شاہد ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کے والدین نے سخت غلطی کی کہ بات چیت طے کرلینے کے باوجود اپنے جھگڑے کی وجہ سے شادی کرنے سے انکار کردیا اور لڑکی کے توجہ دلانے سے بھی آمادہ نہیں ہوئے، اس غلطی کا خمیازہ اس طرح بھگتنا پڑا، لڑکی اور لڑکے نے بھاگ کر بہت نالائقی کا ثبوت دیا، خاندان کی عزت کو داغ لگایا، خلاف شرع کام کرنے کے مرتکب ہوئے۔ تاہم جب دو گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کرلیا تو نکاح منعقد ہوگیا(۱)، اگرچہ ایک گواہ کے داڑھی نہیں، انعقاد نکاح ایسے گواہوں کے سامنے بھی ہوجاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۹۲ھ۔

نکاح کے بعد ملازم کے ساتھ بیوی کا بھاگ جانا

سوال[۵۲۹۲]: زید کا نکاح اس کے ماموں کی لڑکی سے پچھلے سال ہوا تھا، رخصتی نہیں ہوئی تھی، یہ طے ہوا تھا کہ رخصتی اگلے سال ہوگی۔ نکاح کے تین ماہ ہونے کے بعد لڑکی اپنے ایک ملازم چمار کے ساتھ بھاگ گئی، پولیس نے بعد تلاش کے چار دن بعد لڑکی برآمد کی اس چمار کے ساتھ تھی۔ لڑکی کے باپ ان کو

(۱) "النکاح ینعقد ملتبساً بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر ... بشرط حضور شاهدین حرین أو حر وحرتین مکلفین سامعین" الخ. (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۹، ۲۱، ۲۲، سعید)

(وکذا في الهداية، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، شرکة علمية ملتان)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۳۰، ۱۵۵، رشيدية)

(۲) "ويصح شهادة الفاسقين والأعميين، کذا في فتاوى قاضيخان" (الفتاوى العالمكيرية، کتاب النکاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، رشيدية)

(وکذا في الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۲۳، سعيد)

دوسرے کی بیوی کو لیکر بھاگ جانا اور طلاقِ شوہر کے عدت کے بعد نکاح

سوال [۵۲۶۳]: ۱... زید کسی کی بیوی سے محبت کر کے اس کو لیکر بھاگ گیا، اپنی بیوی کی طرح استعمال کیا، اس عورت کا شوہر اس بدسلوکی کو دیکھ کر اسے تین طلاق دیدیا، ادھر وہ عورت اس نے زید کے گھر پر تین حیض گذارے، زید نے بعد انقضائے عدت اس سے شادی کی۔ اب سوال یہ ہے کہ عدت گذارنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔

۲... بغیر توبہ کئے ہوئے دونوں کا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اور شرعاً دونوں کو شرعاً کیا سزا ہونی چاہئے، جبکہ ہندوستان میں دار القضاء ہر جگہ موجود نہیں ہے؟

۳... نکاح پڑھانے والوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟ اگر نکاح پڑھانے والا امام ہو تو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو خلافِ اولیٰ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... کسی کی بیوی لیکر بھاگ جانا معصیتِ کبیرہ وسخت حرام ہے(۱)، جب شوہر نے طلاق دیدی اور اس کے بعد تین ماہواری گذر گئی اگرچہ یہیں گذری ہو تو عدت پوری ہوگئی، پھر دوسرے شخص سے نکاح کی اجازت ہوگئی(۲)، یہاں تک کہ اگر عورت کو طلاق کا علم بھی نہ ہو تب بھی عدت پوری ہونے پر کہا جائے گا کہ عدت ختم ہو

---

(۱) "رجل خدع امرأة انسان وأخرجها، وزوجها من غيره، أو صغيرة، يحبس إلى أن يحدث توبة أو يموت؛ لأنه سعى في الأرض بالفساد، كذا في قضاء البزازية". (الأشباه والنظائر، كتاب الحدود والتعزير، الفن الثاني، الفوائد: [illegible]، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب: الساعي لامنعب له: ۴/۶۱، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (البقرة: ۲۳۵)

وقال الله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

"عدة الحرة المدخولة التي تحيض ثلاثة قروء، أي حيض، لقوله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾". (مجمع الأنهر، باب العدة: [illegible]، دار إحياء التراث العربي بيروت)

مسلمانوں سے ملتی رہی اور حد درجہ کوشش کرتی رہی کہ کسی صورت سے ایمان بچا رہے، لیکن کسی مسلمان نے اس عورت کی مدد نہیں کی۔ اس جستجو میں وہ عورت ایک ہندو کے یہاں ایک سال رہی، یہ عورت کا حلفیہ بیان ہے۔ اس کے بعد وہ عورت ایک مسلمان کے ساتھ ہوگئی اور حلفیہ یہ کہتی ہے کہ میرا کوئی نکاح نہیں ہوا۔ اس صورت میں اس عورت کا نکاح اس مسلمان سے جس کے ساتھ وہ ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ عورت کہتی ہے کہ ہندوؤں کے یہاں پہنچنے سے وہ کسی مسلمان کے نکاح میں یا عدت میں نہیں تھی اور غالب گمان یہ ہے کہ وہ اس بات میں سچی ہے تو اس سے نکاح کرنا درست ہے(۱)۔ ایک آزاد عورت کو فروخت کرنا درست نہیں، اس سے مملوکہ نہیں بن جاتی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

فاحشہ عورت کی لڑکی سے نکاح

سوال [۵۲۶۵]: ایک مسلم فاحشہ عورت ہے، اس کی دو لڑکیاں ہیں، ان کے نام قمر النساء اور مہر النساء ہیں، ان لڑکیوں کا شرعی نقطۂ نظر سے اسلام میں کیا درجہ ہے؟ کیا ان سے نکاح کر سکتے ہیں؛ کیونکہ میرا ایک دوست ہے جو اس کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ میرے خیال سے اسلام میں حرام خوری جائز نہیں ہے اور

---

(۱) "قلت: وحاصله: أنه متى أخبرت بأمر محتمل، فإن ثقةً أو وقع في قلبه صدقها، لا بأس بتزوجها، وإن بأمر مستنكر، لا، ما لم يستفسرها". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٤٢٢، سعيد)

(وأيضاً الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في المنعي إليها زوجها: ٣/٥٢١، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ٥/٣١٣، رشيدية)

(۲) "وكذا بيع الميتة والدم والحر باطل؛ لأنها ليست أموالاً، فلا تكون محلاً للبيع". (الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٣/٤٣، إمدادية، ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٦/٤٠٣، مصطفى البابي الحلبي بيروت)

(وكذا في كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ص٢٣٨، كتب خانه رشيديه دهلي)

حرام چیز کو قبول نہیں کر سکتے، کیونکہ اس کی پرورش حرام سے ہوئی ہے اس کی رگوں میں حرام خون دوڑ رہا ہے، اس لحاظ سے ان سے شرعی اعتبار سے نکاح نہیں کر سکتے۔ لیکن میرے دوست کا کہنا ہے کہ اگر ہم نے لڑکی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو وہ بھی وہی راستہ اختیار کرے گی جو اس کی ماں نے کیا، اور پھر اس کی ماں کے گناہ کی سزا اس کی اولاد کو کیوں ملے؟

نیز میرے دوست کا کہنا ہے کہ: "ایک غیر مسلم فاحشہ عورت ہے اس کے بھی لڑکی ہے اور اس لڑکی نے اسلام قبول کر لیا، اسلام قبول کرنے کے بعد اس لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ جب ایک غیر مسلم سے اسلام قبول کرنے کے بعد نکاح کر سکتے ہیں تو میرے خیال سے مسلم لڑکی سے بدرجۂ اولیٰ نکاح کر سکتے ہیں"۔ یہ تینوں ہماری سمجھ سے باہر ہیں، آپ ہی اس تعلق سے فتویٰ دیں۔

۲. اسلام میں شراب حرام ہے، فرض کرو ایک شخص بہت شراب پیتا ہے اور نشہ کی حالت میں وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کرتا ہے، اس سے لڑکی تولد ہوتی ہے تو اس لڑکی کا اسلام میں کیا درجہ ہے جبکہ اسلام میں شراب حرام ہے، لیکن اس کے باوجود بھی سماج کے لوگ اس لڑکی کو قبول کرتے ہیں۔ تو کیا اس لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو کیوں؟ اور اگر نہیں کر سکتے ہیں تو کیوں؟

ان تینوں مسائل کی منزل ایک ہی ہے لیکن بات الگ الگ ہے۔ اب آپ تشفی بخش اور شرعی اعتبار سے جواب دیں، آپ کے فیصلہ پر ہی میرا دوست شادی کیلئے عملی اقدام کرے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱. جو لڑکی مسلمان ہو خواہ پیدائشی مسلمان ہو یا اسلام قبول کرے، اس کی ماں کا نکاح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، بہر صورت اس کا نکاح مسلمان سے درست ہے(۱)، باپ یا ماں نے اگر کفر کیا یا حرام کام کیا تو اس کی وجہ سے لڑکی کے نکاح کو ناجائز وحرام نہیں کہا جائے گا(۲)۔

۲. ماں باپ کی اس معصیت کی وجہ سے لڑکی کو نکاح سے محروم نہیں کیا جائے گا، لڑکی کا نکاح درست

---

(۱) "ومنها إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمة، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر" (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۳/۵۶۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرى﴾ (فاطر: ۱۸)

دوسرے نکاح والا شوہر بھی مرچکا ہے، لیکن عورت ابھی زندہ ہے۔ اس عورت سے جو لڑکے پیدا ہوئے ہیں ان میں کوئی خرابی پائی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ اس لڑکے و دوسری لڑکی سے بات طے ہو چکی ہے، بعد طے ہونے کے یہ سب باتیں ان کے موضع سے سننے میں آرہی ہیں۔ تو کیا میں اپنی لڑکی کا نکاح اس لڑکے سے شرعاً کر سکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب لڑکوں کے نسب میں بحث کرنا بے محل اور غلط ہے، وہ ثابت النسب ہیں (۱)، اپنی اور لڑکی کی مرضی سے اپنی لڑکی کا رشتہ آپ ان میں سے جس سے مناسب سمجھیں، کر سکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۳/۹۲ھ۔

---

(۱) شوہر اول عبدالجبار کے انتقال کے بعد عورت نے عدت پوری کر کے دوسری جگہ شادی کرلی تو وہ نکاح صحیح ہوا، جب نکاح صحیح ہوا تو بچے ثابت النسب ہو گئے "عن عائشة زوج النبي صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم انها قالت: ..... "الولد للفراش، وللعاهر الحجر". (صحیح البخاري، كتاب الأحكام، باب القضاء على الغائب: ۲/۱۰۶۵، قديمي)

"يقام النكاح مقامه (أي الدخول) في إثبات النسب ولهذا قال النبي صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر" وكذا لو تزوج المشرقي بمغربية، فجاءت بولد يثبت وإن لم يوجد الدخول حقيقة لوجود سببه، وهو النكاح قال النبي صلی الله عليه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر" وكذا لو تزوج المشرقي بمغربية". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ثبوت النسب: ۳/۶۰۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النسب: ۳/۳۷۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ "أي ما عدا من ذكرن من المحارم هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۳، (پاره: ۵)، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في التفسير المنير: ۵/۶، دار الفكر بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۲/۶۶، حافظ كتب خانه كوئته)

مرتد کے زمانۂ ارتداد کی اولاد سے رشتۂ نکاح

سوال[۵۲۱۶]: شوکت علی صاحب مسلمان سے قادیانی ہوگئے تقریباً آٹھ برس تک قادیانی رہے، علمائے دیوبند اور علمائے اہل حدیث سے مناظرہ ہوا، پھر وہ تائب ہوکر مسلمان ہوگئے، جس کا اعلان اخبارات میں کردیا گیا، سوال یہ ہے کہ اس عرصہ میں جو اولاد ہوئی اس کیلئے حکم شرعی کیا ہے؟ وہ باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہیں یا نہیں؟ ان سے رشتہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مرتد ہوجائے (معاذ اللہ) اور پھر حق تعالیٰ کی توفیق سے اسلام قبول کرے، اس کا اسلام قبول ہے(۱)، اس کی جو اولاد حالتِ ارتداد میں پیدا ہوئی وہ اگر نابالغ ہے تو اس کے قبولِ اسلام سے وہ اولاد بھی مسلمان شمار ہوگی، اور جو اولاد حالتِ اسلام میں پیدا ہوئی وہ بھی مسلمان ہے، جو ارتداد سے قبل کی ہے وہ بھی اب مسلمان ہے، الا یہ کہ بالغ ہوکر (خدانخواستہ) خود ہی قادیانیت کو اختیار کرلے(۲)۔ ہر مسلم سے شادی بیاہ

---

(۱) "ثم إذا تاب توبة صحيحة، صارت مقبولة غير مردودة قطعاً من غير شك و شبهة بحكم الوعد بالنص: أي لقوله تعالى: ﴿وهو الذي يقبل التوبة عن عباده﴾ الخ" (الفقه الأكبر مع شرحه للملا علي القاري، باب، مطلب: يجب معرفة المكفرات لاجتنابها، ص: ۱۹۰، قديمي)

﴿وهو الذي يقبل التوبة عن عباده ويعفو عن السيئات﴾ أي يقبل التوبة في المستقبل، ويعفو عن السيئات في الماضي" الخ. (تفسير ابن كثير، (سورة الشورى: ۲۵) : ۴/۲۲۶، دار الفيحاء بيروت)

(۲) "والولد يتبع خير الأبوين ديناً إن اتحدت الدار ولو حكماً، بأن كان صغيراً في دارنا والأب ثمه، بخلاف العكس". (الدر المختار). "(قوله: والولد يتبع خير الأبوين ديناً) هذا يتصور من الطرفين في الإسلام العارض، بأن كانا كافرين فأسلم أو أسلمت، ثم جاءت بولد قبل العرض على الآخر والتفريق، أو بعده في مدة يثبت النسب في مثلها... أو كان بينهما ولد صغير قبل إسلام أحدهما، فإنه بإسلام أحدهما يصير الولد مسلماً" الخ. (رد المحتار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الولد يتبع خير الأبوين ديناً: ۳/۱۹۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۳۶۳، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۲/۴۱۴، دار الكتب العلمية بيروت)

غیر مسلم سے نکاح کے بعد وہ مسلمان ہوئی تو دوبارہ نکاح کیلئے استبراء رحم

سوال[۵۲۲۵]: ۱...زید نے ت سے کورٹ میرج (عدالتی نکاح) کرلی۔ ایک عرصہ تقریباً ساڑھے تین یا چھ سال گذرنے کے بعد ایک دن ت نے زید اور دو جی اور نوبی والے دو مسلمانوں کے روبرو کہا کہ میں نے مذہب اسلام کو اپنے مذہب کے طور پر اپنا لیا ہے، میں مسلمان ہوں اور کلمہ "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله" پڑھ کر قبول کرلیا، پھر اسی مجلس میں مسلمانوں کے روبرو زید نے کہا کہ میں نے تمہیں اپنی بیوی بنالیا اور ت نے کہا میں نے یہ بات منظور کرلی اور مہر کی ایک رقم متعین کردی گئی۔ اس وقت ان دونوں کے دو بچے موجود تھے اور ایک تیسرے کا حمل بھی تھا۔ تو اس صورت میں ت کا ایمان عنداللہ مقبول سمجھا جائیگا یا نہیں؟

۲...یہ نکاح (شق اول جواب ہو) عنداللہ درست ہوگیا یا نہیں؟

۳...صورت مذکورہ سے نکاح ہونے کے بعد زید کا ت سے وضع حمل سے پہلے ہمبستری کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

۴...وضع حمل کے بعد پھر سے نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ وجہ اشکال یہ ہے کہ وجہ ایک حکم شبہ ملا ہے کہ مسلمہ کے لئے غیر منکوحہ ہونے کی صورت میں ہو، لہذا صورت مذکورہ میں نکاح سے قبل نہیں کیا گیا ہے۔ یہ خیال کرکے یہاں ت کے حمل میں جو بچہ بھی ہے اسی زید کا ہے، کیونکہ عرصہ مذکورہ سے یہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔

۵...صورت مذکورہ سے ت کے ایمان قبول کرنے اور ت از زید کے نکاح میں اگر عنداللہ وعند الشریعۃ کوئی خامی رہ گئی ہے تو درست ہونے کی صحیح صورت بتائی جائے تاکہ اس کے مطابق عمل کرلیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...اگر ت نے صدق دل سے یہ کہا ہے تو اس کا ایمان مقبول ہے، کذا فی شرح الفقه الأکبر(۱)۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۲۱۳، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر: ۱/۳۴۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ثم إذا تاب توبة صحيحة، صارت مقبولة غير مردودة قطعاً من غير شك رحمة بحكم الوعد =

توفیق اخلاص واستقامت بخشے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

کنیز کی تعریف اور اس سے نکاح

سوال [۵۲۷۱]: کنیز اسلام میں کس عورت کو کہتے ہیں اس سے بلا نکاح کے مباشرت جائز ہے یا نہیں؟ اور دلائل فقہیہ سے واضح فرمائیں۔ نیز "جودھابائی" جو اکبر کی بیوی تھی جس سے جہانگیر پیدا ہوا، وہ ولد الزنا ہے یا نہیں؟ اس کو دلیل سے واضح فرمائیں۔ جودھابائی غیر مسلم تھی اور آخر تک وہ اپنے دین پر قائم رہی، ایسی صورت میں جبکہ اکبر نے اس سے نکاح نہیں کیا تو اس سے جو بچہ پیدا ہوا وہ شرعاً ولد الزنا ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کنیز مملوکہ سے مالک کو بغیر نکاح کے صحبت درست ہے، بلکہ خود اس سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کی اجازت نہیں، اگر اپنی مملوکہ نہیں غیر کی مملوکہ تھی اور اس سے نکاح کر لیا پھر وہ اس کی ملک میں آگئی تو اس سے نکاح ختم ہو گیا:

"وحرم نكاح المولى أمته" درمختار۔ "قال في الفتح: لأن النكاح ما شرع إلا مثمراً لثمرات مشتركة في الملك بين المتناكحين، منها ما يختص هي بملكه كالنفقة والسكنى والقسم والمنع من العزل إلا بإذن، ومنها ما يختص هو بملكه كوجوب التمكين والقرار في المنزل والتحصن عن غيره، ومنها ما يكون الملك في كل منهما مشتركاً كالاستمتاع مجامعة ومباشرة والولد في حق الإضافة، والمملوكية تنافي المالكية". رد المحتار: ۲۸۸/۲ (۱)۔

= وكذا في روح المعاني تحت الآية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحا﴾: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال الله تعالى: ﴿ومن يعمل سوءً أو يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفوراً رحيماً﴾ فالواجب على كل مسلم أن يتوب إلى الله حين يصبح وحين يمسي" (تنبيه الغافلين: ۹۰، باب آخر من التوبة، مكتبة حقانية پشاور)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۴۴/۳، سعيد)

سے نہیں کہیں عورت ہونے کی علامت ظاہر ہے، صرف یہ کہ اس میں کچھ نقصان ہے اس کے بناء پر اس کو مرد کہا
جائے گا نہ خنثیٰ، بلکہ وہ عورت ہے، اس سے نکاح درست ہو گیا (۱)۔ اگر بذریعہ علاج اصلاح ہو سکتی ہو تو علاج
کرایا جائے، آپریشن سے کشادگی ہو جانے کی امید ہے کہ جس میں بھی فرق آ جائے، ورنہ شوہر کو طلاق کا حق تو
حاصل ہے ہی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۱۳۹۲ھ۔

اغوا کے بعد نکاح اور متعدد مسائل

سوال [۵۰۷۸]: زید بکر کی لڑکی اغوا کر لیتا ہے، پھر کچھ عرصہ بعد زید و بکر میں صلح ہو جاتی ہے۔
زید و بکر کی لڑکی کا نکاح آپس میں باندھا جاتا ہے، زید کا بھائی اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح بکر کے چھوٹے لڑکے کے
ساتھ باندھ دیتا ہے، اس کے علاوہ دس سو روپیہ نقد بھی بکر کے حوالے کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ نکاح درست ہے؟
پھر زید کے بھائی کی لڑکی جب جوان ہوتی ہے تو بکر چاہتا ہے کہ فسخ نکاح کر دیا جائے؟ تو زید اور اس کا بھائی لڑکی
سے دعویٰ کروا کر عدالت سے مذکورہ لڑکی کا نکاح فسخ کروا لیتے ہیں۔

اب وہی مولوی صاحب عدالت سے فسخ شدہ نکاح کو تسلیم کر کے اس لڑکی کا نکاح ایک مرد سے پڑھا
دیتے ہیں اور جب اعتراض کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ لڑکی کا نکاح کرتے وقت وکالت لڑکی کے والد نے کی تھی
جو مشرک ہے اور مشرک کی وکالت مردود ہے، اس لئے لڑکی کا سابقہ نکاح باقی نہیں۔ جب کہا گیا کہ لڑکی کا
والد مشرک کیسے ہوا؟ تو جواب دیا گیا کہ ایک روز اس نے مجھے کہا تھا کہ "مولوی صاحب! آپ اور آپ کے

(۱) (ولا يتخير أحدهما) أي الزوجين (بعيب الآخر) فاحشاً كجنون وجذام وبرص (ورتق وقرن)" (الدر المختار). "(قوله رتق): بالتحريك - انسداد مدخل الذكر، كما أفاده في المصباح. وقوله (وقرن): كفلس لحم ينبت في مسلك الذكر كالغدة، وقد يكون عظماً" (رد المحتار، باب العنين وغيره: ۳/ ۵۰۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب العنين وغيره: ۴/ ۲۱۳، رشيدية)

(وكذا في النهر الفائق، باب العنين وغيره: ۲/ ۴۷۶، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب العنين وغيره: ۱/ ۴۹۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

سارے مقتدی وہاں ہیں، اس سے سمجھا گیا کہ وہ مشرک ہے اور مشرک کا نکاح کیسا؟ یعنی مشرک کی وکالت مردود ہے۔ نیز ویسے بھی مندرجہ بالا نکاح چھوٹی لڑکی والا درست نہیں اس لئے کہ روپیہ پیش کئے گئے ہیں اور زید کے بھائی نے اپنی بیٹی پر ظلم کیا ہے، اس صورت میں شرعی طور پر بھی لڑکی باپ کا نکاح فسخ کرا سکتی ہے، کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا بکر کی لڑکی کو اغوا کرنا تو حرام ہوا، لیکن اس کے بعد نکاح کرلیا تو صحیح ہو گیا۔ زید کے بھائی نے اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح جو بکر کے چھوٹے لڑکے کے ساتھ کردیا ہے وہ بھی صحیح ہے(۱)، لیکن جو سات سو روپیہ نقد دیئے ہیں ان کی واپسی لازم ہے، کیونکہ یہ خالص رشوت ہے۔ "أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة". رد المحتار: ۳/ ۱۵۶(۲)۔

بلاوجہ شرعی عدالت کے ذریعہ سے نکاح فسخ کرانا ظلم ہے، کسی شرعی وجہ سے اگر حاکم مسلم بااختیار نے نکاح فسخ کیا ہے تب تو یہ فسخ معتبر ہے اور بعد فسخ دوسری جگہ نکاح درست ہے، اور اگر حاکم غیر مسلم ہے تو یہ فسخ معتبر نہیں ہوا، بلکہ کالعدم ہوا ہے(۳)، اور دوسری جگہ نکاح کرنا درست نہیں، ہاں اگر شوہر طلاق دیدے تو دوسری

---

(۱) "وينعقد: أي النكاح متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر وضعا للمضي، الخ".
(الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)
(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، مكتبه شركة علمية ملتان)
(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح ۲/ ۱۷۶، امداديه ملتان)

(۲) (رد المحتار، باب المهر، مطلب: أنفق على معتدة الغير ۳/ ۱۵۶، سعيد)
(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۱/ ۳۲۷، رشيديه)
(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، الثاني عشر في المهر: ۴/ ۱۳۶، رشيديه)

(۳) "صرف پانچ عیوب کی بنا پر قاضی کو تفریق کا اختیار ملتا ہے لیکن اس وقت جب کہ شوہر پاگل یا مولی ہو، دوسرے جب کہ نان و نفقہ ادا نہ کرتا ہو، تیسرے جب وہ نامرد ہو، چوتھے وہ مجنون ہو، پانچویں جب غائب غیر مفقود کی صورت ہو۔ ان صورتوں کے سوا قاضی کو کبھی بھی تفریق کا اختیار نہیں ہے اور محض عورت کی طرف سے ناپسندیدگی کسی بھی قسم میں فسخ نکاح کی وجہ جواز نہیں تھی"۔ (الحیلة الناجزة، ص: ۲۴۳، عنوان "قاضی کی تفریق بین الزوجین"، دارالاشاعت کراچی)

بلکہ درست ہوگا، ان مولوی صاحب کا لڑکے کے باپ کو مشرک اس وجہ سے کہ اس نے مولوی صاحب کو اور ان کے مقتدیوں کو وہابی کہا ہے، مشرک کہنا درست نہیں، بلکہ جہالت ہے، البتہ شخص مذکور کو اسی بناء پر سابقہ نکاح کو غیر معتبر کہنا درست نہیں۔ روپیہ کا لینا ناجائز ہے، لیکن اس سے نکاح ناجائز نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، [illegible]/ صفر/ ۶۰ھ۔

ضمیمۂ استفتاءِ ثانی

سوال [۴۲۰۵]: نقل فتویٰ مولوی صاحب جو جوازِ نکاح کے لئے دیا گیا یعنی وہ مولوی جس نے نکاح پڑھایا تھا تو بھی فتویٰ لیا گیا ہے کہ مولوی صاحب کا نکاح درست ہے، اس کو دیکھ کر جواب دیا جاوے:

ایک شخص نے ایک عورت کا اغوا کر لیا اور پھر اغوا کرنے والے کے بھائی نے عورت کے ساتھ فساد کرنے کے لئے سات سو روپیہ نقد دیے، عورت کے بھائی صغیر نے اپنی لڑکی صغیرہ کا نکاح کر دیا جس بموجب قانون سرکاری لڑکی کا نکاح جو ہے ہوا تھا عدالت میں فسخ کرا دیا گیا، ایک مولوی صاحب نے اس لڑکی کا نکاح اس شخص کے ساتھ پڑھا دیا، اس نکاح خواں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

"فتح القدیر میں ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک نکاحِ صغیرہ کا کرنا جائز ہے، عثمان بتی اور ابن شبرمہ کا یہی مذہب ہے۔ بعض فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ باپ دادا کو اختیار ہے کہ صغیرہ کا نکاح کر دے اور بعد بلوغ اس کو فسخ کرنا درست نہیں، غیر اب وجد کا نکاح جائز نہیں، شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔ ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب کہ اب وجد کا بھی نکاح جائز ہے اور صغیرہ کو بعد بلوغ کے خیارِ فسخ حاصل نہیں اور غیر اب وجد کے لئے بھی صغیرہ کا نکاح کرنا جائز ہے اور صغیرہ کو بعد بلوغ خیارِ فسخ حاصل ہے(۱)۔

---

(۱) (فتح القدیر، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/ ۲۷۴، ۲۷۵، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

وسلم فرماتے ہیں کہ میرا فرض ہے بتانا اگر میں نہ بتاؤں تو اللہ کے عذاب سے کوئی چھڑانے والا نہیں۔

الراقم عظمت اللہ شاہ کشمیری۔

"یہ جو کہا گیا اس میں کوئی اہل اسلام منصف مزاج شبہ نہیں کرے گا، جس کو خوف خدا نہیں اس کو بھی دخل نہیں کہہ سکتے"۔ آفریں صد آفریں شاہ صاحب پر! کہ کیا مسئلہ صحیح لکھا، اب بھی اگر شبہ کرے ایسے دلائل قرآن وحدیث وفقہ شریف پر، کیا لکھے وہ محض ضد ہوگی۔

مولوی محمد نذیر بقلم خود، مولوی محمد عبدالخالق بقلم خود۔

آپ کے فتویٰ کا فائدہ مزید یہ ہوگیا کہ جو لوگ پہلے خیالات فاسدہ کے مرتکب تھے اور مندرجہ بالا قسم عقیدہ رکھتے تھے اب راہ راست پر آرہے ہیں اور جو بھی فتویٰ دیکھتا ہے، کہتا ہے کہ ان مفتیان کی اور مساوی وغیرہ کا قائل ہے اور یہ باعث مسرت ہے اور تحقیق ہے کہ ایسی زن جو نکاح ثانی کے جواز کے حق میں ہیں، آئیں گی اور معاملہ یہی تھا جو آپ کی خدمت میں لکھ کر عرض کیا گیا اگر وہ اس کے خلاف کوئی بات کہہ کر فتویٰ حاصل کرے تو اس کی نقل آنجناب ضرور لکھ کر رکھ لیں۔ اس قسم کا فتویٰ دیوبند اور ڈابھیل سے منگوایا گیا ہے، دونوں وصول ہوئے انہوں نے بھی نکاح کے بارے میں آپ سے اتفاق کیا ہے، باقی امور کے بارے میں وضاحت نہیں کی، ایک ان میں سے واپس برائے وضاحت کے گیا ہے۔

راقم الحروف سلطان محمود ہیڈ مدرس اسکول اوکھڑی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں تک میں سمجھتا ہوں آپ کی تحریر میں یہ امور جواب طلب ہیں:

۱... جو شخص مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے کو کافر نہ سمجھے وہ خود کیسا ہے، مسلم ہے یا کافر؟

۲... حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کے متعلق کلی علم غیب اور ہر وقت ہر جگہ سے فریادرسی کا معتقد رکھنے والے کی علماء نے تکفیر کی ہے مگر تم اے اہل مظاہر علوم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ یعنی دیگر علمائے حق کی موافقت کرتے ہو، یا اس مسئلے میں علمائے حق کے مخالف ہو، یا کوئی جداگانہ مسلک رکھتے ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح میں افضل اور بہتر یہ ہے کہ اعلان کے ساتھ بڑے مجمع میں مسجد میں کیا جائے (۱) اور جائز دو گواہوں کی موجودگی میں بھی ہو جاتا ہے، جب کہ وہ دونوں گواہ مرد مسلمان بالغ عاقل ہوں یا ایک مرد دو عورتیں ہوں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ذی قعدہ/۵۳ھ۔

خفیہ نکاح

سوال [۵۲۷۵]: ایک شخص یعنی غلام نبی ولد غلام محمد ایک عورت کے ساتھ عورت کے ورثاء سے خفیہ نکاح کرتا ہے جس کا نام خدیجہ بی بی بنت سردار خان ہے، عورت بیوہ ہے، رشتہ دار اس شخص یعنی غلام نبی سے دریافت کرتے ہیں کہ اس عورت سے علیحدہ ہو جا چونکہ شبہ ہے، تو وہ کہتا ہے کہ یہ عورت میری ماں بہن کی طرح

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ما جاء في إعلان النكاح: ۱/۲۰۷، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثاني، ص: ۲۷۲، قديمي كتب خانه كراچي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: كثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۳/۹، سعيد)

(۲) "النكاح ينعقد بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر الخ" (الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب: كثيرا ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۳/۹، سعيد)

"وشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاً الخ"

(رد المحتار، مطلب: الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به: ۳/۲۱، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/۳۱۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

کیا ہو) اور اگر دو گواہ بھی وقت نکاح موجود نہیں تھے تو یہ نکاح فاسد ہوا اور اس کا حکم یہ ہے متارکت لازم ہے(۱) اور اس کے بعد عدت گذار کر اگر طرفین رضامند ہوں تو دوبارہ باقاعدہ نکاح کریں۔ اگر غلام نبی متارکت پر تیار نہ ہوا اور مسئلہ سمجھانے کے باوجود نہ مانے تو پھر اس کا بائیکاٹ کر دیا جائے(۲)۔

نکاح صحیح ہونے کی صورت میں لوگوں کے دریافت کرنے پر یہ کہنا کہ "یہ عورت میری ماں بہن کی طرح ہے" کنایاتِ ظہار سے ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے ظہار یا طلاق کی نیت کی ہے تو وہ نیت معتبر ہے اور حسبِ نیت ظہار یا طلاق کا حکم جاری کیا جائے گا، اگر کرامت کی نیت کی ہے یا کچھ نیت نہیں کی ہے تو اس نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

"وإن نوى بأنت علي مثل أمي أو كأمي، وكذا لو حذف "علي" خانية، برًا أو ظهارًا أو طلاقًا، صحت نيته، ووقع ما نواه؛ لأنه كناية، وإن لم ينو شيئًا أو حذف الكاف، بأن قال: أنت أمي، تعين الأدنى أي البر يعني الكرامة اهـ". در مختار(۳)۔

= (رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب آداب الصلاة: ۱/۴۷۷، سعيد)

= امام شامی نے مذکورہ عبارت میں ترک مستحب کا حکم بیان کیا ہے کہ ترک مستحب والا شخص ملامت اور عتاب کا مستحق نہیں، بلکہ ترک مستحب والے شخص سے بائیکاٹ بھی درست نہیں۔

(۱) "ويجب مهر المثل في نكاح فاسد، وهو الذي فقد شرطًا من شرائط الصحة كشهود ... بل يجب على القاضي التفريق بينهما". (الدر المختار) "(قوله: بل يجب على القاضي) أي إن لم يتفرقا".
(رد المحتار، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۱، ۱۳۳، سعيد)
(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه: ۱/۳۳۰، رشيدية)

(۲) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالى، فيجوز فوق ذلك، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول: ۸/۷۵۸، مكتبه رشيديه كوئته)

(۳) (الدر المختار، باب الظهار: ۳/۴۷۰، سعيد)
(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الظهار: ۱/۴۴۹، دار إحياء التراث العربي بيروت) =

اور اگر اس کہنے کے بعد با قاعدہ نکاح کیا ہے تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ربیع الاول/۵۷ھ۔

سول میرج

سوال [۵۲۷۶]: ملک افریقہ میں "ربون" نامی حکومت فرانس کے تابع ایک جزیرہ ہے، وہاں عقد نکاح حکومت فرانس کے قانون کے مطابق کرنا ہوتا ہے، اس کو سول میرج کہتے ہیں۔ وہاں حکومت شریعت اسلامیہ کے موافق عقد نکاح کا اعتبار نہیں کرتی، یعنی عورت کو غیر منکوحہ قرار دیا جاتا ہے اور اولاد کو میراث کی تقسیم میں مشکل در پیش ہوتی ہے، نیز اولاد کے وہاں کی پیدائش کے حقوق کو نقصان پہونچتا ہے۔

جو کسی شخص نے شریعت اسلامیہ کے مطابق عقد نکاح کرنے سے پہلے یا بعد میں حکومت کے قانون کے موافق بھی نکاح کرلیا تو اب اس کو حکومت منظور کرے گی، مگر اس صورت میں اس شخص پر حکومتی عقد کے احکام عائد ہوں گے مثلاً:

۱- اب وہ شخص دوسرا نکاح نہیں کرسکتا۔

۲- تقسیم میراث شریعت اسلامیہ کے موافق نہیں، بلکہ وہاں کے قانون کے موافق کرنی ہوگی، مثلاً زوجہ کو ثمن کے بجائے نصف دیا جائے گا۔

ہندوستان سے جو مسلمان وہاں پر تجارت وغیرہ کے لئے مقیم ہیں ان میں سے بعض اہل اغراض نکاح شرعی کے قبل یا بعد نکاح قانونی مذکور کرلیتے ہیں۔ اب ایسے شخص کے بارے میں یہ امر قابل دریافت ہے کہ کیا اس کو بوجہ عقد قانونی خارج عن الاسلام سمجھا جائے گا اور کیا اس کو دوبارہ کلمہ طیبہ پڑھ کر تجدید نکاح کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نفس نکاح جائز اور مشروع طریق پر ہو اور اس میں کوئی کام اعتقاداً یا عملاً یا قولاً خلاف شرع نہ کرنا پڑے، مثلاً ایسی عورت سے نکاح کیا جائے جو اس کے لئے شرعاً حلال ہے، ایسی عورت نہ ہو جس سے شرعاً نکاح

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الظهار: ۴/۱۵۹، رشيديه)

حرام ہوتا ہے، مثلاً اس کی محرمہ ہو، منکوحۂ غیر یا معتدۂ غیر ہو، مشرکہ ہو، وغیرہ وغیرہ جیسا کہ کتبِ فقہ باب المحرمات میں تفصیل مذکور ہے(۱) تو یہ قانونی نکاح کرانے سے آدمی خارج عن الاسلام نہیں ہوگا، اگر چہ اس نکاح پر جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی خلافِ شرع ہوں گے، مگر وہ اہون ہوں گے ان نتائج سے جو بغیر قانونی نکاح کے مرتب ہوتے ہیں: "من ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما"(۲)۔ ان خلافِ شرع نتائج سے بچنے کی کوئی تدبیر اختیار کر لی جائے، وہ یہ کہ: ورثاء کو اپنی زندگی میں حسبِ حصصِ شرعیہ دے کر ان کو مالک بنادے(۳) اور نکاحِ ثانی کو اعتقاداً جائز سمجھے وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "أسباب التحريم أنواع: القرابة، والمصاهرة، والرضاع، والجمع، وعدم الدين السماوي، والتنافي، وإدخال الأمة على الحرة، فهي سبعة ذكرها المصنف على هذا الترتيب، وبقي المطلقة ثلاثاً، والمحرمة لحق الغير من نكاح أو عدة، الخ". (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/ ۳۲۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب المحرمات: ۳/ ۲۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب المحرمات: ۳/ ۲۰۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "من ابتلي ببليتين وجب أن يختار أهونهما محظوراً، كما في غاية البيان". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۷۱، قديمي)

"ثم الأصل في جنس هذه المسائل أن من ابتلي ببليتين وهما متساويتان، يأخذ بأيهما شاء، وإن اختلفا يختار أهونهما". (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر للحموي، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ۱/ ۲۸۶، إدارة القرآن كراچي)

"إذا تعارض مفسدتان، يختار أهونهما". (قواعد الفقه، رقم القاعدة: [illegible]، ص: [illegible]، نشر الصدف پبلشرز)

(۳) "ثم قال في الخيرية قبيل الغصب والمعاملات عند الكلام على كتابة صك الوقف: إن أراد الواقف [illegible] أولاده يقول: للذكر مثل حظ الأنثيين، وإن شاء يقول: الذكر والأنثى على السواء، ولكن الأول أقرب إلى الصواب ... فهذا نص صريح في التفرقة بين الهبة والوقف، فتكون الفريضة الشرعية -

ضرورت نہیں(۱)۔ ایک سال میں تین حیض آ چکے ہوں گے۔ نکاح ولی کی اجازت سے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۸ھ۔

طلاق کے بعد پھر نکاح اور اس نکاح سے پیدا شدہ بچے کا حق وراثت

سوال[۵۲۷۹]: جس عورت سے میں نے نکاح کیا، وہ اپنے کردار و وفاداری میں ناکام رہی، ایک نے اس کو دوبارہ طلاق تحریری لکھ کر دیا ورنہ تین عدتوں میں جس طرح شریعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ جب پہلی دفعہ طلاق ہوئی تو اس وقت پہلے ایک طلاق بائن لکھی گئی، پھر ایک طلاق کو ختم کیا اور طلاق لکھا گیا۔ اب جو نکاح ثانی ہوا وہ صرف ایک سال قائم رہا اور اس دوران ایک لڑکا تولد ہوا اور جو دوسری طلاق ہوئی وہ سہ طلاق لکھی گئی، لڑکا ماں کے پاس رہائش پذیر ہے۔ چونکہ اس وقت جوانی کے زور نے مجھے مجبور کر دیا وہ عدالت میں جا کر نکاح خوانی کی یعنی بیان حلفی پر دستخط کئے گئے اور کوئی خطبہ نکاح نہ ہوا۔

جو لڑکا تولد ہوا وہ ماں کے پاس ہے اور اس کا نام اور ولدیت بھی اس کی ماں نے تبدیل کی ہے۔

تو میرے مرنے کے بعد لڑکے کو کوئی حق میری وراثت میں ہے کہ نہیں؟

---

(۱) "وإذا قال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولة، طلقت ثلاثاً" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول: ۱/۳۵۵، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق وإيقاع العدد: ۳/۲۸۸، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها: ۳/۲۹۳، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: "والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء" (سورة البقرة: ۲۲۸)

"وهي حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء، سواء كانت الحرة مسلمة أو كتابية" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲۶، رشيدية)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع الدم؛ لأن انقضائها بانقضاء الحيضة الثالثة، وقد انقضت" (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في شرائط جواز الرجعة: ۳/۲۹۶، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر آپ نے کوئی دفعہ ایک یا دو طلاق زبانی دی یا تحریر لکھ کر بھیجی اس کے بعد پھر آپ نے اس سے دوبارہ نکاح کرلیا یعنی کم از کم دو گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کیا تو یہ نکاح صحیح ہوگیا اگرچہ اس میں خطبہ نہ ہوا ہو(۱)، پھر اس سے جو بچہ پیدا ہوا وہ ثابت النسب ہے(۲)، وہ آپ کا لڑکا ہے، آپ کے بعد آپ کی وراثت کا حقدار ہے۔ دوسروں نے اگر اس کا نام بدل دیا تو اس سے کچھ نہیں ہوتا، البتہ ماں کو اس کی پرورش کا حق حاصل ہے جب تک وہ خود کھانے پینے استنجاء کرنے کے قابل نہ ہوجائے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

مطلقہ بیمار کو گھر رکھنا اور اس کی بہن سے نکاح کرنا

سوال[۵۲۷۱]: زید نے اپنی بیوی کو اس کی صحت کی خرابی کی بناء پر طلاق دے دی۔ بعد عدت گذرنے مطلقہ بیوی کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا۔ مطلقہ بیوی کی بہت بیمار ہے اور والدین بوجہ غربت کے اس کے نفقہ سے مجبور ہیں۔ اس لئے زید کا اس مطلقہ بیوی کو کسی اپنے گھر میں اسے رکھنا درست ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) "وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۳/ ۲۱-۲۳، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۶۷، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعاً، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۳۰۶، كتاب النكاح، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "وإذا تزوج الرجل امرأة ... فجاءت بولد لستة أشهر فصاعداً يثبت نسبه منه، اعترف به الزوج أو سكت". (الهداية: ۲/ ۴۳۲، باب ثبوت النسب، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۵۳۶، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۲۸۲، ۲۸۳، باب ثبوت النسب، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم، إلا أن تكون مرتدةً". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۵۴۱، الباب السادس عشر في الحضانة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳/ ۲۹۰، باب الحضانة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۲۹۰، حكم الولد عند افتراق الزوجين، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی ہمدردی اور امانت کے لئے درست ہے، مگر پردہ پورا رہے اور سامنا نہ ہو، نیز تنہائی بھی نہ ہونے پائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۷ھ۔

آنکھوں پہ پٹی باندھ کر نکاح کرنا

سوال [۵۲۸۰]: زید نے ہندہ سے دو گواہوں کے سامنے نکاح کیا، لیکن ہندہ نے اپنی آنکھوں پر جو پٹی باندھ لی، تو کیا یہ پٹی نقاب کے حکم میں ہوگی جس کے بارے میں "رد المحتار" وغیرہ میں لکھا ہے کہ احتیاط یہ ہے کہ چہرہ پر نقاب نہ ہو؟ یا نقاب کے حکم میں نہیں اور نکاح مع جملہ احتیاطوں کے منعقد ہو جائے گا؟

امیر علی صاحب، معرفت حافظ میاں، مدرسہ شاہی مرادآباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مقصود تعریف وتمیز ہے، اگر یہ حاصل ہو جائے تو نکاح درست ہوتا ہے، اگرچہ عورت مجلسِ عقد میں حاضر نہ ہو، محض اس کا نام لیا ہو اور اگرچہ وہ نابینا ہوں اور اگرچہ عورت نقاب پوش ہو۔ پس صورتِ مسئولہ میں اگر گواہ جانتے اور پہچانتے ہیں تو پٹی باندھنا مضر نہیں، خواہ صورت شکل سے پہچانتے ہوں، یا باپ دادا کے نام سے، یا محلہ وبستی کے پتہ سے، یا کسی اور ذریعہ سے۔ اگر پٹی کی وجہ سے پہچان نہیں سکتے اور جہالت باقی ہے، کوئی اور ذریعہ بھی شناخت کا نہیں، تو احتیاط کے خلاف ہے، اگرچہ حکم عدم صحت کا نہیں دیا جا سکتا، کذا یستفاد من رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ذی قعدہ/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "تنبیه: أشار بقوله فیما مر: "ولا المنکوحة مجهولة" إلی ما ذکره في البحر هنا بقوله: ولا بد من تمییز المنکوحة عند الشاهدین لتنتفي الجهالة، فإن کانت حاضرة منتقبة کفی الإشارة إلیها، والاحتیاط کشف وجهها الخ" (رد المحتار، مطلب الخصاف کبیر في العلم یجوز الاقتداء به: ۳/۲۲، سعید)

سمجھتے ہوئے عقد ثانی کرنا چاہتی ہوں، لیکن قاضی و مولوی صاحبان طلاق یا کوئی چشم دید شہادت چاہتے ہیں اور یہ بھائیوں کی وجہ سے نہیں ہو پارہا ہے۔ کیا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ ایسا بن سکتا ہے کہ میں اپنا عقد ثانی کرسکوں؟ اگر ہے تو مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھائی اگر طلاق نامہ نہیں دیتے اور بغیر اس کو دکھائے آپ کا دوسرا نکاح نہیں ہو رہا تو یہ بھائیوں کی طرف سے ظلم ہے(۱)۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کو آپ کے کہنے پر اعتماد ہو اور بغیر طلاق نامہ دیکھے وہ نکاح پر راضی ہو تو اس سے نکاح درست ہو جائے گا۔ اگر آپ کے شوہر کا طلاق دے دینے کا اقرار ہو تو طلاق نامہ کی کو دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں، بلا طلاق نامہ دیکھے نکاح درست ہو جائے گا جبکہ عدت بھی گزر چکی ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۸۸ھ۔

باپ اور بھائی کے ڈر سے کئے ہوئے نکاح سے منکر ہو جانا

سوال[۵۰۸۴]: خلاصہ سوال یہ ہے کہ مسمی عبدالحمید اور مسماۃ حسینن اپنا نکاح اپنی مرضی سے از خود کرنا چاہتے تھے۔ ایک روز مسماۃ حسینن نے اپنے والد کے مکان پر دو بیدار ایک مسلمان بالغ مرد اور دو مسلمان

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تمسكوهن ضرارًا لتعتدوا ومن يفعل ذلك فقد ظلم نفسه﴾ (سورة البقرة: ۲۳۱)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (سورة البقرة: ۲۳۵)

"وإذا طهرت من الحيض الأخير: أي من الحيضة الأخيرة التي تنقضي العدة بها و هي الحيضة الثالثة إن كانت حرةً". (مجمع الأنهر، باب الرجعة: ۱/۴۳۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة؛ لأن انقضاءها بانقضاء الحيضة الثالثة وقد انقضت بيقين". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في شرائط جواز الرجعة: ۴/۳۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

بالغ عورتوں کے عبدالحمید کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ "میں نے اپنا نکاح تیرے ساتھ کیا" عبدالحمید نے جواب میں کہا کہ "میں نے قبول کیا"۔

یہ سوال وجواب ایک ہی جگہ ہوئے جس کو گواہوں نے سنا۔ وحیدن نے اپنے ہاتھوں سے شکر گھر میں سے لے کر تقسیم کردی کہ یہ میرے نکاح کی شیرینی ہے جس کو گواہوں نے لکھ دیا اور عدالت سے بیان حلفی تصدیق کرالی۔ جب باپ اور بھائی کو علم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوئے۔

اب مسماۃ وحیدن بوجہ خوف اپنے باپ اور بھائی کے اس واقعہ سے منکر ہے جبکہ عبدالحمید کے ساتھ خفیہ طور پر ازدواجی زندگی گذار رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب مسماۃ وحیدن دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ نکاح حسب طریقہ تحریر درست ہوگیا تھا یا نہیں؟ اور اب باپ اور بھائی کیلئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے جب نکاح کا ایجاب وقبول ہوا(۱) اور یہ نکاح کفو میں ہوا تو وہ شرعاً معتبر اور لازم ہوگیا(۲) لڑکی کے والدین یا کوئی اور اس کو غیر معتبر نہیں کہہ سکتے، اب لڑکی کا انکار بھی شرعاً معتبر نہیں، اس کے بعد مسماۃ وحیدن کا نکاح کسی اور شخص سے نہیں ہوسکتا(۳)۔ اس کے باپ بھائی کو چاہئے کہ

---

(۱) "النکاح ینعقد ملتبساً بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر ... بشرط حضور شاهدین حرین أو حر وحرتین مکلفین سامعین قولهما معاً الخ". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۹، ۲۱، ۲۲، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۴۴، ۱۵۵، رشیدیه)

(۲) "نفذ نکاح حرة مکلفة بلا ولي ... وروی الحسن إن کان الزوج کفواً نفذ نکاحها، وإلا فلم ینعقد أصلاً". (البحر الرائق: ۳/۱۹۳، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۲/۳۱۳، کتاب النکاح، باب فی الأولیاء والأکفاء، مکتبه شرکة علمیه)

(وکذا فی الدر المختار: ۳/۵۵، کتاب النکاح، باب الولي، سعید)

(۳) "لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاوی —

فصل فی خطبة النکاح

(خطبۂ نکاح کا بیان)

نکاح پڑھانے کے لئے قاضی کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال [۵۰۸۴]: کیا نکاح صرف قاضی ہی پڑھا سکتا ہے، دوسرا کوئی عالم یا شخص نہیں پڑھا سکتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح ہر شخص پڑھا سکتا ہے، قاضی کی تخصیص نہیں، بلکہ عورت اور مرد خود بھی گواہوں کے سامنے اپنا نکاح کر سکتے ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

نکاح میں خطبہ کی حیثیت

سوال [۵۰۸۵]: خطبۂ نکاح دو ہیں: اول، دوم۔ جو شخص نکاح کے خطبہ میں ایک خطبہ پڑھے تو نکاح درست ہے یا نہیں؟ مع حوالہ حدیث شریف تحریر فرمائیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خطبہ ایک ہی کافی ہے اور خطبہ مستحب ہے، لہٰذا بغیر خطبہ کے بھی نکاح ہو سکتا ہے، اگرچہ خلافِ مستحب ہوا ہے

---

(۱) "وینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر" (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

"وأما رکنه فالإیجاب والقبول، کذا في الکافي" (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الفصل الأول: ۱/۲۶۷، رشیدیة)

(وکذا في الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، شرکة علمیة ملتان)

وقبول کا اور کسی، لہٰذا خطبہ فرض کے درجہ میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/جمادی الاولیٰ/۶۹ھ۔

خطبۂ نکاح سنت ہے فرض نہیں

سوال [۵۴۸۶]: ۱... خطبۂ نکاح فرض ہے یا سنت؟ بے پڑھے بھی نکاح درست ہوتا ہے یا نہیں؟

خطبۂ نکاح میں نفقہ وغیرہ کا ذکر

سوال [۵۴۸۷]: ۲... ایجاب وقبول کے درمیان نان ونفقہ کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟ اور بغیر اس کے نکاح ہوگا یا نہیں؟

ایجاب وقبول سے پہلے خطبۂ نکاح

سوال [۵۴۸۸]: ۳... خطبۂ نکاح کس وقت پڑھا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... خطبہ سنت ہے، واجب وفرض نہیں ہے، بغیر خطبہ کے بھی نکاح درست ہو جاتا ہے (۲)، خطبہ

---

(۱) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة" (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند، عنوان: "بغیر خطبہ نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں" ۷/۵۶، امدادیہ ملتان)

"فإن عقد الزواج من غير خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة" (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس: مندوبات عقد الزواج وما يستحب فيه: ۹/۶۶۹۶، رشيدية)

(وكذا في ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۲/۱۱۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة" (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

"فإن عقد الزواج من غير خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة" (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس: مندوبات عقد الزواج وما يستحب فيه: ۹/۶۶۹۶، رشيدية)

(وكذا في ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۲/۱۱۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

۲ ... اس خطبہ کا کھڑا ہو کر پڑھنا کسی کتاب میں نہیں دیکھا، بیٹھ کر پڑھنے کا معمول ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ

خطبۂ نکاح بیٹھ کر ہے یا کھڑے ہو کر؟

سوال[۱۱۲۵]: شادی کے اندر خطبہ کی کیا ضرورت ہے؟ کیا بغیر خطبہ کے شادی نہیں ہو سکتی؟ اگر خطبہ ضروری ہے تو بیٹھ کر پڑھیں یا کھڑے ہو کر؟ جب کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں تو اس کو بھی کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا خطبہ پڑھنا شرط یا رکن نہیں، بلکہ مندوب ہے "وندب إعلانه، وتقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة". درمختار: ۲/۲۰۳(۲)۔ بعض حضرات کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں، بعض

= "وظاهر الخطبة فافاد أنها لا تتعين بألفاظ مخصوصة، وإن خطب بما ورد، فهو أحسن". الخ.

(رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، حكم النكاح: ۴/۱۰، دار الفكر بيروت)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند، كتاب النكاح، باب مسائل متعلقات نكاح: ۷/۱۴۸، مكتبة إمدادية ملتان)

(۱) خیر الفتاوی میں ہے: "دونوں طرح جائز ہے، اور زمانے کا طرز دونوں طرح رہا ہے، لیکن کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا بہتر ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت کھڑے ہو کر خطبات پڑھنے کی تھی"۔ (کتاب النکاح، متفرقات نکاح: ۴/۵۹، ملتان)

(۲) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس مستحبات عقد الزواج: ۹/۶۶۱۹، رشيدية)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند، كتاب النكاح "آیا خطبۂ نکاح دیا جائے یا نہیں؟": ۷/۵۹، دار الاشاعت)

بیٹھ کر، کھڑے ہوکر پڑھنے میں اعلان کی صورت بھی ہے جو کہ مندوب ہے۔ عقدِ بیع وغیرہ میں بھی پڑھتے ہیں اور عامۃً یہ چیزیں بیٹھ کر ہوتی ہیں، ان کے لئے مستقل قیام نہیں ہوتا، یہی حال خطبۂ نکاح کا بھی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۸۹ھ۔

خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر

سوال[۵۲۹۲]: ہمارے شہر میں ایک امام صاحب تشریف لائے ہیں، اور خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پڑھنا مسنون ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی خطبے دیئے ہیں، وہ سب کھڑے ہوکر دیئے ہیں، جبکہ خطبۂ نکاح حدیث میں کہیں بھی بیٹھ کر پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ تو کیا کھڑے ہوکر خطبہ دینے کا جواز ملتا ہے؟ کیا خطبۂ نکاح خطبۂ جمعہ واستسقاء کے مشابہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز تو کھڑے ہوکر بھی پڑھنا ہے، بیٹھ کر پڑھنا بھی ہے۔ جو شخص کھڑے ہوکر خطبۂ نکاح کو پڑھنا مسنون کہے دلیل اس کے ذمہ ہے، وہ حدیث وفقہ سے ثبوت پیش کرے۔ متعدد مواقع پر حدیث شریف میں منقول ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا ہے، مسلم شریف، الادب المفرد میں حدیثیں موجود ہیں(۱)۔ شراح نے اس کی توجیہ لکھی ہے کہ یہ خطبہ جمعہ نہیں تھا، اس کا کھڑے ہوکر پڑھنا بھی منقول ہے(۲)۔ خطبۂ نکاح کو خطبۂ جمعہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۸/۹۳ھ۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر وجلسنا حوله فقال: "إن مما أخاف عليكم بعدي، الخ". (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب تحذير من الاغترار بزينة الدنيا وما يبسط منها: ۱/۳۳۴، قديمي)

(۲) "أن النبي صلى الله عليه وسلم جلس ذات يوم على المنبر وجلسنا حوله". قال ابن الحجر في حديث أبي سعيد رضي الله تعالى عنه: ليس خطبة الجمعة ولا لخطبة معروفة غيرها، وإنما هو للموعظة ونحوها، ولم يثبت عنه صلى الله عليه وسلم الجلوس للخطبة، وإنما خطب قائماً، ولقد ذهب بعضهم —

والا نہ ہوا ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۸۹ھ۔

برہمن سے نکاح پڑھوانا

سوال[۵۲۱۵]: مولوی احمد رضا خان صاحب نے لکھا ہے کہ ”اگر برہمن(۲) نکاح پڑھا دے تو جائز ہے کہ نکاح نام ہے ایجاب وقبول کا“۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص نکاح پڑھاتا ہے وہ شرعی قاضی نہیں، لہٰذا اس میں قاضی کی شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں، وہ شخص محض ایجاب وقبول کی تعبیر کرتا ہے(۳)۔ زوجین خود گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۲/۸۵ھ۔

---

(۱) ”وینعقد أي النکاح: أي یثبت ویحصل انعقاده بالإیجاب والقبول“. (ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

”ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین، أو رجل وامرأتین، عدولاً کانوا أو غیر عدول الخ“. (الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۶، مکتبه شرکة علمیة ملتان)

(وکذا في ملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر، کتاب النکاح: ۱/۳۲۰، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(۲) ”برہمن: پنڈت، عالم، ہندوؤں کی سب سے اونچی ذات“۔ (فیروز اللغات ص:۱۹۷، فیروز سنز لاہور)

(۳) ”وإذا أذنت المرأة للرجل أن یزوجها من نفسه، فعقد بحضرة شاهدین، جاز ... ولنا أن الوکیل في النکاح معبر وسفیر“. (الهدایة، کتاب النکاح، باب في الأولیاء والأکفاء، فصل في الوکالة بالنکاح: ۲/۳۲۲، مکتبه شرکة علمیة)

”الوکیل في باب النکاح لیس بعاقد، بل هو سفیر عن العاقد ومعبر عنه“. (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل في رکن النکاح: ۳/۲۲۴، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۴) (راجع، رقم: ۱)

دیندار صالح آدمی سے خطبہ پڑھوایا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقرر امام نے نکاح دوسرے کے ذریعہ پڑھوایا

سوال [۵۲۹۶]: ہمارے یہاں جامع مسجد کے پیش امام صاحب نکاح وجنازہ کی نماز پڑھاتے ہیں، چنانچہ ایک آدمی دوپہر کے بعد آیا اور کہا کہ شام ۸ بجے تشریف لائیں نکاح ہوگا۔ امام صاحب احتیاطاً ایک آدمی کو ساتھ لیکر چلے، کیونکہ رات کو واپس آنا تھا اندھیری رات ہے، وہ لوگ بھی سواری لئے منتظر تھے، دونوں آدمی سواری میں بیٹھ کر وہاں مغرب میں پہونچے، پھر وہ لوگ اپنے گھر لے گئے، معلوم ہوا یہاں مسجد بھی ہے امام بھی موجود ہیں، ہمارے امام کو شک ہوا کہ یہ نکاح کیسا ہے؟ ان لوگوں نے اطمینان دلایا کہ طلاق شدہ ہے اور کاغذ لائے تو دیکھا کہ فتویٰ دیوبند موجود تھا جس کا نمبر وغیرہ ہمیں یاد نہیں، ان لوگوں کے پاس مستند یا مہر فتویٰ تھا، پھر بھی امام صاحب نے نکاح نہیں پڑھا اور دوسرا آدمی جو ساتھ گیا تھا نکاح پڑھوادیا۔ ان لوگوں نے نکاح خوانی گھر پہنچادی جس کو امام نے آدھا آدھا کردیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ تم نے خود کیوں نہیں پڑھا؟ اور شک تھا تو نکاح خوانی کیوں لی؟ اس وجہ سے امام صاحب نے وہ پیسہ ایک بیوہ عورت کو دے دیا، پھر بھی کچھ آدمی خلاف ہیں، اب یہ ہمارے امام پر کیا ہونا چاہئے؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام صاحب نے تحقیق کرلی اور فتویٰ دیکھ لیا کہ یہ نکاح صحیح ہے، پھر اپنے ساتھی سے کہہ دیا کہ تم نکاح پڑھادو، ساتھی نے پڑھ دیا، تب بھی امام صاحب پر اعتراض کرنا بیجا ہے اور غلط ہے (۲)، کسی مصلحت

---

(۱) "ويستحب إعلانه وتقديمه خطبة ... بعاقد رشيد". (الدر المختار) "فلا ينبغي أن يعقد مع المرأة بلا أحد من عصبتها ولا مع عصبة فاسق ولا عند شهود غير عدول" (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب كثيراً ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۳/۸، سعيد)

(۲) وکیل نکاح اگر کسی دوسرے کو نکاح کا وکیل بنادے اور خود بھی حاضر ہو تو اس دوسرے شخص کا نکاح کرانا جائز ہے، لہٰذا نکاح کے قاضی وغیرہ میں بھی توکیل وکیل جائز ہے۔

"الوكيل بالتزويج ليس له أن يوكل غيره، فإن فعل فزوج الثاني بحضرة الأول، جاز" —

ـت آ ول خود نکاح نہ پڑھے دوسرے سے پڑھوادے تو یہ بھی درست ہے، کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۲۹ھ۔

☆ ..... ☆ ..... ☆ ..... ☆ ..... ☆

—

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۲۹۸/۱، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، كتاب الوكالة، فصل في التوكيل بالنكاح والطلاق: ۴۱۱/۱، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر في الوكالة بالنكاح: ۲۰۲/۳، إدارة القرآن)

زیبائش کے لئے مسجد کے صحن میں چھت تاننا، کپڑوں سے نقش ونگار کرکے اس کو سجانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہئے، البتہ سادہ طریقہ پر مسجد میں نکاح کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۸ھ۔

نکاح کو رجسٹر میں درج کرانا

سوال [۵۳۰۰]: مسجد میں نکاح نہ ہونے پر گھر میں نکاح کرنے والوں کو نکاح کا رجسٹر نہ دینا، مسجد میں نکاح کرنے والوں کو ہی نکاح کا رجسٹر دینا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کو درج رجسٹر کرنا شرعاً لازم نہیں(۲)، اگر ضرورت ہو تو مسجد میں سادہ طور پر نکاح کرادیا جائے(۳) اور پھر درج کرادیا جائے یا مکان پر نکاح کرکے رجسٹر میں لکھوادیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا علیه بالدفوف". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثاني، ص: ۲۷۲، قدیمی)

چونکہ طریقہ مذکورہ کو اختیار کرنا احترامِ مسجد کے خلاف ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ "وعن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ما أمرت بتشييد المساجد". قال ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما: "لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الثاني: ۱/۶۹، قدیمی)

(۲) قال المفتي كفايت الله رحمه الله: "ایجاب وقبول دولوں، باضابطہ گواہوں کے سامنے ہوا تو نکاح منعقد ہو گیا، رجسٹری ہونا ضروری نہیں"۔ (كفايت المفتي: ۵/۱۰۵، كتاب النكاح، پانچواں باب ایجاب وقبول، دار الاشاعت)

(وكذا في خير الفتاوى: ۴/۲۵۷، ۲۵۸، كتاب النكاح، مكتبه الخير ملتان)

(وكذا في فتاوى حقانيه: ۴/۳۱۴، ۳۱۵، كتاب النكاح، نکاح نامہ پُر کرنے کی شرعی حیثیت، دار العلوم حقانيه)

(۳) (راجع، رقم الحاشية: ۱)

نکاح کا رجسٹر میں اندراج

سوال[۵۲۰۱]: نکاح کا اندراج رجسٹر سرکاری میں نہیں ہوا کیا اندراج ضروری ہے؟

منظور احمد تحصیل رڑکی، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً ضروری نہیں، البتہ قانونی روک تھام کے لئے ضروری ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

کیا رجسٹر میں درج نہ ہونے سے نکاح نہیں ہوتا؟

سوال[۵۲۰۲]: مسمیٰ غلام حیدر کا نکاح جبکہ اس کی عمر ۱۳-۱۴/ سال کی تھی مسماۃ مریم ولد ستار شیخ کے ساتھ جبکہ اس کی عمر ۱۰-۱۱/ سال کی تھی باجازت والدین ہو گیا تھا۔ نکاح درج رجسٹر نہیں کے نابالغ ہونے کی وجہ سے نہیں ہو تھا، اس نکاح پر ۵-۶ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔

اب جبکہ مسمیٰ غلام حیدر اپنے سسر سے لڑکی کی رخصت کے لئے کہتا ہے تو وہ انکار کرتے ہیں اور جواب دیتا ہے کہ کوئی نکاح نہیں ہوا اور اس نے اپنی لڑکی مریم کا نکاح دوسری جگہ کر دیا ہے جبکہ اس کی لڑکی کو طلاق نہیں ہوئی۔ ایسی صورت میں یہ نکاح ثانی درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور جن مولوی صاحب نے یہ نکاح ثانی پڑھایا ہے ان کے بارے میں شرعی طور پر کیا حکم صادر ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ستار شیخ نے اپنی نابالغ لڑکی مسماۃ مریم کا نکاح غلام حیدر کے ساتھ گواہوں کے سامنے کر دیا تو وہ شرعاً

---

(۱) نکاح منعقد ہونے کے ثبوت کے لئے اتنا کافی ہے جبکہ دو گواہوں کے سامنے کیا جائے، تاہم آج کل کے حالات کے پیش نظر قانونی گرفت سے بچنے کے لئے نکاح کا اندراج رجسٹر میں مستحسن ضروری ہے۔ "النکاح ینعقد بالإیجاب والقبول بلفظین یعبر بهما عن الماضي ... ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین" (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، مكتبة شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، ۱۵۵، رشيدية)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۷۹، ۱۸۱، امدادية ملتان)

منعقد اور لازم ہوگیا، اب اس کے بالغ ہونے پر لڑکی شوہر کے مکان پر بھیجنا اور اس کے شوہر کا مطالبۂ رخصتی پورا کرنا لازم ہے، محض رجسٹر میں درج نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا درست نہیں کہ نکاح نہیں ہوا تھا، ایسی حالت میں اگر لڑکی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کیا جائے گا تو وہ شرعی نکاح نہیں ہوگا بلکہ نکاح کے نام پر حرام کاری ہوگی، لڑکی بھی معصیت میں مبتلا ہوگی اور جس سے نکاح کیا جائے وہ بھی معصیت میں مبتلا ہوگا، باوجود علم کے جو شخص اب نکاح پڑھائے گا وہ بھی سخت گنہگار ہوگا(۱) اور جو لوگ ایسے نکاح میں شرکت کریں گے وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے(۲)، غضبِ خداوندی اس سے جوش میں آئے گا، اس لئے ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔

اگر اس کا والد اس کا نکاح دوسری جگہ کرنا چاہے تو لڑکی کو لازم ہے کہ ہرگز اس نکاح کو قبول و منظور نہ کرے، اس کی ہرگز اجازت نہ دے اور رخصت ہو کر ہرگز اس دوسرے شخص کے پاس نہ جائے، لقوله تعالیٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم﴾ (إلى قوله تعالى) ﴿والمحصنات من النساء﴾ (الآية) (۳) "ولا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". فتاوی عالمگیری: ۶/۲ (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "والفتوى على المرتد إن استعمل مستحلاً كفر، وإلا لا، فإن ارتكب من غير استحلال فسق".
(شرح الملا علي القاري على الفقه الأكبر، فصل في الكفر صريحاً وكناية، ص: ۱۸۸، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾ (الأنعام: ۶۸)

قال الجصاص الرازي الحنفي: "وذلك عموم في النهي عن مجالسة سائر الظالمين من أهل الشرك وأهل الملة لوقوع الاسم عليهم جميعاً. فغير جائز لأحد مجالستهم مع ترك النكير، سواء كانوا مظهرين في تلك الحال للظلم والقبائح أو غير مظهرين له؛ لأن النهي عام عن مجالسة الظالمين". (أحكام القرآن للجصاص، باب النهي عن مجالسة الظالمين: ۳/۴، دار الكتاب العربي)

(۳) (النساء: ۲۳، ۲۴)

(۴) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيدية)
(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لا تكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

دو پلی ٹوپی اور عمامہ نکاح کے وقت

سوال [۵۳۰۴]: جب بارات جاتی ہے تو سر پر دو پلی ٹوپی (۱) اور عمامہ ضرور رکھا جاتا ہے، اگر کوئی ترک کردے تو اس کو تارکِ سنت کہہ کر ملامت کرتے ہیں۔ تو کیا قبولیت کے وقت عمامہ کا ثبوت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمامہ اور دو پلی ٹوپی ایک پسندیدہ لباس ہے (۲) مگر اس کو مستقلاً سنتِ نکاح قرار دینا درست نہیں (۳)۔ جیسے دیگر اوقات یا نماز کی حالت میں یہ لباس پسندیدہ ہے ایسے ہی وقتِ نکاح بھی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۲ھ۔

مروجہ رسوم کی محفل میں نکاح پڑھانا

سوال [۵۳۰۵]: جس نکاح میں رسومات جو عموماً ہیں ان سب کا ذکر رہا ہو، دولہا کے پاس راکھی (۴) ہو، ہاتھ میں کنگن ہو، سر پر سہرا اور چہرہ پر تیل ڈالا ہو، ایسے دولہا کا نکاح پڑھنا خاص کر ایسے شخص کو جو عالمِ دین

= (وکذا فی الفقہ الإسلامی وأدلتہ، کتاب النکاح، المحرمات من النساء، الفصل الثالث، باب المرأة المخطوبة: ۶۶۳۱/۹، رشیدیہ)

(۱) "دو پلی: ایک قسم کی ہندوستانی وضع کی ٹوپی"۔ (نور اللغات، ص: ۸۸، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور)

(۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "علیکم بالعمائم، فإنہا سیماء الملائکة، وأرخوھا خلف ظہورکم". (مشکوٰة المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الثالث، ص: ۳۷۷، قدیمی)

(۳) قال العلامة عبد الحی اللکنوی: "الحکم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم والتخصیص من غیر مخصص مکروھاً". (مجموعة رسائل اللکنوی، سباحة الفکر: ۳/۳۰۰، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی السعایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۶۵/۲، سہیل اکیڈمی، لاہور)

(وکذا فی مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشہد، (رقم الحدیث: ۹۴۶)، ۳۱/۳، رشیدیہ)

(۴) "راکھی: ہاتھ کو بلا سے حفاظت کرنے والا دھاگا، جسے ہندو سلونوں کے تہوار میں کلائی پر باندھتے ہیں۔ رکھڑی۔" (فیروز اللغات، ص: ۶۹۰، فیروز سنز، لاہور)

کافی ہے(۱)۔ طلاق کی کئی قسمیں ہیں، ایک دفعہ دینے سے بھی طلاق ہو جاتی ہے اس کا اور حکم ہے(۲)، تین دفعہ دینے سے بھی ہو جاتی ہے اس کا اور حکم ہے(۳)، نکاح کی یہ قسمیں نہیں، نہ طلاق پر اس کو قیاس کرنا غلط ہے۔ کلمہ پڑھوانا بھی ضروری نہیں، وہ تو خود پہلے سے ہی مسلمان ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۱۴۰۳ھ۔

بغیر کلمہ پڑھائے نکاح

سوال [۵۳۰۷]: مورخہ ۱۵/جون ۱۹۸۶ء کو محمد محمود ولد علی کی شادی مقرر تھی جس میں میرے والد کو نکاح خوانی کے لئے جانا تھا لیکن بوجہ بیماری وہ نہ جا سکے، بندہ گھر پر موجود تھا، مجھے انہوں نے کہا کہ آپ جا کر نکاح کرائیں، بندہ ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چلا گیا۔ وہاں ڈھول وغیرہ گانے بجانے کے لئے آئے ہوئے تھے جو کہ مجھے دیکھ کر جانے لگے۔

میں نے دیکھا کہ ڈھول بج رہا ہے اور ۳، ۱۵ سال کے بچے ڈانس کر رہے ہیں، بڑا دکھ ہوا کہ مسلمان

ـ أو مؤكلتي منك" (الدر المختار). "(قوله: كزوجت نفسي) أشار إلى عدم الفرق بين أن يكون الموجب أصيلاً أو ولياً أو وكيلاً". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح: ۱/۲۹۴، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/۲۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وينعقد بالإيجاب والقبول ... إذا قال لها: أتزوجك بكذا، فقالت: قد قبلت، يتم النكاح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح: ۱/۲۷۰، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيدية)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، شركة علمية ملتان)

(۲) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۴۷۰، الباب السادس في الرجعة، رشيدية)

(۳) "وإذا قال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۳۵۵، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۲۹۳، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

اور صوفی سید محمد کو کہا کہ اگر آپ کو میرے نکاح پڑھنے سے شرم آتی ہے تو خود جا کر پڑھائیں اور آپ کی جو ذمہ داری ہے کہ لڑکے کو چھ کلمے اور صفت ایمان اور دعائے قنوت اور نماز کا سبق پڑھائیں واسے اللہ کی قسم بھی دی تھی۔ سننے میں آیا کہ وہ لوگ مودودی والوں کے پاس سے فتویٰ لائے ہیں کہ نکاح نہیں ہوتا ہے اس لئے انہوں نے نکاح دوبارہ نہیں پڑھوایا ہے، جب کہ توبہ جرمانہ وغیرہ ادا ہو چکا ہے۔ لہذا اس مسئلہ کے بارے میں قرآن پاک و حدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں اور صوفی سید محمد اور محمد رشید جو کہ غلط بحث کرتے ہیں ان کے بارے میں بھی واضح فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے علمی اور جہالت کی باتیں پیش آئیں، بہت افسوس ہوا کہ مسلمان کلمہ درست بیان نہ کر سکے، نماز واقف نہیں، مجبوراً مسائل کا کیا ذکر۔ صورت مسئولہ میں جب کہ نکاح کا ایجاب وقبول دو گواہوں کی موجودگی میں کرادیا گیا تو وہ نکاح شرعاً صحیح ہو گیا اگرچہ ایجاب وقبول کرنے والا خود کلمے اور نماز وغیرہ سے ناواقف ہو(۱) اور نکاح پڑھانے والے یا انکار کرنے والے یا تقریر کرنے والے کسی کا نکاح نہیں ٹوٹا، سب کا نکاح اپنی جگہ برقرار ہے۔ مالی تعزیر شرعاً درست نہیں، جس جس پر تعزیر کی، وہ رقم واپس کی جائے، کذا فی البحر الرائق (۲)۔ باجہ وغیرہ بھی ممنوع ہے (۳)۔ نکاح کو سنت طریقہ پر انجام دیا جائے جو کہ ایجاب وقبول سے دو

(۱) "وینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر　　وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر، لیتحقق رضاهما، وشرط حضور شاهدین حرین مکلفین" الخ (الدر المختار، کتاب النکاح ۳/۹، ۲۱، ۲۲، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب النکاح: ۲/۱۷۶، ۱۸۰، ۱۸۲، مکتبه امدادیه ملتان)

(۲) "والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال". (البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۵/۶۸، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الحدود، مطلب فی التعزیر بأخذ المال: ۴/۶۲، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(۳) "وفی البزازیة: استماع صوت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام، لقوله علیه السلام: "استماع...

گواہوں کے سامنے منعقد ہو جاتا ہے(۱)۔ خطبہ پڑھنا مستحب ہے اور نکاح بغیر خطبہ کے بھی درست ہو جاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۱۳۸۹ھ۔

نکاح کے وقت کلمہ پڑھانا

سوال [۵۳۰۸]: ہمارے طرف امام صاحب بوقت نکاح دولہا و دولہن کو ایجاب قبول، کلمہ وغیرہ پڑھاتے ہیں دلہن بالغہ ہو یا نابالغہ، بعض آدمی اس پر معترض ہوئے کہ بالغہ سے کلام نہ کرنا چاہئے۔ امام صاحب نے کہا اس میں کیا نقصان ہے؟ دریافت طلب یہ امر ہے کہ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ آیا ایجاب وقبول کلمہ وغیرہ دونوں کو پڑھانا چاہئے یا صرف دولہا کو؟ اگر صرف دولہا کو تو دولہن کو پڑھانا ثواب ہے یا گناہ؟ مع دلائل تحریر فرمائیں۔

از بیاور ضلع اجمیر، عبدالوہاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوقت عقد نکاح کلمہ پڑھانا احادیث اور فقہ اور مجتہدین سے منقول نہیں، البتہ اگر دولہا دولہن کے متعلق علم ہو کہ ان کے عقائد ٹھیک نہیں خلاف شرع ہیں تو جس کے عقائد خلاف شرع ہوں ان کو تجدید ایمان کے لئے کلمہ پڑھانا ضروری ہے اور جس کے عقائد موافق شرع ہوں اس کو ضروری نہیں، ہر جگہ اس کا التزام کرنا غلطی ہے، خاص کر جب کہ دولہن کو کلمہ پڑھانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو اس کی آواز کی وجہ سے، یا لوگوں کی بدگمانی اور اعتراض کی وجہ سے۔

"صوت الملاهي معصية الخ". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۴۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۸۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۱۹، قديمي)

(۱) راجع، ص: ۶۰۹، رقم الحاشية: ۱

(۲) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند، باب ... نكاح: ۷/۵۹، مكتبه امداديه ملتان)

اور اس کے عقیدہ کی خرابی کا علم نہ ہو، بلکہ بظاہر اس کا عقیدہ درست معلوم ہوتا ہو تو پھر اس کو کلمہ پڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں، خطبۂ مسنونہ پڑھ کر ایجاب وقبول کرا دیا جائے، ہاں اگر اس کے عقیدہ کی خرابی کا علم ہو تو ضرور تجدیدِ ایمان کرالی جائے، ایسی حالت میں یا خود بھی زور سے اس طرح کلمہ پڑھانا چاہئے کہ کم پاس کے ایک دو آدمی کم از کم ضرور سن لیں، ورنہ بالجہر پڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر احتیاطاً ہر ایک عاقد کو پڑھایا جائے تو زور سے پڑھانا ضروری نہیں، آہستہ کافی ہے(1)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۵/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۹ھ۔

نکاح کے وقت کلمہ پڑھنا

سوال[۵۲۰۱]: اگر کسی شخص نے کلمہ نہیں پڑھا ہے اور اس کی شادی ہورہی ہے تو کیا نکاح پر بھی کوئی اثر پڑسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف: نفسِ ایمان تو کلمۂ شہادت کی تصدیق واقرار سے حاصل وثابت ہو ہی جائے گا۔ البتہ اس کے درجات بہت ہیں۔ ایک درجہ خشیت کلمات سے حاصل ہوتا ہے ان کو نہ پڑھنا بڑی محرومی ہے۔

ب: شہادتین کی تصدیق حاصل ہونے کے بعد کلمہ کی ادائیگی جب تک نہ ہو تو اس کو کامل نہیں کہا جائے گا۔ ابتداء ایمان کی پختگی وتجدید کے لئے کلمہ پڑھتے رہنا لازم ہے۔ اور یہ افضل الذکر ہے، کما ورد فی الحدیث۔

---

(1) "عن إسماعیل بن إبراهیم، عن رجل من بنی سلیم قال: خطبت إلی النبی صلی اللہ علیه وسلم أمامة بنت عبد المطلب، فأنكحنی من غیر أن یتشهد" (سنن أبی داود، باب فی خطبة النكاح: ١/٢٨٩)

امداد الفتاوی:

مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "کلمہ پڑھوانا نکاح کی شرط نہیں ..." (کفایت المفتی، الباب الثامن، کتاب النکاح، عنوان: نکاح کا شرعی طریقہ: ۵/۴۰، دار الاشاعت کراچی)

ج: کلمہ پڑھائے بغیر بھی نکاح صحیح ہو جائے گا، کیونکہ وہ پہلے سے ہی مسلمان ہے، نکاح کے وقت مسلمان کو کلمہ پڑھانا شرعاً لازم نہیں۔ پڑھا دیا جائے تو بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ١١/٦/٩٣ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

فتاوی محمودیہ

ارباب فتاویٰ، اہل علم اور تشنگان مطالعہ کے لئے

مفتی اعظم ہند مولانا: محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ

کے

فتاویٰ کے دس ہزار سے متجاوز جزئیات پر حاوی ایک انمول تحفہ!!!

فصل فی الشہود فی النکاح

(نکاح میں گواہوں کا بیان)

نکاح میں خدا اور رسول اور فرشتوں کو گواہ بنانا

سوال[۵۲۱۰]: فتاوی عالمگیری ج۲ ص۲۶۶(۱) میں ہے کہ اگر کسی نے نکاح میں خدا ورسول کو گواہ بنایا، اور اس صورت کہا کہ میں نے خدا اور رسول اور فرشتوں کو گواہ بنایا تو کافر ہوجائے گا۔ اور اگر اس نے کہا کہ دائیں اور بائیں ہاتھ کے فرشتوں کو گواہ بنایا تو کافر نہیں ہوگا۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاوی عالمگیری کی عبارت مندرجہ ذیل ہے: "رجل تزوج امرأة ولم يحضر الشهود، قال: "خدائے را ورسول را گواه کردم" أو قال: "خدائے را وفرشتگان را گواه کردم" يكفر. ولو قال: "فرشتۂ دست راست را گواه کردم، وفرشتۂ دست چپ را گواه کردم" لا يكفر. كذا في الفصول العمادية". عالمگیری مصری، ص ۲۶۶، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين(۲)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر جگہ، ہر وقت حاضر و ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے، کسی اور فرشتہ وغیرہ کے لئے بھی یہ ثابت کرنا درست نہیں، بلکہ شرک ہے۔ جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور وہاں کوئی گواہ سامنے نہیں تھا، بلکہ خدا اور رسول کو گواہ بنایا تو اس نے رسول (ﷺ) کو خدا کی طرح حاضر و ناظر مانا، یا تمام فرشتوں کو گواہ بنایا تو ان کو خدا کی طرح حاضر و ناظر مانا، لہٰذا یہ شرک ہوگیا۔ اگر دائیں یا بائیں ہاتھ کے کاتب اعمال

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بالأنبياء عليهم الصلاة والسلام: ۲/۲۶۶، رشيدية)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، المصدر السابق)

فرشتوں کو گواہ بنایا تو اس سے مشرک نہیں ہوا، اس لئے کہ وہ ہر وقت اور ہر جگہ اس کے ساتھ موجود رہتے ہیں، خدائے پاک کی طرف سے مسلط ہیں، دوسرے کسی فرشتہ کی یہ شان نہیں۔ تو نکاح دونوں صورتوں میں نہیں ہوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خدا اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کرنا

سوال[۵۳۱۱]: زید ایک بیوہ عورت کو لے کر وطن سے دوسری جگہ دور چلا گیا اور وہاں پہونچ کر بیوہ عورت نے زید سے راضی خوشی میں کہا کہ میں بعوض ۳۰۰/ روپیہ مہر آپ کے نکاح میں آنا منظور کرتی ہوں، زید نے خدا اور رسول کو گواہ قرار دے کر بعوض ۳۰۰/ روپیہ مہر پر بیوہ عورت کو قبول کیا (منظور کرلیا)۔ نکاح کے وقت زید اور بیوہ عورت ان دونوں فرد کے سوا اور دوسرا کوئی فرد نہیں تھا اور دونوں ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنے لگے، کچھ عرصہ بعد اس سے بچے پیدا ہوئے۔ بچے کو حلال قرار دیا جائے گا یا حرامی؟ زید کا نکاح ہوا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کے حوالے سے جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح نکاح کرنے سے نکاح نہیں ہوا(۲)، انعقادِ نکاح کیلئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا مجلسِ عقد میں بطور گواہ ایجاب وقبول سننا ضروری ہے(۳)، تنہائی میں نکاح نہیں ہوتا۔ خدا اور رسول کو گواہ بنا کر

---

(۱) "ومن تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله، لا يجوز النكاح، كذا في التجنيس والمزيد" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۲۶۸/۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح ۳۲۰/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۵۵، رشيديه)

(۲) "رجل تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله، كان باطلاً لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا نكاح إلا بشهود" وكل نكاح يكون بشهادة الله ورسوله لم يجز، وبعضهم جعلوا ذلك كفراً؛ لأنه يعتقد أن الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم يعلم الغيب وهو كفر" (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح: ۳۳۳/۱، رشيديه)

(۳) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل —

الله دی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال[۴۸۵۳]: عنایت اللہ نے ایک غیر مسلم شادی شدہ عورت سے ناجائز تعلق پیدا کرلیا اور اس کو اپنے گھر لے آیا، لوگوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ میں نے اس کو مسلمان کرلیا ہے اور نکاح کرلیا ہے، دل محمد نے نکاح پڑھایا جو مرچکے، گواہ اللہ میاں تھے، ایسی صورت میں یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عورت مسلمان ہونے کا اقرار کرتی ہے تو وہ مسلمہ ہے لیکن وہ عنایت اللہ کی بیوی نہیں بنی، عنایت اللہ کا نکاح اس سے منعقد نہیں ہوا: "ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین". هدایہ(۱)۔

نکاح کے لئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورت کا موجود ہونا ضروری ہے، صرف اللہ میاں کی گواہی صحتِ نکاح کے لئے کافی نہیں(۲)، اللہ میاں تو ہر چیز دیکھتے ہیں حلال ہو یا حرام۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۹۹ھ۔

ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی نکاح میں

سوال[۵۰۱۳]: ایک بالغہ عورت نے شوہر کے اس باپ اور بہن کو شاہد بنا کر اپنے دوسرے سے شادی کرلی ہے، تو شرعاً یہ شہادت معتبر ہے یا نہیں، جبکہ عورت کے کسی رشتہ دار کو نکاح ثانی کا بالکل علم نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بہن بالغہ ہے تو شرعاً یہ نکاح منعقد ہوگیا ہے، کیونکہ بالغہ کو اپنا نکاح اپنے کفو میں کرنے کا اختیار

---

(۱) (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۲۲/۳، ۲۱، سعید)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح ۱۹۹/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ومن تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله، لا يجوز النكاح، كذا في التجنيس والمزيد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول ۲۶۹/۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح ۳۲۰/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح ۱۵۵/۳، رشيديه)

حاصل ہے(۱) اور دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا ضروری ہے(۲)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۱۱/ ۸۸ھ۔

نکاح کے لئے گواہ کم از کم کتنے ہوں؟

سوال[۴۲۱۳]: (۱)... اگر کسی مقام کفرستان جو دور مسلمان دور دراز فاصلہ پر ہوں، بجلس آپ ہی مسلمانوں کا گھر ہو، غیر لڑکی جوان العمر عاقلہ بالغہ ہو اور لڑکا بھی جوان ہو، دو مرد دو ہو یا ایک مرد اور ایک عورت کے اپنا نکاح کرلیں، مجبوری و مسلمان نہ ہوتے و اندیشہ فعل حرام سے بچنے کی غرض سے، کیا نکاح جائز ہے؟

(۲)... مرد دو گواہ مرد وعورت کے ہمراہ ایک لڑکی مسلمان چودہ سالہ جس کو کئی مرتبہ حیض آچکا ہے وہ بھی بوقت نکاح موجود ہوتی ہے، کیا لڑکی کی شہادت از روئے شرع معتبر ہے؟ حضرت مولانا حافظ محدث اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ بمروہ احتشام موافق چو سوالات از روئے شرع محمدی نکاح ہو گیا ہے، یہ نہیں ٹوٹ سکتا؟ مگر بکر کہتا ہے کہ مدرسہ سہارنپور کا فتویٰ بمع آیات قرآن و احادیث مستفسر و مع مہر مدرسہ ہونا چاہئے۔

(۳)... اگر بکر دوسری جگہ دختر کو دیدے تو جو فعل حرام ہوگا اس کا عذاب کس کی گردن پر ہوگا؟ کیا دوسری جگہ نکاح کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱)... حنفیہ کے نزدیک ایجاب وقبول کم از کم دو عاقل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ہونا

---

(۱) (فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا) رضا (ولي) والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا (أي الولي) ... (لاعتراض في غير الكفء) الخ. (الدر المختار، باب الولي: ۳/ ۵۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۹۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين عدولا كانوا أو غير عدول" الخ. (الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۵۵، رشيدية)

(وكذا في سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/ ۳۲۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

لٹک ڈال کر اس کے حقوق سے دست کش ہو کر دوسری بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی جائے نا انصافی اور ظلم ہے (۱)۔ اگر یہ شخص اپنی اصلاح نہ کرے تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا، پھر اچھا یہ ہے کہ اس سے نکاح بھی نہ پڑھوایا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۰ھ۔

تعیینِ گواہاں کے بغیر مجمع میں نکاح

سوال [۵۰۱۸]: یہاں پر ایک بارات مسجد میں آئی نماز مغرب کے بعد نکاح ہونا تھا، نکاح خواں نے کہا کہ گواہ والا لڑکی کے باپ نے کہا کہ خدا کے گھر میں بیٹھے ہیں، گواہ کی کیا ضرورت ہے، تم نکاح پڑھاؤ۔ اس وقت لڑکی کی اجازت بھی کوئی خاص شخص کو نہیں لی گئی تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مجمع کے سامنے ایجاب وقبول کرایا گیا ہے تو وہی سب گواہ ہیں، مستقلاً مقرر کر کے گواہ ہونا ضروری نہیں (۳)۔ اگر لڑکی کے والد نے پہلے ہی کہہ دیا ہو کہ فلاں لڑکے کے ساتھ اتنے مہر پر تمہارا نکاح کر رہا ہوں اور لڑکی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من كانت له امرأتان، فمال إلى إحداهما، جاء يوم القيامة وشقه مائل". (سنن أبي داود، كتاب النكاح، باب القسم: ۱/۲۹۰، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۲/۱۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۳۸۱، رشيدية)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار). "(قوله: وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك ... بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم الخ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(۳) "(ولو بعث) مريد النكاح (قوماً للخطبة، فزوجها الأب أو الولي) بحضرتهم، صح، فيجعل المتكلم فقط خاطباً والباقي شهوداً، به يفتى". (الدر المختار). "وعليه الفتوى، لأنه ضرورة في جعل –

نے انکار نہ کیا ہو تو بھی اجازت ہے، اگر پہلے نہ کہا ہو اور نکاح کے بعد جا کر خبر کردے اور لڑکی خبر سن کر اس کو منظور کرے بلکہ خاموش رہے تب بھی وہ نکاح پختہ اور لازم ہو جاتا ہے(۱)، ہاں! خبر سن کر فوراً اس نے انکار کردیا کہ مجھے منظور نہیں تو وہ جب ہی ختم ہو جاتا ہے اور دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق ہوتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

تجدیدِ نکاح کے وقت بھی گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے

سوال [۵۳۱۶]: اقصی طا اگر نکاح کو دہرانا ہے تو اس وقت بھی کیا شاہد وغیرہ کی ضرورت ہے یا نہیں

- لكن حاطئاً فيجعل المتكلم فقط، والباقي شهود". (رد المحتار: ۳/۲۲، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام، سعيد)

"رجل زوج ابنته من رجل في بيت وقوم في بيت آخر يسمعون ولم يشهدهم، إن كان من هذا البيت إلى ذلك البيت كوة رأوا الأب منه، تقبل شهادتهم ... رجل بعث أقواماً لخطبة امرأة إلى والدها، فقال الأب: زوجت، وقيل: هي لتزويج واحد من القوم، لا يصح النكاح، وقيل: يصح، وهو الصحيح، وعليه الفتوى". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۶۸، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعاً الخ، رشيديه)

(۱) "(فإن استأذنها هو) أي الولي - وهو السنة - (أو وكيله أو رسوله أو زوجها) وليها وأخبرها رسوله أو فضولي عدل (فسكتت) عن رده مختارة (أو ضحكت غير مستهزئة) الخ". (الدر المختار: ۳/۵۸، ۵۹، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۸۷، ۲۸۸، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۳/۱۹۶، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(۲) "بالغة زوجها أبوها، فبلغها الخبر، فقالت: لا أريد، أو قالت: لا أريد فلاناً، فالمختار أنه رد في الوجهين". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۸۸، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۵۹۲، كتاب النكاح، فصل في الخيار بين الزوجين، دار الكتب العلمية بيروت)

"لأن الفرقة بالخيار فسخ للعقد، والعقد إذا انفسخ يجعل كأنه لم يكن". (رد المحتار: ۳/۷۰، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

بیوی دونوں کا نکاح وایجاب قبول کافی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وقت بھی شاہدوں کا ہونا ضروری ہے، صرف شوہر و بیوی کا تنہائی میں ایجاب وقبول کافی نہیں (۱)، مہر بھی متعین کیا جائے گا، گذشتہ مہر کافی نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/المحرم/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۶/محرم/۶۸ھ۔

بھائی و بھتیجی کی گواہی کے بیان میں اختلاف

سوال [۵۳۲۰]: ۱... زید عمرو کا حقیقی بھائی ہے، زید عمرو کے حق میں اس کے نفع کی شہادت دیتا ہے نہ نقصان کی، آیا زید کی شہادت عمرو کے حق میں نفع کے واسطے شرعاً قبول ہے یا نہیں؟

۲... منگنی کی مجلس کے چار گواہ، جو دار معزز ہیں اور دو گواہ معمولی تھے، چار گواہاں کہتے ہیں کہ ایجاب کے بعد قبول نہیں سنا، اور دو گواہ معمولی ایک حقیقی بھائی مدعی کا، دوسرا بھتیجی مدعی کا یعنی رشتہ رکھتے ہیں قبول مدعی نے کیا ہے۔ آیا یہ اختلاف شہادت میں ہوا یا نہیں، اس اختلاف کی وجہ سے یہ شہادت شرعاً مقبول ہے یا نہیں؟ نیز بھتیجی کی شہادت بوجہ رشتہ دار ہونے کے شرعاً مقبول ہے یا مردود؟

۳... جو گواہ مدعی علیہ کی طرف سے مختار ہے وہی گواہ اصرار مدعی حقیقی ہو کر مدعی نیز کے ساتھ ہی عداوت کرتا ہے اور مدعی کے ساتھ مدعی علیہ کے برخلاف اس کے حقوق کو پامال کرنے کیلئے مشورہ کرتا ہے۔ کیا اس کی شر

---

(۱) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين". (الهداية، ۲/۳۰۶، كتاب النكاح، شركة علمية ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في الشهادة: ۳/۳۹۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيدية)

(۲) "المهر يتكرر بالعقد مرة وبالوطء أخرى ... والطلاق بعد الدخول يعقب الرجعة ويوجب كمال المهر". (فتاوى قاضي خان، كتاب النكاح، فصل في تكرار المهر: ۱/۳۹۲، ۳۹۳، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الثالث في تكرار المهر: ۱/۳۲۳، رشيدية)

یا شہادت مقبول ہے یا مردود؟ لہٰذا عنداللہ جواب بحوالہ تحریر فرما کر اجرِ عظیم حاصل فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصلی واقعہ کا جواب مدعی ومدعی علیہا وگواہان کے بیان دیکھ کر اور حسبِ ضرورت تنقیحات کر کے پہلے مفصل لکھا جا چکا ہے، اس مرتبہ جو سوالات کئے گئے ہیں صرف ان کا جواب دیا جاتا ہے:

۱ . بھائی ہونا گواہی قبول ہونے سے مانع نہیں: "شہادۃ الأخ لأخیہ ولأولادہ جائزۃ اھ". فتاوی عالمگیری: ۳/ ۴۷۰ (۱)۔

۲ . یہ شہادت میں اختلاف نہیں کیونکہ چار گواہ اپنے سننے کی نفی کرتے ہیں نفسِ قبول کی نفی نہیں کرتے، پس اگر مدعی کا بھائی اور مدعی کا بہنوئی عادل ہیں اور مدعی کی طرف سے قبول کرنے کی شہادت دیتے ہیں تو شرعاً ان کی شہادت قبول ہوگی، محض بھائی اور بہنوئی ہونے کی وجہ سے شہادت رد نہیں کی جا سکتی (۲)۔

رہی یہ بات کہ ان کی اس شہادت سے نکاح کو منعقد قرار دیا جائے یا محض مسخری کی چھیڑ چھاڑ پر محمول کیا جائے، تو یہ موقوف ہے مدعی اور مدعی علیہا اور گواہی کے پورے بیان اور مجلس کی پوری کیفیت سامنے ہونے پر جس کو پہلے لکھا جا چکا ہے۔

۳ . اگر مدعی علیہا نے کسی شخص کو وکیل بنایا تھا اور وکیل یہ کہتا ہے کہ مجھے نکاح کا وکیل بنایا تھا اور میں نے عقد کر دیا ہے اور مدعی وکیل ہونے کا تو اقرار کرتا ہے لیکن عقد کا انکار کرتا ہے تو اس سے وکالت تو ثابت

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریۃ، الفصل الثالث فیمن لا تقبل شہادتہ للتہمۃ الخ، کتاب الشہادات: ۳/ ۴۷۰، رشیدیہ)

"أما سائر القرابات کالأخ والعم والخال ونحوھم، فتقبل شہادۃ بعضھم لبعض الخ" (بدائع الصنائع، کتاب الشہادۃ، فصل فی شرائط الرکن: ۹/ ۳۵، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الشہادات، باب من تقبل شہادتہ ومن لا تقبل: ۷/ ۱۵۶، رشیدیہ)

(وکذا فی خلاصۃ الفتاوی، کتاب الشہادات، الفصل الثانی فی الشہادات: ۴/ ۶۹، امجد اکیڈمی لاہور، پاکستان)

(۲) (راجع الحاشیۃ المتقدمۃ آنفاً)

ہوجائیگی، لیکن عقد کیلئے مستقل شہادت درکار ہے(۱) اگر لڑکی بالغہ ہے تو عقد کیلئے اس کی اجازت اور رضا بھی ضروری ہے(۲) اور شرعاً ولی نہ ہونا بھی شہادت کے رد کا سبب نہیں، اور بلاوجہ کسی کی مخالفت کرنا اور اس کو اذیت پہنچانا، پامال کرنا سخت گناہ ہے، اس سے ہر شخص کو اجتناب لازم ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بہتاناً وإثماً مبیناً﴾(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،   صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/محرم/۵۶ھ۔

نکاح میں شہادت فاسق کا حکم

سوال[۵۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زادهم اللہ شرفاً ومجداً مباحثۂ ذیل میں:

۱..... زید کہتا ہے کہ بموجب کتب متداولہ احناف مثلاً: قدوری، کنز الدقائق، شرح وقایہ، ہدایہ، رد المحتار، در مختار، در المنتقیٰ، مجمع الأنہر، فتاویٰ ہندیہ، فتح القدیر، البحر الرائق، خانیہ، وغیرہ کے انعقاد نکاح کو دو مرد یا ایک مرد دو عورت گواہ – خواہ عادل ہوں یا فاسق – کافی ہیں۔ اور اس

---

(۱) "ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاہدین حرین عاقلین بالغین. اعلم أن الشہادة شرط فی باب النکاح، لقولہ علیہ الصلاة والسلام: "لا نکاح إلا بشہود". (الہدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۶، شرکة علمیة ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۵۵، رشیدیہ)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب النکاح: ۳/۱۹۹، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "لا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنہا، بکراً کانت أو ثیباً الخ" (الفتاوی العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الأولیاء: ۱/۲۸۷، رشیدیہ)

"ولا تجبر بکر بالغة علی النکاح أی لا ینفذ عقد الولی علیہا بغیر رضاہا". (البحر الرائق، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۹۳، رشیدیہ)

(وکذا فی الہدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۱۳، مکتبہ شرکة علمیة ملتان)

(۳) (سورة الأحزاب: ۵۸)

صورت میں فاسق کی شہادت سے نزد احناف نکاح صحیح ہے، اس لئے کہ حدیث شریف جو کہ فتح القدیر وغیرہ کتب میں مذکور ہے وہ مقید بقید عدالت نہیں ہے۔

اور نزد احناف یہ قاعدہ اصول فقہ میں طے شدہ ہے کہ "مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے" بایں روایت "المطلق یجری علی إطلاقہ" ارشاد نبوی ہے: "لا نکاح إلا بشہود"، اس حدیث شریف میں لفظ "شہود" بوجہ قاعدہ مسلمہ فاسق وعادل ہر دو قسم شاہد کو شامل ہے۔

البتہ بوقت نزاع نزد قاضی بدیں طور کہ مثلاً زوج مدعی نکاح ہے اور عورت منکرہ ہے، یا بالعکس گواہان انعقاد نکاح - جو کہ فاسق ہیں - صرف ان کی شہادت سے نزد قاضی یہ نکاح شرعاً ثابت نہیں ہو سکتا ہے، اس لئے کہ صریح فرمان واجب الاذعان بابت گواہ مقبول الشہادت یہ ہے: ﴿واشہدوا ذوی عدل منکم﴾، ﴿ذوا عدل منکم﴾، ﴿ممن ترضون من الشہداء﴾" اور اس صورت میں فیصلہ شرعیہ بموجب حدیث شریف "والیمین علی من أنکر" حلف پر ہے اور بصورت مذکورہ بوقت نزاع نزد قاضی گواہان فاسق شرعاً ہیچ ہیں۔

اور عمر یہ کہتا ہے کہ جب کہ گواہان فاسق کی شہادت سے انعقاد نکاح صحیح ہے اور بوقت انعقاد نکاح ان کی شہادت مانی جاتی ہے تو بوقت نزاع بھی ان کی گواہی معتبر کیوں نہیں رکھی جاتی، اس لئے کہ مقصود از گواہان انعقاد نکاح اظہار نکاح بوقت نزاع ہے اور جب یہ مقصود فوت ہو گیا تو گواہان مذکورہ لا طائل ثابت ہوں گے تو گویا نکاح بغیر شہود ہوا جو کہ نزد احناف ناجائز ہے۔

زید اس کے جواب میں علاوہ دلائل نقلیہ مذکورہ یہ کہتا ہے کہ گواہان فاسق لا طائل نہیں، بلکہ کار آمد ہیں، اس لئے کہ بوجہ گواہان مذکورہ مواخذۂ اخروی زنا سے بریت ہے۔ نیز مواخذۂ دنیاوی جو کہ حد ہے وہ ساقط ہے، بموجب حدیث شریف: "الحدود تندرأ بالشبہات"۔

اور اہلیت شہادت اور ادا اور مقبولیت شہادت نزد قاضی میں بڑا فرق ہے جس سے کتب فقہ مملو اور مشحون ہیں، یعنی نزد قاضی مقبولیت شہادت ہے نہ اہلیت، یہی محل نفی واثبات وسلب وایجاب علیحدہ ہے اور یہ مردودیت شہادت زجراً بوجہ فسق ہے۔ خانگی معاملات غیر نزاعی اور قضائی معاملات نزاعی میں فرق نہیں ہے۔

۲..... زید کہتا ہے کہ داڑھی منڈوانا یا قبضہ سے کم رکھنا موجب گناہ ہے اور بوجہ ارتکاب فعل، مذکورہ

شخص عادل قابل قبول شہادت شرعاً نہیں ہے گو کہ صوم وصلوٰۃ اور صبر کا پابند ہو اور دیگر منہیات شرعیہ سے بھی مجتنب ہو، بموجب حدیث شریف جو کہ متفق علیہ صحیح ہے:

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "خالفوا المشركين أوفروا اللحى وأحفوا الشوارب" وفي رواية: "انهكوا الشوارب واعفوا اللحى" متفق عليه".

اور یہ تو قاعدہ اصول فقہ میں ثابت ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے خصوصاً جب کہ وہ مقرون بالوعید ہو، لہٰذا وجوب داڑھی رکھنا اور حرمت قطع لحیہ "[illegible]"۔

اور اس روایت سے بہ اجماع خیر القرون سلف صالحین تا خلف صالحین عدم جواز قطع لحیہ ثابت ہے۔ اور بصورت قطع لحیہ خلاف اجماع بھی لازم آتا ہے جو کہ موجب فسق و مخل عدالت شاہد ہے، اس لئے کہ اجماع فی نفسہ مستقل حجت شرعیہ قابل عمل ہے۔ اور گواہ عادل کے معنی یہ ہیں کہ "گناہ کبیرہ و اصرار صغیرہ سے محترز ہو" اور بصورت مذکورہ عدم احتراز از گناہ مذکورہ ثابت ہے۔

عمرو کہتا ہے کہ دور حاضرہ میں داڑھی منڈوانا یا ایک قبضہ سے کم رکھنا عام رواج ہے اور اس میں اکثر بلکہ قریب قریب تمام عالم مبتلا ہیں، اب اگر یہ فعل مخل قبول شہادت ہے تو گواہ داڑھی دار کا ملنا زمانہ مشاہدہ میں قریب ناممکن عادی ہے اور اس قید کی وجہ سے شب و روز حلف کاذب فریق مخالف دیدہ دانستہ کرے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ دروازہ حق تلفی حقوق العباد بجائے بستہ ہونے کے وا ہو جائے گا، کیونکہ نہ داڑھی دار گواہ موافق معیار شرعی دستیاب ہوں گے اور نہ حق رسی صحیح طریق پر ہو سکے گی۔ اس لئے یہ فعل مذکور بلحاظ ضرورت شدیدہ دور حاضر میں مخل عدالت گواہ نہیں ہے، کیونکہ بموجب روایت فقہ بوجہ اختلاف زمانہ حکم بدل جاتا ہے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے: "الحكم يختلف باختلاف الزمان"۔

علاوہ ازیں اگر یہ فعل شرعاً موجب فسق اور مخل قبول شہادت ہے تو نزد امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فاسق صاحب مروت اور وجیہ کی شہادت قابل قبول ہے، چنانچہ روایت کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں مصرح موجود ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ داڑھی منڈا یا ایک قبضہ سے کم رکھنے والا لائق قبول شہادت نہ ہو؟

اس کے جواب میں زید کہتا ہے کہ دین کی تکمیل ہو چکی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿الیـــــوم

﴿اكملت لكم دينكم﴾ الآية نصوص صریحہ اور اجماع اور سنت متوارثہ جمیع انبیاء علیہم السلام سے یہ فعل ناجائز ثابت ہے۔

لہٰذا اب دورِ حاضرہ میں کسی طرح احکام مقررہ شرعیہ قابلِ ترمیم اور تنسیخ نہیں ہیں اور نہ ہوں گے اور تردید روایت امام ابو یوسف بمقابلۂ عین صریح خود کتب فقہ ہدایہ وغیرہ سے ثابت ہے۔

اور دیگر روایت پیش کردہ احکام مقررہ منصوصہ شرعیہ پر ہرگز ہرگز حاوی نہیں ہے، اس پر "الف لام للعہد الخ" شاید عدل ہیں لہٰذا ضرورت دورِ حاضرہ بمقابلۂ احکام مقررہ شرعیہ ہیچ ہے اور رواج دین مقررہ پر ہرگز غالب نہیں ہوسکتا۔

"الإسلام يعلو ولا يعلى" صریح فرمان ہے، ہر مسلمان پر اتباعِ دین لازم اور ضروری ہے اور دین کو اپنی ضروریات اور خواہشات کے تابع کرنا مخل خطرہ ہے۔ بلکہ بموجب فرمانِ والا شان: ﴿فاسئلوا أهل الذكر﴾ الآية۔ علمائے کرام سے استدعا ہے کہ مندرجہ زید وعمرو پر نظر عمیق شرعی فرما کر بالتفصیل بحوالہ روایات معتبرہ اظہار فرمائیں کہ زید حق پر ہے یا عمرو، تاکہ نزاع موجودہ طے ہوجائے؟ واللہ اعلم وعلمہ احکم۔

المستفتی: احمد حسن ابن سید ابو الحسن، ساکن ٹونک، راجپوتانہ، محلہ قافلہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید وعمرو کا مباحثہ پڑھا، عمرو کا کہنا کہ "جب شہادتِ فاسق سے انعقاد صحیح ہے تو بوقتِ نزاع بھی اس کا اعتبار ہونا چاہیے" قیاس مع الفارق اور اصول وفروع فقہ وحدیث کے خلاف ہے اور بوقتِ نزاع اس شہادت کا اعتبار نہ کرنے سے اصل انعقاد میں بھی اعتبار نہ کرکے اس کو معدوم اور باطل سمجھ کر انعقاد بلا شہادت (جو کہ ناجائز ہے) ماننا بھی غلط ہے اور عدمِ تفقہ پر مبنی ہے، جیسا کہ امور ذیل سے واضح ہے۔

الامر الاول: شاہد کی دو حالتیں ہیں جو اپنی شرائط اور آثار کے اعتبار سے بالکل متمیز ہیں: ایک حالتِ تحمل، دوسری حالتِ ادا:

"إن للشاهد حالتين: حالة التحمل وحالة الأداء، وإن من شرط الأداء الحرية والبلوغ والإسلام، فيشترط وجود ذلك عند الأداء اهـ" معين الحكام ص: ۱۰۸(۱)۔

(۱) (معين الحكام، الفصل السابع في ذكر الشهادات، الفصل الرابع، ص: ۱۰۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

شارع سے محال ہے، کما تقرر فی کتب الأصول (۱)۔ اور جو عارض "فسق" مانع عن القبول ہے وہ لازم ذات نہیں، بلکہ قابلِ انفکاک ہے "بطریق توبہ"، اسی لئے تحت حکم الحاکم داخل نہیں۔ پس اگر تحمل شہادت تو بحالتِ فسق ہے اور بعد توبہ ہو تو شرعاً یہ تحمل بھی معتبر اور ادا بھی معتبر (۲)۔

الامر الرابع: اگر فاسق بحالتِ فسق بھی شہادت دے اور قاضی کو تحری سے اس میں صدق راجح معلوم ہو تو اس پر حکم نافذ کرنا درست ہے، کیونکہ بسا اوقات ذی حق فاسق کو تحری بقرار رہتا ہے، لیکن کذب سے اجتناب کرتا ہے، اور اسی کی یہاں ضرورت ہے:

"وكذا ينعقد النكاح بشهادة الفاسقين عندنا، وعنده لا ينعقد. وجه قول الشافعي رحمه الله تعالى أن معنى قبول الشهادات على الصدق، ولا يظهر الصدق إلا بالعدالة؛ لأن خبر من ليس بمعصوم عن الكذب يحتمل الصدق والكذب، ولا يقع الترجيح إلا بالعدالة، واحتج في المعقد النكاح هكذا في الأصل، والظاهر في عدم النكاح بقوله عليه الصلوة والسلام: "لا نكاح إلا بولي وشاهدي عدل".

ولنا عمومات قوله تعالى: ﴿واستشهدوا شهيدين من رجالكم﴾ الآية، وقوله عليه الصلوة والسلام: "لا نكاح إلا بشهود". والفاسق شاهد بقوله سبحانه وتعالى: ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾ قسم الشهود إلى مرضيين وغير مرضيين، فيدل على كون غير المرضي -وهو الفاسق-

---

(۱) "ونحن نقول: إن النهي يراد به عدم الفعل مضافاً إلى اختيار العباد، فإن كف عن المنهي عنه باختياره، يثاب عليه، ولا يعاقب عنه. وإن لم يكن ثمه اختيار، سمي ذلك الكف نفياً ونسخاً، لا نهياً، كما إذا لم يكن في الكوز ماء ويقال له: لا تشرب، فهذا نفي. وإن لم يكن ذلك بوجود الماء، سمي نهياً. فالأصل في النهي عدم الفعل بالاختيار الخ" (نور الأنوار، باب النهي، ص: ۹۳، سعيد)

(۲) "أما من شرائط الأداء حتى لو كان وقت التحمل صبياً عاقلاً أو عبداً أو كافراً أو فاسقاً، ثم بلغ الصبي وعتق العبد وأسلم الكافر وتاب الفاسق، فشهدوا عند القاضي، تقبل شهادتهم" (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ۸/۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادة: ۷/۹۵، رشيدية)

شاهدنا: أولاً: حضرة الشهود في باب النكاح لدفع تهمة الزنا، لا للحاجة إلى شهادتهم عند الجحود والإنكار؛ لأن النكاح يشتهر بعد وقوعه، فيمكن دفع الجحود والإنكار بالشهادة بالتسامع، والتهمة تندفع بحضرة الفاسق، فينعقد النكاح بحضرتهم.

وأما قوله: الركن في الشهادة هو صدق الشاهد، فنعم، لكن الصدق لا يقف على العدالة لا محالة، فإن من الفسقة من لا يبالي بارتكابه، هكذا في الأصل. والظاهر أن معناه: أنواع من الفسق ويستنكف عن الكذب والكلام في فاسق تحرى القاضي الصدق في الشهادة، فغلب على ظنه صدقه. ولو لم يكن كذلك، لا يجوز القضاء بشهادته عندنا. وأما الحديث فقد روي عن بعض نقلة الحديث أنه قال: لم يثبت عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ومن يثبت فلا حجة له فيه". بدائع صنائع: ٦/ ٢٧٠ (١)۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ فاسق کی شہادت بالکلیہ ہر حال میں مردود نہیں، بلکہ بعض اوقات میں مقبول بھی ہے۔

الامر الخامس: فاسق کی شہادت مقبول نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ قاضی کے ذمہ اس کی شہادت کا قبول کرنا واجب نہیں، یہ مطلب نہیں کہ اس کی شہادت کو (بعد تحری) قبول کرنا صحیح بھی نہیں ہے:

"باب القبول وعدمه: أي من يجب قبول شهادته ومن لم يجب، لا من يصح قبولها أو لا يصح، لصحة الفاسق مثلاً". در مختار. "أي لصحة القضاء بشهادته: أي وقد ذكره مما لا يخفى". طحطاوی: ٣/ ٢٣٩ (٢)۔

الامر السادس: بعض مشائخ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ "جو شخص نکاح میں ولی بن سکتا ہے، وہ شاہد بھی بن سکتا ہے" اور حنفیہ کے نزدیک فسق مانع ولایت نہیں، پس اس کی شہادت بھی درست ہے:

---

(١) (بدائع الصنائع، كتاب الشهادات: ٢٨٠/٤، دار الكتب العلمية بيروت)

(٢) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب القبول وعدمه: ٢٣٩/٣، مكتبه دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الدر المختار، باب القبول وعدمه: ٤٧٤/٥، سعيد)

"ومن ذلك قول الشافعي وأحمد رحمهما الله تعالى: إن الولاية للفاسق مع قول أبي حنيفة ومالك رحمهما الله تعالى: إن الفسق لا يمنع الولاية". ميزان شعراني: ۲/۱۲۶ (۱)۔

بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ جو شخص جس عقد کو خود قبول کرسکتا ہے اس کی موجودگی میں وہ عقد درست ہوجاتا ہے اور فاسق عقدِ نکاح کو خود قبول کرسکتا ہے لہذا اس کی موجودگی۔۔۔ (کافر ہر شخص کے اس حکم میں داخل نہیں)۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کی شہادت پر بعض فقہاء کے نزدیک حکم کرنا صحیح ہے اس کی موجودگی میں نکاح صحیح ہے اور فاسق کی شہادت پر حکم کرنا بعض صورتوں میں جائز ہے جیسے کہ [illegible] میں مذکور ہے، اس کی موجودگی میں نکاح صحیح ہے۔

"من مشايخنا من اختار في هذا الفصل تفصيلاً فقال: كل من صلح أن يكون وليًّا في النكاح بولاية نفسه يصلح شاهداً فيه، وإلا فلا، وهذا الاعتبار صحيح؛ لأن الشهادة من باب الولاية؛ لأنها تنفيذ القول على الغير، والولاية هي نفاذ المشيئة. ومنهم من قال: كل من يملك قبول عقد بنفسه ينعقد ذلك العقد بحضوره، ومن لا فلا، وهذا الاعتبار صحيح أيضاً؛ لأن الشهادة من شرائط ركن العقد، وركنه هو الإيجاب والقبول، ولا وجود للركن بدون القبول، فكذا لا وجود للركن بدون القبول حقيقة لوجوده شرعاً بدون الشهادة.

وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه أشار في الأصل وقال: كل من جاز الحكم بشهادته في قول بعض الفقهاء ينعقد النكاح بحضوره، ومن لا يجوز الحكم بشهادته عند أحد لا ينعقد بحضوره، وهذا الاعتبار صحيح أيضاً؛ لأن الحضور لفائدة الحكم به عند

---

(۱) (ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۲/۱۰۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"هو البالغ العاقل الوارث ولو فاسقاً على المذهب ما لم يكن متهتكاً" (الدر المختار، باب الولي: ۳/۵۳، سعيد)

"والفسق لا يسلب الولاية على المشهور" الخ (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۳۳۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الأداء، فإذا جاز الحكم بها في الجملة، كان الحضور مفيداً". بدائع مختصراً: ۲/۲۵۳ (۱)۔

انعقادِ نکاح بشہادۃ الاعمٰی کی دلیل بھی ملاحظہ ہو بدائع: ۲/۲۵۵ (۲)۔

الامر السابع: دراصل "اشتراط الشہود فی النکاح" کی علت "اثباتِ النکاح عند الجحود" نہیں کہ مقبول الشہادۃ کی شہادت ضروری اور غیر مقبول الشہادۃ کی شہادت لاطائل اور کالعدم ہے، بلکہ علت کچھ اور ہے، کما سیجیء۔ البتہ مقبول الشہادۃ ہونا افضل ہے، ضروری نہیں، تاکہ بوقتِ جحود ثبوت میں سہولت رہے اور شہادتِ نکاح حضور عند العقد پر موقوف بھی نہیں، کما سیجیء فی الامر الثامن۔ لہٰذا انعقاد ایسے گواہ کی گواہی سے بھی ہو جائے گا جس کی شہادت قطعاً مقبول نہیں:

"وكذا كون شاهد النكاح مقبول الشهادة عليه ليس بشرط لانعقاد النكاح بحضوره، وينعقد النكاح بحضور من لا تقبل شهادته عليه أصلاً، كما إذا تزوج امرأة بشهادة ابنيه منها، ينعقد عندنا، وعند الشافعي لا ينعقد. وجه قوله أن الشهادة في باب النكاح للحاجة إلى صيانته عن الجحود والإنكار، والصيانة لا تحصل إلا بالقبول، فإذا لم يكن مقبول الشهادة لا تحصل الصيانة.

ولنا أن الإشهاد في النكاح لدفع تهمة الزنا لا لصيانة العقد عن الجحود والإنكار،

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في صفات الشاهد: ۳/۳۹۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"وفي شرح الطحاوي: كل من يصلح أن يكون ولياً في النكاح بولاية نفسه، يصلح أن يكون شاهداً في النكاح، ومن لا فلا. إذا ثبت هذا فنقول: ينعقد النكاح بشهادة الفاسق والأعمى الخ".

(خلاصة الفتاوى، الفصل السادس في الشهود: ۲/۱۳، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۳/۲۳، سعيد)

(۲) "وكذا بصر الشاهد ليس بشرط، فينعقد النكاح بحضور الأعمى لما ذكرنا الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الشهود: ۳/۴۰۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"إذا ثبت هذا فنقول: ينعقد النكاح بشهادة الفاسق والأعمى". (خلاصة الفتاوى، الفصل السادس في الشهود، كتاب النكاح: ۲/۱۳، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

والتہمة تندفع بالحضور من غير قبول على أن معنى التهمة يحصل بنفس حضورهما؛ لما أن كان لا تقبل شهادتهما؛ لأن النكاح يظهر ويشتهر بحضورهما، فإذا ظهر واشتهر تقبل الشهادة فيه بالتسامع، فلا تتمكن التهمة. وكذا إذا تزوج امرأة بشهادة ابنيه لا منها، أو ابنيها لا منه، يجوز؛ لما قلنا.

ثم عند وقوع الجحود والإنكار ينظر: إن وقعت شهادتهما لواحد من الأبوين، لا تقبل، وإن وقعت عليه تقبل؛ لأن شهادة الابن لأبيه غير مقبولة وشهادتهما عليه مقبولة" بدائع: ۲/۲۵۵(۱)۔

الامر الثامن: اگر "اثبات النکاح عند الجحود" کو "اشتراط الشہود فی النکاح" کی علت ہی کہا جاوے، ذمہ دار منفعت کے وجہ تسلیم کیا جائے تب بھی گواہانِ انعقاد کا عادل ہونا لازم نہیں، کیونکہ ثبوت عند الجحود بھی شہودِ انعقاد کی شہادت پر موقوف نہیں، لیکن باب نکاح میں بطریقِ استفاضہ شہادت بالتسامع بھی کافی ہوتی ہے اور اس پر ائمہ ثلاثہ: امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نصبِ شہود کو بھی ضروری نہیں مانتے، بلکہ اعلان و تشہیر کو ضروری و کافی سمجھتے ہیں:

"ومن ذلك قول أبي حنيفة: إنه تجوز الشهادة بالاستفاضة في خمسة أشياء: في النكاح، والدخول، والنسب، والموت، وولاية القضاء، مع قول أصحاب الشافعي رحمه الله تعالى في الأصح من مذهبه بجواز ذلك في ثمانية أشياء: في النكاح، والنسب، والموت، وولاية القضاء، والملك، والعتق، والوقف، والولاء. ومع قول أحمد رحمه الله تعالى: إنه تجوز في تسعة أشياء، وهي الثمانية المذكورة عند الشافعية، والتاسعة: الدخول. اهـ" ميزان: ۲/۲۰۵(۲)۔ "ومن

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الشهود: ۳/۳۰۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (ميزان الشعراني، كتاب الشهادات: ۲/۲۰۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"ولا يشهد أحد بما لم يعاينه بالإجماع، إلا في عشرة على ما في شرح الوهبانية: منها العتق والولاء عند الثاني، والمهر على الأصح، بزازية. النسب والموت والنكاح والدخول وولاية القاضي وأصل الوقف، الخ" (الدر المختار، كتاب الشهادات: ۵/۴۶۴، ۴۶۵، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ۹/۱۰، دار الكتب العلمية بيروت)

ذلک قول الأئمة الثلاثة: إنه لایصح النکاح إلا بشهادة مع قول مالک رحمه الله تعالیٰ إنه یصح من غیر شهادة، إلا أنه یعتبر فیه "الإشاعة وترک التراضي بالکتمان". میزان: ۱۱۸/۲ (۱)۔

الامر التاسع: قضاء اور دیانت میں فرق کثیر ہے، نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ کی بے شمار جزئیات اس کی شاہد اور اس پر متفرع ہیں، کما لایخفی علی من طالع کتب الفقه، ولا إلا من لم یرزق التفقه (۲)۔

الامر العاشر: یہ تمام گفتگو اس وقت ہے کہ زید و عمر دونوں مقلد اور حنفی ہوں اور قول امام کو حجت سمجھتے ہوں اور خود منصب اجتہاد کے مدعی نہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں تو نزاع بیکار ہے، کیونکہ اس صورت میں تو ان کے لئے کسی عالم، مفتی، مجتہد، غوث، صحابی، کا قول و فعل حجت ہے خواہ وہ نص قرآنی، حدیث صحیح پر ہی کیوں نہ مبنی ہو، بلکہ حدیث کا ترجمہ اور روایت بالمعنی کیوں نہ ہو، نہ کسی کتاب فقہ کی نقل کافی ہے بلکہ جو کچھ ان کی سمجھ میں آئے گا وہ کریں گے خواہ اس کا ماخذ کچھ بھی ہو اور خواہ کسی طرح سمجھا ہو ﴿والله یهدی من یشاء إلی صراط مستقیم﴾۔ لہٰذا ان کو اول مسئلہ تقلید کا فیصلہ ضروری ہے، کیونکہ یہ اسی پر مبنی ہے: ﴿تلک عشرة کاملة﴾۔

۲..... داڑھی منڈوانا یا ایک قبضہ تک ہونچنے سے پہلے کٹانا بلاشبہ ممنوع اور ناجائز ہے، روایات حدیث و فقہ اس پر صراحۃً دال ہیں، ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں:

"قص اللحیة کان صنیع الأعاجم، وهو الیوم شعار کثیر من أهل الشرک وعبدة الأوثان کالإفرنج والهنود ومن لاخلاق لهم في الدین من الفرقة الموسومة بالقلندریة في زماننا، اهـ"(۳)۔

---

(۱) (میزان الشعراني، کتاب النکاح: ۱۱۱/۲، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولو نوی الطلاق: أي بقوله: أنت طالق عن وثاق، لم یدین في القضاء؛ لأنه خلاف الظاهر، إلا أن یکون مکرهاً، ویدین فیما بینه وبین الله تعالیٰ؛ لأنه یحتمله. ولو نوی به الطلاق عن العمل، لم یدین في القضاء ولا فیما بینه وبین الله تعالیٰ .. ولو صرح فقال: أنت طالق من هذا العمل، صدق دیانة لاقضاءً الخ" (فتح القدیر، باب إیقاع الطلاق: ۲/۴، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وکذا في الهدایة، باب إیقاع الطلاق: ۳۵۹/۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۳) (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الطهارة، باب السواک، الفصل الأول: ۹۱/۲، رشیدیه)

بعض گواہ نکاح کے مقر ہوں بعض منکر تو کیا کیا جائے؟

سوال[۵۳۲۲]: ۱- ایک بالغ لڑکا اور ایک بالغ لڑکی دونوں نے چھپ کر نکاح کرلیا ہے، اب دونوں کے والدین کو خبر نہیں۔ نکاح کے ایک کاغذ پر وکیل کے دستخط اور دولہا دلہن کے دستخط اور قاضی کے دستخط ہیں، ان سبھوں کی موجودگی میں نکاح ہوا ہے۔ جب نکاح کا چرچا ہوا تو بعض لوگوں کی ڈر سے ایک گواہ اور قاضی دونوں انکار کر رہے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا ہے اور انکار کرنے والوں کے دستخط بھی ہیں، دستخط کر کے بھی انکار کر رہے ہیں۔ لیکن دولہا اور دلہن اور ایک گواہ اور وکیل یہ چاروں کہہ رہے ہیں کہ نکاح ہوا ہے۔ اب بتائیے کہ یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اب لڑکا اور لڑکی کے والدین کو کوئی اعتراض نہیں؟

۲- دولہا اور دلہن اور وکیل اور ایک گواہ یہ چاروں قرآن مجید کی حلف لینے کیلئے تیار ہیں کہ نکاح ہوا ہے، اور ایک گواہ اور قاضی دونوں دستخط کرنے کے باوجود بھی قرآن مجید کی حلف لینے کے لئے تیار ہیں کہ نکاح نہیں ہوا، لہٰذا من جانب جماعت حلف اٹھا سکتے ہیں کہ نہیں؟ از روئے شرع مطلب مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکا لڑکی دونوں ہم کفو اور بالغ ہیں اور ایک گواہ اور وکیل کا بیان یہ ہے کہ ہمارے سامنے لڑکے سے یہ کہا گیا کہ یہ لڑکی تمہارے نکاح میں دے، اور لڑکے نے یہ کہا کہ میں نے اس کو قبول کیا اور لڑکی بھی اسی مجلس میں موجود تھی تو شرعاً یہ نکاح صحیح ہو گیا(۱)، کسی سے حلف لینے کی ضرورت نہیں، دونوں کے والدین کو اعتراض

-- نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف: ۲/۱۲۵، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۱) "وعلى هذا إذا زوج الأب ابنته البالغة بمحضر شاهد واحد، إن كانت حاضرة جاز وإن كانت غائبة، لم يجز، الخ" (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۷، شركة علمية ملتان)

وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۲۰۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۳/۲۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۷۵، دار الكتب العلمية بيروت)

میرے شوہر عبدالستور مجھ کو لے آئے، لہٰذا اب تین سال سے میں اطمینان سے اپنے شوہر کے پاس ہوں اور میرے دو اولاد ہیں۔ ایک عالم نے بھی عبدالستور کے نکاح کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا، ایک مفتی نے بھی عبدالستور کا نکاح صحیح ہونے کا فتویٰ دیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ کی شہادت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے (۱)، البتہ اگر زوجین میں سے کوئی منکر ہو تو باپ کی شہادت اولاد کی موافقت میں قضاءً معتبر نہیں ہوتی (۲)، صورت مسئولہ میں کوئی منکر نہیں، لہٰذا اس نکاح کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ عبدالستور کا نکاح صحیح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆....☆....☆....☆....☆

---

(۱) "أمر الأب رجلاً أن يزوج صغيرته، فزوجها عند رجل أو امرأتين والحال أن الأب حاضر، صح، لأنه يجعل عاقداً حكماً، وإلا لا". (الدر المختار). "فالتعليل ما أورده في النهاية: من أنه تكلف غير محتاج إليه، فإن الأب يصلح شاهداً". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۳/۲۳، سعيد)

"قال في النهاية: هذا تكلف غير محتاج إليه في المسئلة الأولى، لأن الأب يصلح أن يكون شاهداً في باب النكاح، فلا حاجة إلى نقل المباشرة من المأمور إلى الآمر حكماً الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۲۰۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۸۴، امدادیہ ملتان)

(۲) قال العلامة ابن الهمام: "وأما الأخوان بأن يزوج الأب ابنته بشهادة ابنيه، فأنكر الزوج وادعاه الأب والبنت كبيرة، أو المرأة فشهدا، لا تقبل. ولو كان الزوج هو المدعي والمرأة منكرة، أو الأب، قبلت، هذا قول أبي يوسف. وعند محمد: تقبل وإن كان المدعي الأب أو المرأة أيضاً. والأصل أن كل شيء يدعيه الأب فشهادتهما فيه باطلة وإن لم يكن فيه منفعة له لشبهة الأبوة عند أبي يوسف، لثبوت منفعة نفاذ كلامه. وقال محمد: كل شيء للأب فيه منفعة جحداً وادعاه، فشهادة ابنيه فيه باطلة، وكذا كل شيء وليه مما يكون خصماً فيه كالبيع ونظائره". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۲۰۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح: ۵/۵۲۸، ۵۲۹، رشیدیہ)

فصل في الإكراه على النكاح

(زبردستی نکاح کرانے کا بیان)

مار پیٹ اور آبروریزی کے خوف سے اپنی بیٹی کا نکاح کرانا

سوال [۵۲۲۱]: میں حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میرے فرزند غلام رسول کا مسماۃ نورانی کے ساتھ ناجائز تعلق مشہور تھا، مسماۃ نورانی کے سسر اور خاوند صدا نے مشورہ کیا کہ ایک رات نورانی کو میرے گھر روانہ کردیا جائے، میں اس وقت موجود تھا۔ جب نورانی میرے فرزند کے پاس آکر بیٹھی تو فوراً محمد نور مسماۃ نورانی کا سسر بھی پہنچ گیا، محمد نور نے آکر غلام رسول اور نورانی دونوں کو پکڑا اور شور وغل مچایا، میرا فرزند تو بھاگ گیا، نورانی کو لے کر وہ گھر چلے گئے، لوگ بھی سن کر جمع ہوگئے، چرچا ہوگیا۔

صبح سویرے محمد نور اور اس کی برادری کے تمام لوگ ہتھیار ڈنڈے لیکر میرے گھر پر حملہ کردیئے اور ہم کو آکر پکڑ لیا اور شہر کا نمبردار بھی ان کے ساتھ ہوگیا تھا، تمام دن ہم کو قید رکھا اور برا بھلا کہتے رہے اور کہا: یا فرزند ہمارے حوالہ کردو چاہے ہم اس کو قتل کریں یا جو ہماری مرضی ہو، فرزند صاحب تو ڈر کے مارے بھاگ گئے۔ پھر انہوں نے کہا: یا اپنی دختر کا محمد نور کے پوتا محمد اسلام سے نکاح کردو، یا تمہاری عورت اور دختر کو ہم جبریہ اٹھالے جائیں گے اور تم اگر مقابلہ کروگے تو قتل کردیئے جاؤگے، نمبردار نے تو ہم کو مارا بھی ہے۔ میں اکیلا تھا، گھبرایا، تب ہم نے ڈر اور پیٹ کی وجہ سے بغیر کچھ سوچے اپنی دختر معصومہ کا جس کی عمر تقریباً چار سال ہے نکاح کردیا اور میرے گواہ موجود ہیں اور یہ بات تمام لوگوں کو معلوم ہوچکی ہے۔

بیان گواہ حسین بخش

"میں مسجد میں بیٹھ کر اور بقبلہ رو بیٹھ کر کلمہ "اشہد" پڑھ کر حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اللہ بخش کے گھر پر محمد نور وغیرہ و تمام برادری نے مع ہتھیار حملہ کرکے اللہ بخش کو پکڑ لیا اور تمام دن قید رکھا اور تقاضا کیا کہ یا فرزند

محلِ کلام ہوتا جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں تفصیل سے بیان کیا ہے (۱)، صورتِ مسئولہ اس میں داخل نہیں۔ فریب سے متعلق جو اشکال نکاح پر ہے وہی مسئلۂ طلاق پر بھی ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۰/۸۹ھ۔

نکاح بذریعۂ اکراہ

سوال [۵۳۴۶]: زید کی ایک لڑکی ہے اس کو اس آدمی بل کر یہ کہتے ہیں کہ لڑکی کا نکاح بکر کے ساتھ کردو، اور اگر نہیں کرتے تو ہم تم کو ماریں گے۔ اب اگر لڑکی کا باپ بخوفِ جان بکر سے اپنی لڑکی کا نکاح کردے تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاوجہ اس طرح جبر کرنا گناہ اور ناجائز ہے مگر نکاح اس صورت سے بھی منعقد ہو جاتا ہے: "نکاح المکرہ صحیح" اھ. شامی: ۲/۳۷۴ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/شوال/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "وفي شرح المجمع: حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه، لا يجوز عقده إجماعاً، الخ". (ردالمحتار، باب الولي: ۳/۶۶، ۶۷، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب. هل ينعقد النكاح بالألفاظ المصحفة نحو تجوزت: ۳/۲۱، سعيد)

"والأصل أن تصرفات المكره كلها قولاً منعقدة عندنا، إلا أن ما يحتمل الفسخ منه، كالبيع والإجارة، يفسخ وما لا يحتمل الفسخ منه كالطلاق والعتاق والنكاح والتدبير والاستيلاد والنذر، فهو لازم، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الإكراه، الباب الأول: ۵/۳۵، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإكراه: ۲/۱۵۴، مكتبه ميمنيه مصر، ومكتبه تاجران كتب بازار قندهار، افغانستان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإكراه: ۸/۱۳۶، رشيديه)

جبراً نکاح

سوال [۵۳۲۷]: ہندہ کا عقد نکاح بزمانہ نابالغی ہندہ، زید کے ساتھ اس کے والدین نے کردیا، ہندہ کی نکاح پر قطعی رضامندی نہ تھی اور نہ بروقت ایجاب وقبول ہندہ سے اجازت نکاح لی گئی، ہندہ نے اس موقع پر بہت آہ وفغاں کر کے اظہار ناراضگی بھی کیا مگر حسب رواج ہندوستان ہندہ کی والدہ، نانی وغیرہ نے ہندہ کو چپ کرکے دم بخود کردیا کہ تو بڑی بے حیا لڑکی ہے، اپنے خاندان وغیرہ کہہ کر آہ وفغاں سے روک دیا۔ علاوہ ازیں ہندہ کو اس وقت یہ علم بھی ٹھیک طور پر نہ تھا کہ بلوغ پر لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف والدین وغیرہ نہیں کرسکتے ہیں، اس وجہ سے بھی ہندہ بصد رنج وملال خاموش ہوکر زید کے یہاں چلی گئی۔

ہندہ کے والدین ناخواندہ اور علم شریعت سے ناواقف تھے، اس وجہ سے ان کو ہندہ کے انکار کی اہمیت نہ ہوئی اور ہندہ کو زید کے ساتھ رخصت کردیا۔ جب ہندہ زید کے یہاں چلی گئی حسب رواج ہندہ اور زید ایک مکان میں رہے۔ چونکہ یہ نکاح ہندہ کی مرضی کے خلاف منعقد ہوا تھا اس وجہ سے زید اور ہندہ میں خلوت صحیحہ نہ ہوئی، اگر زید ہندہ کی طرف بڑھا تو ہندہ نے اس کی دست درازی کو روک دیا، غرض کہ زید وہندہ میں کوئی تعلق زن وشوئی کا پیدا نہ ہوا۔ اسی رد وکد میں زید نے ہندہ کو نہایت بے دردی سے یہاں تک زد وکوب کیا کہ ہندہ کی تندرستی بھی خراب ہوئی مگر ہندہ نے اس کی مقاربت کو گوارا نہ کیا۔ ہندہ بخوف جان اپنے میکے میں چلی گئی، زید نے ہندہ کو جبراً لیجانا چاہا مگر ہندہ خود نہیں گئی۔

زید وہندہ کے رشتہ داروں میں باہم بہت جھگڑے وفساد ہوئے، یہاں تک کہ آپس میں مقدمہ بازی شروع ہوگئی۔ ہندہ کی طرف سے دعوی استقرار طلاق ودین مہر، زید کی طرف سے دعوی طلب زوجیت عدالت منصفی میں رجوع ہوگیا۔ ہندہ کے رشتہ داروں نے زید کو پیغام دیا کہ فریقین میں تنازعہ طول پکڑ گیا، آرام کے ساتھ زندگی بسر ہونے کی کوئی توقع نہیں، بہتر ہے کہ تو ہندہ کو اپنی زوجیت سے علیحدہ کردے، ہندہ تجھ کو ایک ہزار روپے دین مہر کا معاف کرتی ہے، مگر زید اس کے لئے آمادہ نہیں ہوا، آخر مقدمہ بازی ہوکر زید کا دعوی خارج ہوگیا اور ہندہ کا دعوی زید پر ڈگری ہوا۔ لہذا اس صورت میں کیا حکم ہے؟ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اور عدت ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح منعقد ہوگیا تو اس سے چھٹکارہ کی کیا صورت ہے؟

المستفتی: محمد ہارون، موضع [illegible]

پس اگر نکاح کو فسخ کرانا چاہتی ہے تو اس طرح دعویٰ کرنا چاہئے کہ "شوہر تفریق کرتا ہے، اس لئے نکاح فسخ کردیا جائے" اور یہ دعویٰ حاکم مسلم کی عدالت میں ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲/رمضان/۱۳۵۵ھ۔

ایضاً

سوال[۵۲۲۸]: ہندہ کا نکاح جبراً اس کے بھائیوں نے زید سے کردیا، باپ کا انتقال ہوچکا تھا، ہندہ اس وقت بالغ تھی، رخصتی بھی جبراً کی گئی، اس حالت میں ایک سال ہوا، شاید دو مرتبہ اسی سال میں بیوی کی ملاقات ہوئی۔ اس طریقہ سے ہندہ زید سے ہرگز خوش نہیں اور نہ نکاح کو مانتی ہے۔ اس حالت میں ہندہ زید کی زوجہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو تفریق کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہندہ نے صاف صاف انکار کردیا تھا اور پھر بھی بھائیوں نے اس کا نکاح کردیا اور نکاح ہوجانے کی خبر سن کر بھی ہندہ نے انکار کردیا اور اس نکاح کو نامنظور کردیا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، پھر اس کا زید کے ساتھ

---

(۱) "فعل ذلک فالنکاح موقوف علی إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل. کذا في السراج الوهاج" (الفتاوی العالمکیریة، الباب الرابع في الأولیاء: ۱/۲۸۷، رشیدیه)

"ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح، لانقطاع الولایة بالبلوغ، فلا بد من استئذانها هو، أي الولي وهو السنة" (الدر المختار) "فإن زوجها بغیر استئمار، فقد أخطأ السنة، وتوقف علی رضاها، بحر عن المحیط. الخ" (رد المحتار، باب الولي: ۳/۵۸، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۹۳، رشیدیه)

(۲) "وأهله أهل الشهادة، أي أدائها علی المسلمین ... ویلزم أن تقلید الکافر صحیح، وإن لم یصح قضاؤه علی المسلم حال کفره. الخ" (الدر المختار، مطلب الحکم الفعلي: ۵/۳۵۴، سعید)

"فیشترط أهلیة القضاء، ولا یجوز تحکیم الکافر، الخ". (الهدایة، باب التحکیم: ۳/۱۳۳، امدادیه ملتان)

(وکذا في فتح القدیر، باب التحکیم: ۷/۳۱۶، مصطفی البابي الحلبي مصر)

رخصت ہوئی اور ملاقات کرنا سخت گناہ ہوا، ایسی صورت میں وہ زید کی زوجہ نہیں (۱)۔ اگر ہندہ نے نکاح ہوجانے کی خبر سن کر خاموشی اختیار کی اور پھر زید کے ساتھ رخصت ہوکر چلی گئی اور زید کو اپنے اوپر قابو دے دیا تو یہ نکاح صحیح اور لازم ہوگیا (۲) اگرچہ دل میں اس سے ناخوش ہو، اب ہندہ زید کی بیوی ہے، دوسری جگہ نکاح کا اس کو اختیار نہیں جب تک زید طلاق نہ دیدے، اس کو چاہئے کہ زید کے ساتھ رہ کر اس کے حقوق ادا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

بیوہ کا زبردستی نکاح

سوال [۵۲۲۹]: ایک بیوہ عورت ہے، اس کے ہمراہ ایک لڑکی بھی ہے، بیوہ ہونے کے بعد تقریباً سال بھر اپنے میکے میں رہ کر گذر بسر کیا، بعد ازاں اس کے باپ نے ایک جگہ نکاح کی بات چیت کی، نکاح ہونے کی خبر سن کر اس کا سسر اس کے میکے میں آیا اور کہا کہ تم میرے یہاں چلو، میں اپنے دوسرے لڑکے کے ساتھ تمہارا نکاح کردوں گا، مگر وہ عورت جانے کے لئے کسی بھی طرح رضامند نہ ہوئی۔

آخر کار عورت کی لڑکی کو اس کا سسر گود میں لے کر اپنے گھر چلا گیا، لڑکی کو لینے کے لئے عورت نے

---

(۱) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل، كذا في السراج الوهاج" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۲۸۷/۱، رشيدية)

"(ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ، (فإن استأذنها هو) أي الولي (وهو السنة)" (الدر المختار). "(وإن زوجها بغير استئمار فقد أخطأ السنة، وتوقف على رضاها) بحر عن المحيط" (رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۵۸/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱۹۳/۳، رشيدية)

(۲) "ولو كانت البكر قد دخل بها زوجها ثم قالت: لم أرض، ثم تصدق على ذلك، وكان تمكينه إياه من الدخول بها رضاً، إلا إذا دخل بها وهي مكرهة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۲۸۹/۱، رشيدية)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح، باب نكاح البكر: ۷/۳، غفارية)

لا یحل أن یتزوج زوجة غیره" الخ". هندیة: ۱/ ۲۸۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

ایضاً

سوال [۵۳۳۰]: ایک بیوہ عورت کا نکاح زبردستی ایک نابالغ سے کر دیا گیا بغیر اس کی رضا مندی کے، اور اس کا نشانی انگوٹھا بھی درج کرلیا، مگر وہ یہ کہتی رہی کہ مجھ کو ساری عمر بھی نکالو تب بھی اس کے یہاں نہ رہوں گی۔ پھر کسی کے مکان پر ایک سال گزر بسر کرتی رہی، کیونکہ بیوہ اسی کے بھائی کی عورت تھی یعنی جس کے ساتھ نکاح ہوا، جنھوں نے جبراً نکاح کیا تھا انھوں نے اپنی مرضی سے دوبارہ نکاح کر دیا جہاں وہ رضامند تھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نکاح کے بعد بھی اس نے انکار کر دیا تھا اور وہ راضی نہ تھی تو وہ نکاح صحیح نہیں ہوا تھا، پھر جس جگہ اس کی رضامندی سے نکاح ہوا ہے وہ صحیح اور درست ہے۔

اور اگر نکاح ہو جانے پر وہ رضامند ہوگئی تھی تو نکاح صحیح اور لازم ہو گیا تھا (۲)، پھر دوسری جگہ جو نکاح

■ (رد المحتار، باب الولی: ۳/ ۵۸، سعید)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/ ۲۸۰، رشيدية)

(۲) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل، كذا في السراج الوهاج".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/ ۲۸۷، رشيدية)

"ولا تجبر البالغة البكر على النكاح، لانقطاع الولاية بالبلوغ، فإن استأذنها هو: أي الولي، وهو السنة". (الدر المختار) "وإن زوجها بغير استئمار فقد أخطأ السنة، وتوقف على رضاها".

(رد المحتار، باب الأولياء: ۳/ ۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۱۹۳، رشيدية)

ہونا، وہ صحیح نہیں ہوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۵/۹/۵۹ھ۔

لڑکی کا جبراً نکاح

سوال[۴۳۲۱]: ۱…ایک بارہ سالہ لڑکی کو کسی ظالم نے عداوۃً زبردستی باہر جنگل سے اٹھا کر اور بلا رضامندی لڑکی کے بلا اجازت وارثین کے اس کا نکاح کر دیا گیا، یہاں تک کہ اس لڑکی کے والدین و وارثین کو کچھ خبر تک بھی نہیں ہے بلکہ وہ شب و روز اس گمشدہ لڑکی کے متلاشی ہیں۔ اس صورت مذکورہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یا دوسرے کسی امام کے نزدیک باحدیث و قرآن کی رو سے یہ نکاح صحیح و درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایک مولوی صاحب نے پانچ روپیہ کے عوض باوجود حالات معلوم ہونے کے دو گواہوں کے روبرو نکاح پڑھا دیا۔ از روئے شریعت اس نکاح پڑھانے والے کی بھی کوئی گرفت ہے یا نہیں؟

اور بوقت نکاح جس وقت لڑکی سے اجازت طلب کی گئی تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ میں یہاں نکاح نہیں کرتی تو لوگوں نے اس لڑکی کو کاغذ پر انگوٹھا لگانے پر مجبور کیا، مگر لڑکی نے صاف انکار کر دیا اور انگوٹھا بھی نہیں لگایا۔ پھر اس جگہ سے لڑکی کو اٹھا کر دوسرے ضلع میں لے گئے، وہاں پر دو آدمیوں نے مارنے کی دھمکی دی اور زبردستی پکڑ کر انگوٹھا لگوایا۔ اب یہ انگوٹھا نکاح ہونے کی حجت و دلیل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ براہ مہربانی اس کا جواب مفصل مع دلائل تحریر فرمائیں۔

۲…وعدہ خلافی کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱…شرعاً یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، جس شخص نے باوجود علم کے یہ نکاح پڑھایا ہے وہ سخت گناہ گار ہے، لڑکی

---

(۱) اگر نکاح پر رضامند ہو گئی تو اب منکوحۃ الغیر ہونے کی وجہ سے نکاح ثانی درست نہیں ہوا۔

"لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجۃ غیرہ، کذا فی السراج الوہاج". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب النکاح، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بہا حق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیہ)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی شرط أن لا تکون منکوحۃ الغیر: ۳/۴۵۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی رد المحتار، باب المہر، مطلب فی النکاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعید)

ہوا یا نہیں؟ لڑکی کو رخصت کرنا حلال ہے یا حرام ہے؟ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر شوہر زبردستی اس پر مسلط ہو جائے تو یہ بات شریعت کے خلاف ہے یا مصلحت ہے؟ ان سب حوادث کے بعد آپ دریافت کرنا شبہ پیدا کرتا ہے۔ اب شوہر سے طلاق لی جائے یا بذریعہ عدالت شرعی کمیٹی تفریق کرائی جائے (۱)، پھر جب عدت گذر جائے تب نکاح ثانی کے اقدام کی گنجائش ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جبراً اقرارِ نکاح

سوال [۵۳۳۳]: مسماۃ راحت النساء اپنی پھوپھی کے گھر گئی تھی، کچھ لوگ وہاں پہنچے اور لڑکی سے کہا کہ تمہارے والد تم کو فلاں جگہ بلاتے ہیں۔ لڑکی ان کے ساتھ چلی، راستہ میں ایک جنگل میں ان لوگوں نے لڑکی سے کہا کہ تم اقرار کرو کہ تمہارا عقد فلاں کے ہمراہ کردیا گیا، اگر تم اقرار نہیں کرتی تو ہتھیار دکھلا کر کہا کہ ختم کردیے جاؤگے۔ لڑکی نے جان کے خوف سے قبول کرلیا اور عقد ہوگیا۔ پھر لڑکی کسی طرح بہانہ کرکے وہاں سے بھاگ کر آگئی۔ اب وہ نکاح ہوگیا یا نہیں؟ لڑکی نہ پہلے راضی تھی نہ اب راضی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی پر یہ بہت بڑا ظلم ہوا، ایسا کرنے والے سب لوگ سخت گنہگار ہوئے، مگر اس کے باوجود یہ نکاح منعقد ہوگیا (۳)۔ لڑکی صبر کرے اور منتظر رہے کہ ظالموں پر کیا وبال آتا ہے، اگر برداشت نہیں کرسکتی تو کسی

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾ (البقرة: ۲۲۹)

"ویجب لو فات الإمساك بالمعروف" (الدر المختار، کتاب الطلاق: ۳/۲۲۹، سعید)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإذا بلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ینکحن أزواجهن﴾ (البقرة: ۲۳۲)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة" (بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل فی شرائط جواز الرجعة: ۳/۲۹۶، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) "الطلاق والإیلاء والظهار والرجعة والنکاح ... یشمل ما إذا أکره الزوجة أو الزوج علی عقد النکاح کما هو مقتضی إطلاقهم" (رد المحتار، کتاب الطلاق، مطلب فی المسائل التی تصح مع الإکراه: ۳/۲۳۶، سعید)

"لأنه یستحق رضاها لا یتصور ما من شأنه أن یدل علی الرضا، إذ حقیقة الرضاء غیر –

طرح خوشامد کرکے مہر معاف کرکے طلاق لے لے(۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بالغہ کو بہکا کر لے جا کر اس سے نکاح کر لینا

سوال [۵۳۳۲]: آج کل پنجاب میں یہ مرض عام پھیل گیا ہے کہ عموماً کنواری لڑکیاں بعض فساق سے خفیہ ناجائز تعلقات پیدا کر لیتی ہیں، کئی دنوں کے بعد وہ فساق ان کو والدین کے گھر سے کوئی موقع پا کر لے بھاگتے ہیں، اور کسی اور علاقہ میں جا کے نکاح کر لیتے ہیں، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باکرہ کا نکاح بغیر اجازت ولی جائز ہے جس سے فساق نے ناجائز نفع اٹھانا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے فساد بر پا ہو رہا ہے۔

کیا آج کل انسداد فتنہ کے واسطے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول عدم جواز نکاح باکرہ بغیر رضائے ولی پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا، اور اس پر عمل جائز نہیں جبکہ کہ ائمہ بھی امام شافعی سے متفق ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مرض کا علاج یہ نہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو ترک کر دیا جائے، بلکہ یہ ہے (کہ) بعد بلوغ لڑکیوں کی شادی میں اپنے رواج یا قومی مصالح یا ذاتی منافع کی بناء پر تاخیر نہ کی جائے، بلکہ شادی

= مشروط في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب التزوج بارسال كتاب: ۳/۲۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح: ۲/۱۰، دار المعرفة بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ثلث جدهن جد، وهزلهن جد: النكاح والطلاق والرجعة". (مشكوة المصابيح، باب الخلع والطلاق، الفصل الثاني ۲/۲۸۴، قديمي)

(۱) قال الله تعالى: ﴿فإن خفتم ألا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعلا ذلك، وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثامن في الخلع، الفصل الأول: ۱/۴۸۸، رشيديه)

اگر ایجاب و قبول میں یہ الفاظ کہے گئے ہیں، دونوں گواہ وغیرہ نکاح پر موجود ہیں اور اس مجلس کو مجلس عقد نکاح سمجھا گیا ہو اور گواہوں نے بھی یہی سمجھا ہو کہ ان الفاظ سے مقصود نکاح ہے تو شرعاً نکاح منعقد ہو جاوے گا:

"وإنما يصح بلفظ تزويج ونكاح؛ لأنهما صريحان، وما عداهما كناية، وهو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة، فلا يصح بالشركة في الحال، خرج الوصية غير المقيدة بالحال، كهبة وتمليك وصدقة وعطية وقرض وسلم واستيجار وصلح وصرف. وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة وفهم الشهود المقصود" درمختار: ۲/۱۳ (۱) ملتقطاً۔

"واستعمال أن كناياته عن لفظ نوعين، ما ينعقد به إجماعاً اهـ". زيلعي، قال الشلبي:

"ومنه كالهبة والصدقة ونحوها"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

لفظ "اجرت" سے نکاح

سوال [۵۳۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

مسماۃ ہندہ نے جو کہ عاقلہ بالغہ ثیبہ ہے اور عمر اس کی بیس سال سے متجاوز ہے، زید نے ایک مختصر سا کام کیا، زید نے بعد انجام دہی ہندہ سے مذاقاً کہا کہ "مجھ کو اس کی اجرت چاہیے جو تمام خصوصیت رکھتی ہو"، اس وقت ہندہ نے بہت خوش ہو کر کہا کہ "اس صلہ میں مجھ کو لے لیجیے، میں نے اپنے کو آپ کے حوالہ کیا"۔

تب زید نے کہا کہ خوب مضبوط ہو کر کہو، پھر ہندہ نے اور بھی مستعدی اور مضبوطی سے یہ ذرا الفاظ میں کہا اور زید نے اس قول کو ہندہ سے دوبارہ کہہ کر تین چار دفعہ کہلوایا اور ہندہ نے ہر بار اقرار کیا اور زید قبول کرتا

---

(۱) (الدر المختار، کتاب النکاح، مطلب: التزوج بإرسال کتاب: ۳/۱۶، ۱۷، سعید)

(۲) (تبیین الحقائق مع حاشیة العلامة الشلبي، کتاب النکاح: ۲/۵۱۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

"وما ينعقد به النكاح، فهو نوعان: صريح وكناية، فالصريح لفظ النكاح والتزويج، وما عداهما وهو ما يفيد ملك العين في الحال كناية، كذا في النهر الفائق نقلاً عن المبسوط، الخ"

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح وما لا ينعقد به: ۱/۲۷۰، رشيدية)

دوم: حاضرین اور گواہوں نے اس کو نکاح سمجھا ہو (یہاں ایسا نہیں ہوا)۔

سوم: کوئی قرینہ بھی اس دو نکاح پر ہو (اس صورت میں یہ بھی نہیں)۔

چہارم: باقاعدہ اجارہ کیا گیا ہو اور عورت کو ایسے کام کی اجرت قرار دیا گیا ہو کہ اس پر اجرت لینا شرعاً جائز ہو (صورت مسئولہ میں یہ بھی مفقود ہے)۔ پس یہ نکاح شرعی نکاح نہیں ہوا بلکہ لغو اور بیکار ہے اس پر کوئی شرعی حکم مرتب نہ ہوگا:

"وإنما يصح بلفظ تزويج ونكاح؛ لأنهما صريح، وما عداهما كناية، وهو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة فلا يصح بالشركة في الحال، خرج الوصية، غير المقيدة بالحال، كهبة وتمليك وصدقة وعطية وقرض وسلم واستيجار وصلح وصرف، وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة وفهم الشهود المقصود". در مختار (۱)۔

"(قوله: وسلم واستيجار) وهذا إذا جعلت المرأة رأس مال السلم أو جعلت أجرة، فينعقد إجماعاً، وقال تحت (قوله: بشرط نية أو قرينة) بعد بسط الكلام ومخلصه: إنه لا بد في كنايات النكاح من النية مع قرينة أو تصديق القابل للموجب وفهم الشهود المراد أو إعلامهم به". رد محتار: ۲/۲۶۵، ۲۶۶ (۲)۔

شرط کا معدوم ہونا جواب تنقیح سے واضح ہوا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۸/۵۷ھ۔

اس سوال کی تنقیح مع جواب تنقیح نقل کر لی گئی ہے۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/شعبان/۵۷ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۱۲ - ۱۸، سعید)

(وکذا في ملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر، کتاب النکاح: ۱/۳۱۸، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

(وکذا في حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب النکاح: ۲/۹، دار المعرفة بیروت)

(۲) (رد المحتار، کتاب النکاح، مطلب: التزوج بإرسال کتاب: ۳/۱۲، ۱۸، سعید)

اور انعقادِ نکاح کیلئے گواہوں کا عادل ہونا ضروری نہیں ہے(۱)، البتہ اگر مقدمہ عدالت میں پہنچے گا تو قاضی غیر عادل کی شہادت کو رد کردیگا، اس صورت میں عقد کے صریح اور کنائی ہونے میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا صریح کو کنائی پر کوئی فوقیت نہیں ہوگی(۲)۔

(ب): عدالت میں دعویٰ پیش کرنے کے لئے شہود کا عادل ہونا ضروری ہے، غیر عادل کی شہادت کو قاضی قبول نہیں کرے گا، تاکہ صحت واقعہ شہود کا غلبۂ ظن حاصل ہوجائے(۳)۔

---

(۱) "ويصح بشهادة الفاسقين والأعميين، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۱/۲۶۷، رشيدية)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبة شركة علمية)

(۲) "وإنما يصح بلفظ تزويج ونكاح، لأنهما صريح، وما عداهما كناية هو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة، فلا يصح بمشترك في الحال، فخرج الوصية غير المقيدة بالحال كهبة وتمليك وصدقة وعطية وقرض وسلم واستئجار وصلح وصرف، وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة، وفهم الشهود المقصود. الخ" (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۱۱-۱۹، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح: ۲/۸-۹، دار المعرفة بيروت)

(وأيضاً النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۷۸، إمدادية ملتان)

(۳) "ومنها: العدالة لقبول الشهادة على الإطلاق، فإنها لا تقبل على الإطلاق بدونها، لقوله تعالى: ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾ والشاهد المرضي هو الشاهد العدل. الخ" (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ۹/۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"فلو قضى بشهادة فاسق نفذ وأثم، فتح. إلا أن يمنع منه أي من القضاء بشهادة الفاسق الإمام فلا ينفذ. الخ". (الدر المختار). (قوله: بشهادة فاسق نفذ) قال في جامع الفتاوى: وأما شهادة الفاسق فإن تحرى القاضي الصدق في شهادته تقبل، وإلا فلا. فتال. وفي الفتاوى القاعدية: هذا إذا غلب على ظنه صدقه، وهو مما يحفظ. دون، أول كتاب القضاء، وظاهر قوله: وهو مما يحفظ اعتماده. الخ" (رد المحتار، كتاب الشهادات: ۵/۴۶۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الشهادة: ۳/۱۵۵، مكتبة شركة علمية ملتان)

(ج): یہ رشتہ مانع قبول شہادت نہیں (١)۔

(د): اگر عدالتِ قاضی میں ثبوت نہ ہو اور قاضی کو حسبِ واقعہ کا شہادت سے غلبۂ ظن حاصل نہ ہو تو وہ عقد کو غیر معتبر مانے گا، ایسی صورت میں قاضی کو چاہیے کہ شوہر کو کہے کہ تم طلاق دے دو، احتیاط کا تقاضا یہی ہے، اگر وہ طلاق نہ دے تو قاضی خود نکاح کو فسخ کردے (٢)۔

(ہ): صرف ایک مرد عادل یا مستور الحال کی شہادت پر قضاء جائز نہیں (٣)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ شوال/ ۶۷ھ۔

---

(١) "وأما ما عدا هؤلاء من الأقارب، فتقبل شهادة أحدهم للآخر، فتقبل شهادة الربيب، وشهادة الأخ لأخيه، ولأخته، ولأولادهما، وكذا الأعمام وأولادهم، والأخوال والخالات، والعمات، وتقبل شهادة الرجل لأم امرأته وأبيها ولزوج ابنته ولامرأة أبيه ولأخت امرأته". (شرح المجلة، الفصل الثالث في شروط الشهادة الأساسية، (رقم المادة: ١٧٠٠)، ص: ١٠٣١، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع فيمن تقبل شهادته ومن لا تقبل، الفصل الثالث: ٣/٤٧٠، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ٥/٣٥١، دار الكتب العلمية بيروت)

(٢) جیسا کہ حاشیہ نمبر ۵ سے معلوم ہوا کہ اگر قاضی کو ظن غالب ہے اس کی صداقت پر یقین ہو شہادت کو قبول کرے گا ورنہ نہیں اور شہادت قبول نہ کرنے کی صورت میں تو شوہر ان کے درمیان تفریق کرے گا۔ "وهو الذي فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود ... بل يجب على القاضي التفريق بينهما. الخ". (الدر المختار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ٣/١٣٢، ١٣٣، سعيد)

(٣) "وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالاً أو غير مال، مثل النكاح والطلاق والوكالة والوصية ونحو ذلك، الخ". (الهداية، كتاب الشهادة: ٣/١٥٣، ١٥٤، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الأول: ٣/٤٥١، رشيديه)

(وكذا في شرح المجلة، الباب الأول في الشهادة، الفصل الأول، (رقم المادة: ١٦٨٥)، ص: ١٠٣٠، مكتبه حنفيه كوئته)

عورت کا یہ قول کہ "میں فلاں شخص کے ساتھ رہوں گی" نکاح نہیں

سوال [۵۳۳۰]: اگر کوئی عورت صرف دو مردوں کے سامنے کہہ دے کہ میں ہمیشہ فلاں مرد کے ساتھ رہوں گی، مگر وہ مرد موجود نہ ہو تو اس طرح نکاح ہوا یا نہیں جبکہ دونوں ایک دوسرے سے نکاح کرنے پر راضی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے کہنے سے خواہش نکاح کا اظہار ہوا، لیکن نکاح منعقد نہیں ہوا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۸۸ھ۔

الفاظِ نکاح کتنی بار کہے جائیں؟

سوال [۵۳۳۱]: ۱ ... نکاح منعقد ہونے کے لئے کتنے الفاظ کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر نکاح جائز نہ ہو؟

۲ ... نکاح کے ایجاب وقبول کے الفاظ صرف ایک بار کہے یا تین بار کہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱ ... دونوں ایک ایجاب دوسرا قبول ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے، کم از کم دو گواہوں کے سامنے ہونا ضروری ہے (۲)۔

---

(۱) "وأما ركن النكاح فهو الإيجاب والقبول، وذلك بألفاظ مخصوصة الخ". (بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۷۶، امداديه ملتان)

(۲) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، عدولا كانوا أو غير عدول الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركت علميه ملتان)

... ایجاب کہنا کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

انعقادِ نکاح کے لئے نکاح کا اقرار کافی نہیں اور بعض الفاظِ نکاح

سوال[۵۳۳۲]: ہندہ اور زید کے درمیان تین چار سال سے محبت کا خط وکتابت تھا اور ہندہ نے بعض خطوط میں یہ لکھا تھا کہ "میں آپ ہی کو خاوند بناؤں گی" اور بعض میں یہ کہ "آپ کو شوہر بنانا چاہتی ہوں" اور اکثر خطوط میں اس نے زید کو خاوند سے تعبیر کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ الفاظ بھی کہا ہے کہ "آپ اور میرے درمیان نکاح منعقد ہوچکا ہے" کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ جو خطوط اس نے زید کے پاس بھیجے تھے ان کو زید نے دو تین بالغ آدمیوں کے سامنے پڑھ کر اس کو تین بار آدمیوں کے سامنے قبول کرلیا ہے، یہ کہہ کر کہ "میں اس کو اپنی زوجیت میں قبول کرتا ہوں"۔

اب ہندہ کے باپ نے ان تمام باتوں کو سمجھ جانے اور ہندہ کے بہت سے خطوط پڑھ لگ جانے کے باوجود بھی اس کو دوسری جگہ شادی میں دے دیا اور اس نے بھی خود اپنے والدین کے خوف سے یا دنیوی طمع کی خاطر اپنے نکاح کی اجازت دے دی۔ اب صورتِ اولیٰ میں مذہبِ حنفی کے مطابق نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ بر تقدیرِ اول نکاحِ ثانی کا کیا حکم ہے؟ اور اس جرم کا مرتکب کون ہوا؟ اور اس کی کیا سزا ہے؟ [illegible] بينوا توجروا۔

شمیم احمد [illegible]

= (وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۸۱، ۱۸۲، امدادیہ ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۲۱، ۲۲، سعيد)

(۱) "وينعقد ملتبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر وضعا للمضي كزوجت، أو يقول الآخر: تزوجت، الخ" (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

"وينعقد بالإيجاب والقبول وضعا للمضي، أو وضع أحدهما للمضي والآخر لغيره مستقبلاً، فإذا قال لها: أتزوجك بكذا، فقالت: قد قبلت، يتم النكاح" (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح وما لا ينعقد به: ۱/۲۷۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، مكتبه شركة علميه ملتان)

وطلاق کی اہمیت یا فرق سے ذرا بھی واقف نہیں تھے، والدین نے بہت ناز سے پیار سے پالا تھا، والد سرکاری کمپونڈر تھے، ریٹائرڈ ہونے کے بعد پریکٹس کررہے ہیں۔

غرض یہ کہ سسرال سے میری والدہ کنیز فاطمہ کا قریبی رشتہ تھا لہٰذا گھر کی ایک دو عورتوں نے خوب پیار دیا مگر میرا شوہر دو چار دن بعد سے ہی جھگڑنے اور گالیاں دینے لگا، وہ تھا، اس کا کہنا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتا تھا اور اب وہ میری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا، وہ سامنے رہنے والی ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ بعد میں (میں) گھر آگئی، والدین نے میرے شوہر اور سسرال والوں کو بہت اونچا نیچا سمجھایا مگر جو جھگڑے، گالی گلوچ، مار پیٹ شروع ہوچکی تھی وہ کم نہ ہوئی بلکہ اضافہ ہی ہوتا رہا۔

میرے ہی کمرے میں میرا شوہر محمد شفیق اپنی محبوبہ سے ہی بات چیت کرتا رہا، میرا خاموش رہنا ضروری تھا، میں خاموشی پر بھی گالیاں کھاتی اور پٹتی رہی: "طلاق دیدوں گا، طلاق دے کر ہی رہوں گا، تو تو تیرے باپ کے گھر ہی اچھی لگتی ہے"۔

مجھے گھر روانہ کردیا گیا اور والدین نے فٹ بال کی طرح ٹھوکر مار کر سسرال واپس کردیا، میرے شوہر نے پھر جھگڑا کیا کہ "تو طلاق کے قابل ہے، میں تجھے دیدوں گا، اور سفید چادر اوڑھا کر گھر سے نکال کرکے نکالوں گا"۔ ایک روز بہت جھگڑا ہوا، جب میں مقابلہ میں تھک گئی تو دو تین عورتوں نے بیچ بچاؤ کیا تو وہ غضب ہوگیا: "نکال دو اس رانڈ کو، میں نے اسے طلاق دی، اسے دھکے دے کر نکالو"۔ میں والدین کے پاس بھجوادی گئی، والدین نے سارا ماجرا سن کر نرسنگ کی ٹریننگ میں داخلہ دلایا، اب میں ہوسٹل میں رہ کر ٹریننگ کرنے لگی اور اپنے کو طلاق شدہ سمجھنے لگی۔

میرے والد کے بھائی جناب نور محمد خان کی سالی کے لڑکے جن کا نام واجد حسین خان ہے۔ یہ جے پور میں رہتے ہیں۔ ان کی خالہ نور محمد خان کی اہلیہ نے میری شادی سے پہلے ان کے لیے میرے نام اشارۃً بھجوائے تھے، چونکہ میری شادی میری والدہ کی رشتہ داری میں ہونا طے ہوچکی تھی اس لئے خاموشی اختیار کی گئی۔ غرضیکہ واجد حسین خان مجھ سے ملنے ہوسٹل آتے رہتے تھے اور مختلف باتیں ہوتی رہتی تھیں، اخلاقی طور پر ہم ایک دوسرے کے بہت ہی قریب تھے، ان کے گھر بھی آنا جانا تھا، میری ٹریننگ بھی ختم ہوگئی تھی۔

ایک دن واجد صاحب مجھے گھر لے گئے، دنیاداری کی باتیں ہوتی رہیں، مجھے رات میں واجد صاحب

ایجاب وقبول لازم ہے۔ بغیر اس کے نکاح نہیں ہوتا(۱)۔ واجد حسین خان صاحب کے ساتھ جو تعلق ہوا وہ زنا کاری ہے اور زنا سے بچہ پیدا ہوا اس کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوگا(۲)۔ گزشتہ زندگی سے تائب ہوکر واجد حسین صاحب سے نکاح کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۱۴۰۲ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح ۳/۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۹۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان عتبة بن أبي وقاص عهد إلى أخيه سعد بن أبي وقاص أن ابن وليدة زمعة مني ...... فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "هو لك يا عبد بن زمعة! الولد للفراش وللعاهر الحجر". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول: ۲/۲۸۷، قديمي)

"قال أصحابنا: لثبوت النسب ثلاث مراتب: الأول: النكاح الصحيح، وما هو في معناه من النكاح الفاسد، والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة، ولا ينتفي بمجرد النفي، وإنما ينتفي باللعان، فإن كانا ممن لا لعان بينهما، لا ينتفي نسب الولد، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب ۱/۵۳۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل التاسع والعشرون في ثبوت النسب ۳/۲۸۷، إدارة القرآن كراچی)

فصل في النكاح بالكتابة والهاتف

(تحریر اور ٹیلیفون کے ذریعے نکاح کا بیان)

نکاح بذریعۂ خط

سوال[۵۳۳۵]: دولہا افریقہ میں اور دولہن ہندوستان میں اور نکاح پڑھانا ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟ خلاصہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دولہن یا اس کا ولی دولہا یا اس کے ولی کو بذریعۂ خط اجازت دیدے اور اس خط کے پہنچنے پر دولہا یا اس کا ولی گواہوں کی موجودگی میں بجواب ایجاب قبول کرلے، مثلاً دولہن نے لکھا ہے: "میں تم کو وکیل بناتی ہوں تم میرا نکاح اپنے سے کرلو"، اس پر دو گواہوں کے سامنے کہدے کہ "فلانہ بنت فلاں نے مجھے اپنی طرف سے اپنے نکاح کا وکیل بنایا ہے، میں نے اس سے اپنا نکاح کرلیا"۔ یا دولہن کے ولی (باپ) نے دولہا کے ولی (باپ) کو لکھا کہ "میں تم کو وکیل بناتا ہوں کہ میری فلاں لڑکی کا نکاح تم اپنے لڑکے سے کردو"، اس پر دو گواہوں کے سامنے کہہ دے کہ "میں نے فلاں کی لڑکی فلاں کا نکاح اپنے لڑکے فلاں سے کردیا"، یہ نکاح ہوجائے گا، ایک ہی شخص کا کہنا ایجاب وقبول دونوں کے قائم مقام ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "قوله: فإن ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب. وصورته: أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغها الكتاب، أحضرت الشهود وقرأته عليهم، وقالت: زوجت نفسي منه، أو تقول: إن فلاناً كتب إلي يخطبني، فاشهدوا أني زوجت نفسي منه. أما لو لم تقل بحضرتهم سوى: زوجت نفسي من فلان، لا ينعقد". (رد المحتار، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۳/۱۲، سعید)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۲۰، كتاب النكاح، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

خط کے ذریعہ نکاح

سوال[۵۳۴۶]: فاطمہ نے لکھنؤ سے رفیق مقیم کلکتہ کے پاس رجسٹری خط بذریعہ ڈاکخانہ بھیجا جس میں تحریر کیا کہ ”بھائی رفیق صاحب میں آپ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں اس لئے میں نے اپنے کو آپ کی زوجیت میں دے دیا، امید ہے کہ آپ قبول فرمائیں گے“۔ پھر دستخط کر دیا۔ جب رفیق کے پاس یہ خط پہنچا تو دس پانچ روز اپنے پاس خط ڈالے رہے پھر دو آدمیوں کو گواہی کے لئے بلایا کہ ”میری حقیقی پھوپھی زاد بہن مسماۃ فاطمہ بنت حبیب خان نے لکھنؤ سے میرے پاس بذریعہ ڈاک رجسٹری خط بھیجا ہے جس کا مضمون یہ ہے“۔

اس کے بعد فاطمہ کا ایجاب نامہ پڑھ کر سنایا گیا اور وہ خط بھی گواہوں کو دکھایا، پھر کہا کہ ”آپ لوگ گواہ رہیں میں نے فاطمہ کی بات منظور کر لی اور اس کو اپنی زوجیت میں لے لیا اور اس کا نکاح اپنے سے کر لیا“۔ اب کیا اس صورت میں نکاح ہو گیا یا نہیں؟ اس مسئلہ کے بارے میں دارالعلوم دیوبند سے کل فتویٰ نمبر: ۲۴۸۸ آیا ہے اس کی نقل یہ ہے۔

”مذکورہ صورت میں چونکہ رفیق نے دو گواہوں کے سامنے جب فاطمہ کا خط سنا کر ان کے سامنے ہی اس نکاح کو قبول کر لیا اور فاطمہ کی طرف سے خود وکیل بن کر ایجاب کیا اور پھر بحیثیت زوج قبول نکاح کیا اور اس ایجاب وقبول پر دو گواہ بنا لئے تو یہ نکاح صحیح ہوگا“۔ اس فتویٰ میں فاطمہ کی طرف سے خود وکیل بن کر ایجاب کی قید لگی ہوئی ہے، درمختار ۲/۲۹۴ میں ہے۔ اور مولانا احمد علی سعید صاحب نائب مفتی دارالعلوم دیوبند کی تالیف کردہ کتاب ”عورت اور اسلام“ ص ۴۳ بعنوان ”خط کے ذریعہ نکاح“ منقول عبارت فتح القدیر پر جو تحریر ہے اس میں اس وکالت کی قید مذکور نہیں ہے۔ پس صورت مسئولہ کا فیصلہ از خود مشکل ہو گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ رفیق کو تو یہ کچھ معلوم تھا نہیں کہ خط سنانے کے ساتھ ہی فاطمہ کی طرف سے وکیل بن کر ایجاب کرنا، پھر بحیثیت زوج قبول کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ اس نے شاید ذہن سے ماتحو وکیل ہونے یا نہ ہونے کی نیت کئے بغیر عورت کے ایجاب نامہ کو سنا کر بحیثیت زوج قبول کر لیا۔ اس پر دو گواہ بنا لئے۔

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۹، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۸، رشيدية)

اب کیا یہ نکاح صحیح ہو گیا یا نہیں؟ اگر نکاح صحیح ہو گیا تو فبہا، اگر صحیح نہیں ہوا تو ایسے نکاح کے بعد جو رفیق نے اپنی منکوحہ سے وطی کی ہے، پھر اس فاطمہ کو طلاق مغلظہ دی ہے اس کا کیا ہوگا؟ کیا اس نکاح و وطی و طلاق مغلظہ کو کالعدم قرار دیا جائے؟ اور رفیق بلا عدت گزرے اور بلا حلالہ کے دوبارہ فاطمہ سے نکاح کر سکتا ہے؟ یا فاطمہ عدت طلاق گذار کر دوبارہ رفیق یا کسی اور شخص کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے؟ صحیح نکاح نہ ہونے کی صورت میں رفیق اگر دوبارہ فاطمہ سے نکاح کرنا چاہے تو طلاق کی ضرورت تو نہیں پڑے گی کیونکہ اس نے وطی کے بعد تین طلاق دی ہے؟

اب حضرت والا سے گذارش ہے کہ جواب تشفی بخش طور پر فی الفور بواپسی ڈاک عطا فرمائیں تاکہ دس روز تک مل جائے، بڑی عنایت ہوگی۔ اس سے قبل قریب تین یوم ایک خط حضرت والا کی خدمت میں برائے دعا ارسال کر چکا ہوں، امید ہے کہ فراموش نہ فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں وکالت کے علاوہ دوسری صورت بھی ہو سکتی ہے اور اس سے بھی نکاح درست ہو سکتا ہے۔

"ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب، وصورته: أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود، وقرأته عليهم وقالت: زوجت نفسي منه، أو تقول: إن فلاناً كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني زوجته نفسي منه. أما لو لم تقل بحضرتهم سوى: زوجت نفسي من فلان، لا ينعقد؛ لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح ...... فلا بد من سماع الشطرين بخلاف ما إذا انتفيا". شامی ۳/۱۲ (۱)۔

اس لئے رفیق نے فاطمہ کو جو تین طلاق دی ہیں وہ معتبر ہوگئیں اور بغیر حلالہ کے فاطمہ کے ساتھ رفیق کا

(۱) (رد المحتار، کتاب النکاح، مطلب: التزوج بإرسال کتاب: ۳/۱۲، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره الخ: ۱/۲۶۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۸۳، رشيديه)

انکار شرعاً معتبر نہیں (۱)۔ شوہر کو بھائی کہنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۸۵ھ۔

کیا پرچہ پر پہیلی لکھ کر حل کراتے وقت "نکاح" کا لفظ لکھنے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے؟

سوال [۵۳۴۸]: مسمی زید کی سوتیلی ماں مع اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے علیحدہ مکان میں رہتی ہے اور ان کے تعلقات مسمی بکر کے گھرانے سے خوشگوار تھے اور بکر کا لڑکا جس کے دوستانہ مراسم زید کے سبب سے سوتیلے بھائی سے تھے، اور کچھ دنوں تک ان کو ٹیوشن بھی پڑھایا تھا جس کی وجہ سے کثرت سے آمدورفت رہتی تھی، اور اسی سبب سے دونوں گھرانوں میں پردہ کا بھی اہتمام نہ تھا۔

چند ماہ قبل مسمی بکر کا لڑکا جب ٹیوشن پڑھا چکا تو اس نے چال چلی کہ معمہ حل کرانے کے بہانے سے ان کے گھر آکر یہ معمہ لڑکی سے حل کرانے لگا (۳)، جس میں یہ تحریر تھی: "میں چاہتا ہوں کہ ..... کر دی

= الكتاب على الشهود، أو قالت: إن فلاناً كتب إليّ يخطبني، فاشهدوا أني قد زوجت نفسي منه، صح النكاح". (خلاصة الفتاوى، الفصل السابع عشر في النكاح بالكتاب والرسالة مع الغائب: ۲/۸، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۴۸، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل الرابع عشر في النكاح بالكتاب: ۳/۵۳، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "جحود جميع العقود ما عدا النكاح فسخ". (الدر المختار، مسائل شتى: ۵/۳۵۱، سعيد)

(۲) قال الشيخ المفتي عزيز الرحمن نور الله مرقده: "اس صورت میں نکاح قائم ہے، عورت کے اس کہنے سے کچھ نہیں ہوا"۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۱/۲۱۰، باب الظهار)

"قال أصحابنا: لا يصح ظهار المرأة من زوجها، وهو قول مالك والثوري والليث والشافعي". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۴۳۳، باب في ظهار المرأة من زوجها، قديمي)

(وكذا في الفتاوى الحقانية، باب الظهار: ۳/۵۲۰، حقانيه)

(۳) "معمہ حل کرنا: کسی پوشیدہ مبہم، پہیلی، چیستاں، پیچیدہ بات الجھاؤ مسئلہ حل کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۶۵، فیروز سنز لاہور)

فصل في نكاح الشغار

(نکاح شغار کا بیان)

آٹھ سانٹھ کا نکاح

سوال [۵۴۵۰]: زید نے اپنی بہن کی شادی بکر کے ساتھ کردی اور بکر نے اپنی لڑکی کی شادی زید کے ساتھ کردی، بکر کی یہ لڑکی پہلی عورت کی ہے تو کیا اس طرح شادی ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہوسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

آٹھ سانٹھ میں نااتفاقی ہوگئی

الاستفتاء [۵۴۵۱]: دو نکاح ہوئے آٹھ سانٹھ میں، جس میں چند سال بعد آپس میں نااتفاقی ہوگئی اور انھوں نے اس کی لڑکی چھوڑ دی اور دوسرے نے بھی ان کی لڑکی کو چھوڑ دیا۔ ایک لڑکی دوبارہ راضی ہوکر اپنے خاوند کے پاس چلی گئی اور دوسرے کی دوسری جگہ پر شادی کردی، اس لڑکی کے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے، اب اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "قال ابن الهمام: وإنما قيده، لأنه لو لم يقل على أن يكون بضع كل صداقاً للأخرى أو معناه، بل قال: زوجتك بنتي على أن تزوجني بنتك، ولم يزد عليه، فقبل، جاز النكاح اتفاقاً، ولا يكون شغاراً، أو لو زاد قوله: على أن يكون بضع بنتي صداقاً لبنتك فلم يقبل الآخر بل زوجه ابنته ولم يجعل صداقاً، كان نكاح الثاني صحيحاً اتفاقاً الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الأول: ۶/۳۰۵، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب في نكاح الشغار: ۳/۱۰۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، باب المهر: ۲/۲۳۲، امدادية ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس لڑکی کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور اس کی عدت چار مہینے دس روز گذر گئے تو اس کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے(۱)۔ جو لڑکی پھر اپنے شوہر کے پاس چلی گئی اس نے بھی ٹھیک کیا۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ دونوں شوہروں نے اپنی اپنی بیوی کو طلاق نہ دی ہو، اگر طلاق دے دی ہو اور عدت بھی گذر گئی ہو تو پہلے شوہر کے پاس جانے کا حق نہیں رہا اور جس کے شوہر کا انتقال ہوگیا، اگر اس کو بھی طلاق دیدی تھی اور اس کی عدت طلاق گذر چکی تھی تو پھر انتقالِ شوہر کے بعد کوئی عدتِ وفات لازم نہیں(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ مدرسہ دار العلوم دیوبند۔

ہمشیرہ و داماد کے نکاح کی شرط پر لڑکی کا نکاح

سوال[۱۰۵۰۵]: ایک شخص اپنی لڑکی کا نکاح کرنا چاہتا ہے اس طریقہ پر کہ جس سے نکاح اپنی لڑکی کا کرتا ہے اس کی حقیقی ہمشیرہ سے خود نکاح کرنا چاہتا ہے، لڑکا کا نام عبداللہ اور لڑکی ہمشیرہ پر دونوں کی والدہ ایک

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف﴾. (سورة البقرة: ۲۳۲)

"وعدة الحرة في الوفاة أربعة أشهر وعشرة أيام الخ" (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲۹، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب العدة: ۲/۱۵۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، باب العدة: ۲/۴۷۳، امدادية ملتان)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها. وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره". (الفتاوى العالمكيرية، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به: ۱/۴۷۲، ۴۷۳، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴/۹۳، ۹۴، رشيدية)

(وكذا في الهداية، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۲/۳۹۹، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في حكم الطلاق البائن: ۳/۲۹۵، دار الكتب العلمية بيروت)

اور باپ دو ہیں۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

میاں جی نورالحسن امام مسجد بہاری گڑھ، سہارنپور، ۸/ ذی قعدہ/ ۵۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی اور مانع شرعی نہ ہو تو اس نکاح میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلاشبہ جائز ہے، لقولہ تعالیٰ:

﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ذیقعدہ/ ۵۲ھ۔

(۱) (سورة النساء: ۲۴)

"﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ إشارة إلى ما تقدم من المحرمات: أي أحل لكم نكاح ما سواهن الخ". (روح المعاني: ۵/۳، دار الفكر بيروت)

"أي ما عدا من ذكرن من المحارم هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۲، سهيل أكيدمي لاهور)

"أسباب التحريم أنواع: قرابة، مصاهرة، رضاع، جمع، ملك، شرك، إدخال أمة على حرة، فهي سبعة ذكرها المصنف بهذا الترتيب". (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۸، سعيد)